OSMANIA UNIVERSITY
COLLEGE LIBRARY.

ما نبودیم بدیں مرتبہ راضی غالب
شعر خود خواہش آں کرد کہ گردد فن ما

مجموعہ نظم بے نظیر

Checked 1975

یعنی

جناب شمس العلماء ڈاکٹر مولوی حافظ نذیر احمد صاحب ایل ایل ڈی ڈی لٹ ایل

کی

اردو، عربی نظموں کا مجموعہ حسب فرمائش مولوی بشیر الدین احمد صاحب

خلف الرشید حضرت مولنائے مغفور

مفید عام اسٹیم پریس میں باہتمام محمد قادر علیخان صوفی چھپا

سنہ ۱۳۳۶ھ
مطابق سنہ ۱۹۱۸ء

(تمامی حقوق بحق مولوی بشیر الدین احمد صاحب محفوظ ہین)

بار دوم
... ہزار جلد

قیمت ۱۲ر
خرچہ وی پی ۳ر

شمس العلماء ڈاکٹر مولوی حافظ نذیر احمد صاحب مرحوم ومغفور کی دیگر تصانیف

	کاغذ سفید ولایتی	کاغذ حنائی	جلد	محصول ڈاک
(۱) قرآن مجید مترجم تقطیع کلاں دو صفحہ تیرھواں ایڈیشن مطبوعہ مفید عام آگرہ جس کے آخر میں الفاظ ومحاورات اُردو کی ایک مکمل فرہنگ مستزاد کی گئی ہی	معہ/	سے/	عما/	عصہ/ ۲/
(۲) قرآن شریف تقطیع متوسط چو صفحہ ترجمہ بین السطور جامع الدلاعت	۸/	×	عصہ ۸/	۹/
...ریف ترجمہ برصفحہ مقابل "غرائب القرآن"	۸/	سے/	ایضاً	۱۳/
(۴) حمائل شریف تقطیع ۲۲+۱۶ ترجمہ بین السطور بارھواں ایڈیشن جس کے آخر میں الفاظ ومحاورات اُردو کی ایک مکمل فرہنگ مستزاد کی گئی ہی	سے/	×	عصہ/	۶/
(۵) دہ سورہ فی احسن صورہ۔ مروجہ پنج سوروں کی جگہ یہ دہ سورہ مترجم ومحشی ہی۔ سفر حضر میں پڑھنے کے بہت کام کا ہی۔ حمائل کی تقطیع ہی	۸/	×	×	۲/

	رنگین قاطع مٹیل	سادہ قاطع مٹیل	محصول ڈاک
(۶) ادعیۃ القرآن۔ قرآن شریف کی تمام دعائیں مترجم مع ایک مفصل دیباچے کے جس میں دعا کی حقیقت اور اُس کی مقبولیت وغیرہ عمدہ اور مفید مضامین ہیں روزانہ وظیفہ کے لیے ایک نایاب مجموعہ ہی	۷/	۶/	۲/

	قیمت	محصول ڈاک
(۷) الحقوق والفرائض۔ حصۂ اول حقوق اللہ۔ حصۂ دوم حقوق العباد۔ حصۂ سوم اخلاق وآداب۔ مسایل شرعیہ میں اس سے بڑھ کر جامع اور مفصل اور کوئی کتاب اُردو میں نہیں ہی جو نہایت عام فہم اور سلیس بھی ہی	للعہ/	۱۱/
(۸) اجتہاد۔ اِس کتاب میں یہ بات ثابت کی گئی ہی کہ اِسلام اور اُس کے معتقدات		

ما نبودیم بدین مرتبہ راضی غالب
شعر خود خواہش آن کرد کہ گردد فن ما

مجموعۂ نظم بے نظیر

یعنی

جناب شمس العلما ڈاکٹر مولوی حافظ نذیر احمد صاحب ایل ایل ڈی ڈی او ایل

کی

اردو و عربی نظموں کا مجموعہ حسب فرمائش مولوی بشیر الدین احمد صاحب

خلف الرشید حضرت مولنا ے مغفور

مفید عام اسٹیم پریس میں باہتمام محمد قاسم علیخان صوفی چھپا

سنہ ۱۳۳۶ھ

مطابق سنہ ۱۹۱۸ء

فہرست مضامین مجموعۂ نظم بے نظیر

میرے والد مرحوم و مغفور اعلی اللہ مقامہ کی نظمیں یکجا کرنے کا خیال سب سے پہلے میرے دوست مولوی سید افتخار عالم صاحب مارہروی کو آیا۔ چنانچہ اُنھوں نے جہاں تک ملیں جمع کرلیں اور میرے پاس جو تھیں میں نے دے دیں۔ اس طرح مجموعۂ نظم بے نظیر اپریل ۱۹۰۹ء میں کاٹن پریس ایٹے میں چھپ کر طیار ہو گیا لیکن افسوس اور نہایت قلق ہے کہ جس اہتمامِ خاص اور حسن و خوبی و خوش اسلوبی کا یہ دُرِ شاہوار مستحق تھا اُتنی ہی اِس سے بے پروائی اور بے اعتنائی یا صاف صاف کیوں نہ کہوں ناقدری ہوئی کاغذ خراب بودا پُھسپُھسا۔ کتاب بالکل گھچ پچ اور خفی غلطیوں سے بھری جس میں نظموں کی خوبی چُھپ گئی اور کتاب کو گھن لگ گیا۔ کتاب دیکھ کر ایسا معلوم دیا کہ جیسے کسی نے جیتی مکھی نگل لی لیکن اس میں سید افتخار عالم صاحب کا کچھ قصور نہ تھا جو کچھ کیا دھرا مطبع والوں نے عیبش جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو خوبی تھی تو صرف نظموں کی اور سید صاحب کے پرزور جامع و مانع دیباچے کی جس پر مجھے ایک لفظ بھی اضافہ کرنے کی ضرورت نہیں میرے والد

مدت العمر نثر لکھتے رہے اور نثر بھی ایسی جیسے کہ لآلی منضود جس کا شہرہ چار دانگ عالم
میں ہی اور یہ فیصلہ متفقہ ہی کہ اُن سے بہتر نثّار اس زمانہ میں نہ تھا۔ شاعری سے
وہ ہمیشہ مستکرہ تھے کیوں کہ اُردو اور فارسی کی پُرانی شاعری میں بجز عشقیہ چاشنی
اور طوطیہ بندی کے دھرا ہی کیا ہی لیکن عربی کے ہزارہا اشعار اُن کو ازبر تھے۔
دیوان حماسہ اور دیوان مُتنبّی نوک زبان تھا۔ جب وہ اشعار پڑھتے تھے تو اُن پر ایک
عالمِ وجد طاری رہتا تھا۔ جس سے معلوم ہوا کہ نفسِ شاعری اُن کے مرغوب طبع
تھا اور اُس کا مذاق وہ اپنے ساتھ لائے تھے اکتسابی یا عارضی نہ تھا۔ مجھے اس
کہنے میں کچھ تامل نہیں کہ مولنا حالی کی نظمیں دیکھ دیکھ کے اُن کے دل میں بھی شاید
گدگدی پیدا ہوئی ہوگی کیوں کہ حالی کا طرز عشقیہ مضامیں اور بے سود مبالغوں سے مبّرا
تھا یا یوں کہیئے کہ جیسی نظم پسندیدہ ہو سکتی تھی اور جس کی زمانۂ حال کو ضرورت تھی
وہ صرف حالی کا طرز تھا۔ طرزِ نو کے وہ موجد تھے اور سب مقلد۔ میرے والد نے
جب دیکھا کہ محض نثر کے لوگ اس قدر گرویدہ نہیں جس قدر کہ نظم کے کیوں کہ
اُس میں ایک قسم ترنّم اور لَے ہی اور وہ بہ نسبت نثر کے دل میں جلد اُتر جاتی ہی
غرض یہ کہ لوگوں کا مذاق طلبگار شعر و سخن ہی تو چوں کہ اُن کی طبیعت کسی طرف تبد
نہ تھی اس میدانِ سخن میں بھی در آئے۔ لیاقت ایک دریا ہی اور پھر اُن کی لیاقت
ایک بحر ذخّار تھا جو ہر وقت متحرک اور متموّج تھا جس کا اُتار چڑھاؤ دید نہ شنید۔ دریا کا
رُخ جدھر کر دو رواں ہو جاے گا۔ نظم ہو یا نثر یا کوئی سا میدان ہو۔ وہ اپنی صفائی۔
سُتھرائی۔ عذوبت ہر جگہ دکھاے گا۔ جس کا بدیہی ثبوت یہ نظمیں ہیں جن کے سننے
کے شوق میں لوگ صدہا بلکہ ہزارہا کوس سے کشاں کشاں آتے تھے اور ایک دفعہ

سن کر برس بھر اُس کا مزہ لیتے رہتے اور ہونٹ چاٹتے کے چاٹتے رہ جاتے اور وہی چاٹ پھر کھینچ لاتی یہ وہی نظمیں ہیں جو دلوں کو تڑپا دیتیں اور آنکھوں سے نالے ندیاں بہا دیتی تھیں۔ یہ وہی نظمیں ہیں جو لوگوں کی جیبیں خالی کرا دیتی تھیں۔ کیا مدرسۃ العلوم علی گڈھ اور کیا ایجوکیشنل کانفرنس کیا انجمن حمایت اسلام اور کیا مدرسہ طبیۂ دہلی سب کی جھولیاں اور سب کے کاسۂ گدا گری علامۂ نذیر احمد کی صدا نے جو درد سے بھری اور خلوص دلی سے مملو تھی بھر دیں اور بھروا دیں یہ دعویٰ نہ بے دلیل ہی نہ محلِّ قال و قیل جس کا دل چاہے جا کر دیکھ لے کہ مرحوم کے لکچروں کی بدولت کتنی عمارتیں اور کتنے بورڈنگ علی گڈھ کالج میں اور اسی طرح اسلامیہ کالج لاہور میں سر بفلک کھڑے ہیں اُن کے رجسٹر اُن چندوں کی فہرستوں سے پٹے پڑے ہیں جو اس زبانِ فیض ترجمان کے فیضان کا نتیجہ تھا۔ اِنَّ مِنَ البَیَانِ لَسِحر اگا اس سے زیادہ کھلا ہوا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہی۔ میں خود شاعر نہیں مگر کان رکھتا ہوں یعنی اچھّے بُرے کی پہچان۔ مجھے اِن نظموں میں وہی مزہ ملتا ہی جو حالی اور شبلی کی نظموں میں۔ لیکن میرا ان نظموں کی نسبت کچھ لکھنا اس وجہ سے مناسب نہیں کہ یہ ہیچ میرز بھی اُسی آفتابِ تاباں کا ایک ذرّۂ بے مقدار ہی لہٰذا اس کا فیصلہ ناظرین پر چھوڑتا ہوں۔

رباعی

کس مُنہ سے کہوں لایقِ تحسین ہوں میں	کیا لطف جو گل کہے کہ رنگیں ہوں میں
ہوتی ہی حلاوتِ سخن خود ظاہر	کہتی ہی کبھی شکر کہ شیریں ہوں میں

ان نظموں کا لطف جنھوں نے اُٹھایا ہی اُن ہی کے دل سے پوچھا چاہئیے۔ وہ کون؟ وہی لوگ جنھوں نے بچشمِ خود مرحوم کی زبانِ فیض ترجمان سے یہ موتی ابرِ رحمت

کی طرح برستے دیکھے ہیں کہ تصنیف را مصنّف نیکو کند بیاں۔ وہ لب ولہجہ وہ کڑکے کی آواز وہ طرز و انداز وہ توضیح و تشریح وہ حرکات وسکنات اب ہم کیا کوئی بھی نہیں دکھلا سکتا۔ غرض وہ بات اب کہاں ہے۔ ع اک دھوپ تھی کہ ساتھ گئی آفتاب کے۔ اب یہ خالی خولی نظمیں ہیں۔ یا گراموں فون کے رکارڈ جس میں اصل کا لطف ملنا ناممکن ہاں نقل ضرور ہے۔ جب اصل ناپید ہو تو خیر نقل ہی سہی۔ دل بستگی کے لیئے یہ بھی کچھ کم نہیں۔ لوگ اس پر بھی سر دھنتے ہیں۔ زمانۂ حال کی نئی روشنی کے شعراء میں حالی و شبلی اور میرے والدے دنی کے یہ تین ہی شخص ایسے تھے کہ جوڑ پل الاثنیس (اتحاد ثلثہ) کہلائے جا سکتے ہیں۔ ایک ہی زمانہ کے تھے۔ قریب قریب ایک ہی عمر کے تھے اور ایک ہی مذاق اور ایک ہی دھن یعنی فلاح قوم کا سودا رکھتے تھے اور تعجب یہ ہے کہ دنیا سے دنی سے بھی تینوں صاحب آگے پیچھے ہی گئے اور بساط خالی کر گئے۔ اب ایجوکیشنل کانفرنس سُن سان ہے۔ انجمن حمایت اسلام ویران مدرسۂ طبیّہ کا کون پرسان۔ اب تو صرف لق و دق میدان ہے اور وہ بھی ویران۔ ان لوگوں کی اور ایسے لوگوں کی موت قوم کی موت ہے۔ ہمارے میں سے جو مر جاتا ہے۔ اُس کا جانشین ندارد۔ رونا ان کے مرنے کا نہیں۔ مرنا برحق۔ رونا ہے تو اپنی بکسی بیلسی اور خستہ حالی کا ورنہ ایسوں کا مرنا درحقیقت مرنا نہیں ہے اُن کا کلام حیاتِ جاوید ہے۔ جب تک دُنیا باقی ہے ان کا نام بھی باقی ہے ؎

ہرگز نہ میرد آں کہ دلش زندہ شد بعلم
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

یہ دوسرا ایڈیشن صرف اس غرض سے نکالا جاتا ہے کہ پہلے ایڈیشن میں جو کچھ نقائص تھے

حتی المقدور رفع کر دیئے جائیں اب میری شرم صوفی قادر علی خاں صاحب
کے ہاتھ ہی جن کا چھاپے خانہ آج ہندوستان کے چھاپے خانوں کی ناک ہی۔
اُن کے والد میرے والد کے دوست تھے اور یہ خود میرے مخدوم مکرم۔ مرحوم
کی ارواح کو خوش کرنے کے لیئے اور مجھ ناچیز کی دلی تمنا بر لانے میں مجھے یقین ہی
کہ وہ کوئی کوتاہی نہ کریں گے۔ میں اُن سے کچھ زیادہ نہیں چاہتا۔ چاہتا ہوں تو بس یہی کہ جیسی کتاب
ہی ویسی ہی آب و تاب سے چھپے بھی۔ جیسا لفظوں کو پڑھ کر دل خوش ہو ویسا ہی
کتاب کو ہاتھ میں لیتے ہی باچھیں کھل جائیں اور بے ساختہ لوگ کہہ اٹھیں کہ
اِنَّ هٰذَا الشَّيْءِ عَجِيْبٌ وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ
فقط

خاکسار بشیر الدین احمد کان اللہ لہٗ ولوالدیہ
دہلی اکتوبر ۱۹۱۷ء

ایک جلسے میں جناب شمس العلماء مولٰنا مولوی حافظ نذیر احمد صاحب دہلوی کے لٹریچر نثر کا ذکر خیر ہو رہا تھا۔ حاضرین جلسہ جناب ممدوح کی بذلہ سنجیوں کو بیان کر کے لطف صحبت میں گرمی پیدا کر رہے تھے کہ اتنے میں خاکسار افتخار بھی پہنچا اور یاران جلسہ کے اصرار پر مولٰنا ممدوح کے دو چار لطیفے بیان کیے۔ ایک نے کہا کہ "اس وقت مولٰنا کی کوئی تصنیف منگائیے۔ اُن کی مصنفات کی ہر ایک سطر ایک لطیفہ ہی اور ہر لطیفے میں ایک نصیحت ہی اور ہر نصیحت میں گلستاں کا مزہ آتا ہی" اور لوگوں نے بھی اس کی تائید کی۔ شائقین کو جب میں نے ہمہ تن اشتیاق دیکھا تو کتاب منگانی پڑی۔ منگائی تھی "توبۃ النصوح" لانے والا مجموعہ لکچر اُٹھا لایا۔ اور مکین کے حوالے کیا۔ مکین اگرچہ نوجوان تھے مگر پرانے خیال کے جس طرح نئے عمدہ خیالات کی نثر کو وہ ناپسند کرتے تھے اُسی طرح بلکہ اُس سے زیادہ نئی شاعری

کو نظرِ حقارت سے دیکھتے تھے۔ اور اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ وہ بھی شاعر تھے مگر ایشیائی[۵] ٹکسال کے۔ حُسنِ اتفاق کہ لانے والے نے اُنھیں کو مجموعہ لکچر دے دیا۔ اُنھوں نے اُس کو کھولا مگر پڑھنے کے لیئے نہیں بلکہ مشغلے کے طور پر ورق گردانی کے لیئے۔ ورق گردانی کرتے کرتے ایک جگہ اُن کا ہاتھ رُکا تو یہ نظم نکلی۔ ؎

نچا مارا ہی یکسر کیا عرب اور کیا عجم سب کو
خدا غارت کرے اس اختلافِ دین و مذہب کو

چپکے چپکے اس کے دو تین شعر پڑھے تو دل میں مزہ پیدا ہوا۔ پہلا تنفّر مجرم غلام کی طرح دماغ سے نکل کر الگ کونے میں جا کھڑا ہوا۔ شوق و اُلفت اور دل چسپی نے لپک کر دل و دماغ مسکین کو سر فرازا۔ چشم انصاف کھُل گئی۔ عقل پر جو پردۂ تعصّب پڑا تھا اُٹھ گیا۔ پڑھتے پڑھتے زبان سبحان اللہ وما شاء اللہ وجزاک اللہ کہنے لگی مجھے حیرت تھی کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ میں کس کی زبان سے ایسے الفاظ سُن رہا ہوں۔ کل تک یہ بندۂ تعصّب ان نئے خیالات والوں کے جہان اور عقائد سے متنفّر تھا وہاں اُن کے لٹریچر نظم و نثر کی بھی مٹّی پلید کیا کرتا تھا یا آج اس کی زبان سے نعوذ باللہ اور استغفر اللہ کی جگہ سبحان اللہ سن رہا ہوں۔ پھر عالم دیکھ کر میں نے کہا کہ حضرت کتاب مجھے مرحمت فرمائیے یا آپ ہی ذرا بلند آواز سے پڑھیئے کہ سامعین بھی سنیں۔ مکین نے بے تکلف پڑھنا شروع کر دیا مگر ذرا لَے کا چٹخارا دیئے ہوئے۔ آدمی تھے خوش گلو تو نظم اور سونے میں سُہاگا ہو گئی۔ نظم پڑھی گئی تو شوخیِ کلام پر لوگ اُچھل اُچھل پڑے۔ خوبیِ بندش پر لوگوں کے دل شگفتہ ہو گئے لطافت معنوی نے دماغ کو منوّر کر دیا۔

[۵] وہ شاعر جن کا مبالغہ جھوٹ سے زیادہ بڑھ گیا ہو اور صرف گل و بلبل اور وصال و ہجر ہی کو مضمون شعر سمجھتے ہوں ۱۲

ایک نظم کے بعد دوسری نظم پڑھی جارہی تھی۔ سامعین ہمہ تن گوش ہو رہے تھے۔ میں اپنی جگہ خاموش بیٹھا ہوا استعجاب کے عالم میں یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔

مولنا مجھے معاف فرمائیں گے اگر میں یہ کہوں کہ اس جلسے کے قبل میرے دل میں مولنا کی نظموں کی اتنی زیادہ وقعت نہ تھی جتنی کہ نثر کی۔ مگر اسی کے ساتھ یہ بھی سچ ہی کہ میں نے نظموں کو کبھی اس خیال سے پڑھا بھی نہ تھا کہ اُن کی حُسنِ خوبی کو دیکھوں اب اس جلسے کے منتظر نے میرے دل میں گُدگُدی پیدا کی میں نے بہ نظر غائر مولنا کے ہر شعر کو پڑھا تو بے ساختہ زبان سے اِنَّ مِنَ الشِّعرِ لَسِحرًا[1] کی جگہ کُلُّ شِعرِہٖ سِحرٌ نکلا۔

جلسہ ختم ہوتے ہی ایک نے فرمائش کی کہ فلاں نظم مجکو نقل کر دیجئے۔ دوسرے نے کہا کہ مجھے مسدس کی ضرورت ہی۔ تیسرے نے کہا کہ یہ بیچارے کہاں تک نظمیں کریں گے لکچروں کی جلدیں ہی کیوں نہ منگوالو۔ فرمائشیں سنتے ہی میرے دل میں بجلی کی طرح یہ خیال چمکا کہ تمام متفرق نظموں کو مجموعۂ نظم بے نظیر کے نام سے چھپوا دوں لوگ شوق کے ہاتھوں سے خریدیں گے اور ذوقِ دل سے پڑھیں گے۔ نظموں میں جو کچھ نصیحتیں ہیں لوگ اُس کو پند پیر دانا سمجھ کر اپنا معمول بنائیں گے۔ لیکن اِن نظموں کا چھپنا بغیر مصنّف ممدوح دام فیوضھم کی اجازت کے مشکل تھا۔ آخر ادب سے اجازت مانگی تو مولنا نے شفقت و مہربانی سے استدعا قبول فرمائی۔

ارادہ تو یہ تھا کہ مولنا کی سوانح عمری حیاۃ النذیر میں جہاں شاعری کا تذکرہ کیا جائے۔ وہیں کلامِ منظوم پر تنقیدی نظر ڈالی جاے۔ مگر حُسنِ اتفاق سے

---

[1] اصل میں۔ ان من البیان لسحرا ہی۔ اشعار کے لحاظ سے بیان کی جگہ شعر استعمال کیا گیا ۱۲۔

حصّہ نظم سوانح عمری سے الگ ہو رہا ہے اس لیئے مناسب ہے کہ مولٰنا کی شاعری کے
متعلق جو کچھ ریمارک ہوں وہ یہیں ہوں۔ حیاۃ النذیر میں اگر ضرورت ہوگی
تو دیکھا جاے گا۔ یا مجموعۂ نظم بے نظیر کا حوالہ دے دیا جاے گا۔ پس مناسب معلوم
ہوتا ہے کہ نفس شاعری کے متعلق جناب مولٰنا ممدوح کے جو کچھ خیالات ہیں اوّل
اُن کو اقتباس کیا جاے تا کہ ناظرین کو راے قائم کرنے کا کافی موقع ملے۔

چنانچہ مولٰنا فرماتے ہیں۔

(۱) فنِ زبان دانی ہر زمانے میں ہر سرزمین میں ہر دل عزیز رہا ہے۔ اب
بھی ہے اور آیندہ بھی رہے گا۔ لیکن ہر دل عزیز ہونا اَور چیز ہے اور
قوم اور ملک کے حق میں مفید ہونا اور چیز۔ بے شک ایسی مثالیں بھی
ہیں کہ بعض اوقات شاعروں کو ایک ایک قصیدے پر لاکھ لاکھ روپیہ
ملا ہے۔ مگر یہ شخصی فائدے تھے اور وہ بھی شاذ و نادر اور اتفاقی۔ ان
گئے گزرے وقتوں میں بھی ۱۸۵۷ء کے غدر کے پہلے تک دلّی میں
ایسے ایسے شاعر موجود تھے کہ ہر شخص اپنی طرز کا اُستاد تھا۔ مگر بے چارے
محتاج مفلس۔ تنگی معاش کی وجہ سے پریشان اور جتنے نامی اور مستند
شعرا متقدمین و متاخرین ہندی اور عجمی ہو گزرے ہیں سبھی کے کلام
سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ شاعروں کو گویا کسی فقیر کی بددعا ہے کہ ہمیشہ
تنگ دست رہیں۔ ہمارے ملک میں کلب حسین خاں ایک شاعر
تھے اُن کے شعر سے اس کی تصدیق ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں ؎

لوگ کہتے ہیں کہ فنِ شعر گوئی نحس ہے		شعر کہتے کہتے میں ڈپٹی کلکٹر ہو گیا

خیر بد دعا تو کیا ہو گی مگر اس کا سبب یہ ہی کہ شاعری کی ایسی بُری چاٹ
ہی کہ آدمی کو دنیا اور دین دونوں جہان کے کاموں سے معطل کر دیتی
ہی۔ ناچار شاعروں کو امیروں کا بھاٹ بننا پڑتا ہی جو ایک طرح کی گداگری
ہی غرض خود شاعروں کے ذاتی فائدے کے لحاظ سے بھی دیکھا جائے
تو شعر و سخن امیروں کے پیٹ بھرے کا مشغلہ تھا۔ اب نہ پہلے سے
امیر رہے نہ اگلی سی فراغتیں ع آں قدح بشکست وآں ساقی نماند
کس توقع پر کوئی خونِ جگر کھائے نتیجہ یہ ہی کہ ۱۸۵۷ء کے غدر کے
بعد سے کوئی نیا شاعر بڑے نام و نمود کا سُننے میں نہیں آیا۔ لکھنؤ والوں
میں کسی قدر گُد گُدی ہی سو وہ بھی یوماً فیوماً گھٹتی چلی جا رہی ہی کہ پُرانی
تعلیم سے معاش میں مدد نہیں ملتی وہ آپ ہی آپ اس سے دست کش
ہوتے جاتے ہیں میں پُرانے علوم کے سلسلے میں یہ بات بیان کر رہا تھا کہ
۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد کسی طرف کوئی نیا شاعر بڑے نام و نمود کا سننے میں
نہیں آیا ہمارے لٹریچر (علمِ ادب یا انشا پردازی) کی ترقی مسدود ہو گئی
آپ صاحبوں میں سے کوئی صاحب ایسا نہ سمجھیں کہ میں لٹریچر کا نوحہ
پڑھ رہا ہوں نہیں نہیں میں تو اس خیال کا آدمی ہوں کہ علوم قدیمہ کو
مسلمانوں کی ترقی کا سدِّ راہ جانتا ہوں۔ اور علومِ قدیمہ میں سے بھی
خاص کر لٹریچر کا سخت مخالف ہوں مسلمانوں میں ازراہِ نیشن
(As a Nation) بحیثیت قومی جتنی خرابیاں ہیں کُل تو
نہیں اکثر اسی لٹریچر نے پیدا کی ہیں۔ لٹریچر جھوٹ اور خوشامد سکھاتا۔

یہ لٹریچر واقعات اور موجودات کی اصلی خوبی کو دباتا اور مٹاتا۔ یہ لٹریچر متوہمات اور معروضات بے اصل کو فیکٹس (واقعات) بناتا۔ یہ لٹریچر نالایق ولولوں کو شورش دلاتا۔ اگر کسی نے اس زہر کو چکھا ہی تو میں نے پیا ہی۔ اگر کسی نے اس سانپ کو کھلایا ہی تو میں نے اپنے تئیں اس سے کٹوایا ہی۔ اگرچہ بڑی عمر میں میں نے بوڑھے طوطوں کی طرح آپ ہی آپ تھوڑی سی انگریزی بھی پڑھ لی تھی لیکن میری طبیعت میں ایشیائی تعلیم کا رنگ پختہ ہو چکا تھا۔ انگریزی پڑھنے سے اتنا تو ہوا کہ مجکو اپنے ہاں کے لٹریچر کے عیوب معلوم ہونے لگے۔ مگر میں وہی کا وہی رہا۔ اب بھی اگر کوئی برجستہ شعر سن پاتا ہوں چاہے اس میں کتنا ہی مبالغہ خلاف قیاس کیوں نہو بے اختیار پھڑک اٹھتا ہوں یہ ساری کمبخت بلا فارسی کی پھیلائی ہوئی ہو۔ خیالات اور مضامین کے اعتبار سے تمام دنیا کے لٹریچروں میں اس زبان کے لٹریچر سے بدتر اور کوئی لٹریچر نہیں اس نے قومی مذاق کو ایسا بگاڑا اور اس قدر تباہ کیا کہ ہم لوگوں کو واقعات میں مزہ نہیں ملتا۔

(۲) میں نے ساری عمر شعر گوئی کو اپنا مشغلہ نہیں بنایا۔ یہاں تک کہ ہنوز اپنا کوئی تخلص بھی نہیں رکھا اور طبیعت کے موزوں ہونے کی وجہ سے کبھی کوئی شعر موزوں کرلیا ہو تو اس کی قسم بھی نہیں کھاتا مگر اتنا کرنے سے میں شاعر نہیں ہوگیا اور نہ میں شاعر ہونے کا دعوی کرتا ہوں۔ اور شاعر نہیں اور شاعری کا دعوی نہیں تو مدح کی توقع کیوں ہو۔

نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پروا	گر نہیں ہیں مرے اشعار میں معنی نہ سہی

مدح وستایش نہ سہی تاہم یہ فائدہ کیا کم ہی کہ مجھ جیسے اناڑی عطائی کی وجہ سے خواجہ الطاف حسین حالی جیسے کلاونت کی حق قدرہ قدر کی جائے گی۔ وَبِضِدِّهَا تَتَبَيَّنُ الْاَشْيَاءُ[۱]

(۳) شاعری ہمیشہ اسلام کی نظر میں مبغوض رہی ہی اور وہ ہی بھی اسی قابل۔ میں بھی اس کو سخت ناپسند کرتا ہوں نہ اس لیئے کہ اس کو اپنے لیئے دون مرتبت سمجھتا ہوں بلکہ اس لیئے اور صرف اس لیئے کہ اس کی چاٹ سریش کی طرح چمٹ جاتی ہی ع چھٹتی نہیں ہی منھ سے یہ کافر لگی ہوئی۔ اسی نے تو قومی مذاق کا ستیاناس کیا ہی پھر بھی جس طرح کڑوی دوا شربت اور خمیرے کے ساتھ دی جاتی ہی لوگوں کو نصیحت بھی نظم کے پیرائے میں کرنی پڑتی ہی اور نوجوان لوگوں کے حق میں تو میں شاعری کو سمِ قاتل سمجھتا ہوں۔ اس پر بھی فرمایشوں سے مجبور ہوں۔

(۴) جو کیفیت اُن بزرگ کی تھی کہ مریدوں کے بھرّے میں آکر نفلیں بڑھاتے چلے جاتے تھے وہی کیفیت میری ہی مگر افسوس صد افسوس عبادت میں نہیں بلکہ شعر کہنے میں کہ میری اتنی عمر ہونے آئی میں نے کبھی شاعری کا شوق نہیں کیا اور شاعری کا شوق کیا ہوتا تو میں نہ نوکری کر سکتا نہ کوئی کتاب تصنیف یا تالیف کر سکتا اور نہ کلام مجید کا ترجمہ کر سکتا۔ اور نہ لکھ دے سکتا نہ میرا کوئی تخلص ہی اور نہ مجکو اس لایعنی مشغلے کے لیئے کبھی فرصت ملی اور صاف بات یہ ہی کہ ہمارے ہاں کی شاعری کا مذاق ایسا بگڑا ہی

[۱] چیزوں کا حال مقابلے سے ظاہر ہوتا ہی ۱۲۔

کہ جہاں قومی تنزل کے اور اسباب ہیں اُن میں میرے نزدیک ایک بڑا سبب یہ کم بخت ایشیائی شاعری بھی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہمارے وقتوں میں مولوی حالی نے نظمی مذاق کی بہت کچھ اصلاح کی ہے۔ مگر اب بھی میں نوجوان لڑکوں کی طرف سے مطمئن نہیں ہوں۔ اور میں نہیں دیکھنا چاہتا کہ اُن میں شاعری کا مذاق پیدا کیا جائے۔ ان کو شاعری کی چاٹ لگی اور اُنھوں نے جان صاحب کا دیوان خریدا اور جان صاحب کا دیوان ہاتھ میں لیا اور خود جان صاحب ہوئے وہ جان صاحب جن کی نسبت فرمایا ہے۔ وَالْجَانَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ[1] یہ لوگ جو خلافِ اخلاق شاعری کرتے ہیں۔ جو دین کا استخفاف کرتے ہیں۔ جو بزرگانِ دین کی ہنسی اُڑاتے ہیں پورے پورے مصداق ہیں اس آیت کے " لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ[2]۔ اب لاؤ اُس شاعری کے بیان کو ختم کریں۔ تو غرض یہ ہے کہ جس طرح شب زندہ دار بزرگ مریدوں کے بھرّے میں آکر ہزار پانسو نفلیں پڑھنے لگے تھے میں بھی لوگوں کے کہنے میں آکر شعر کہنے لگا مگر جیسی اُن کی

---

[1] اور جنوں کو ہم نے پیدا کیا گرم پانی سے ۱۲

[2] (ان کے کہنے کا ضروری) نتیجہ یہ ہو کہ قیامت کے دن اپنے (گناہوں کے) سارے بوجھ اور جن لوگوں کو بے سمجھے بوجھے گمراہ کرتے ہیں اُن کے (گناہوں کے) بوجھ بھی اُنھیں کو اُٹھانے پڑیں گے دیکھو تو (کیسا) بُرا بوجھ یہ لوگ اپنے اوپر لادے چلے جا رہے ہیں ۱۲

نقلیں ہوتی ہوں گی ویسے ہی میرے شعر ہوتے ہیں"

(۵) شاعری جس سے زیادہ موثر کوئی عمل نہیں ایشیائی ملکوں میں مدتوں سے ایسی بُری طرح سے اس کا استعمال کیا جارہا ہے کہ جہاں تک میں خیال کرتا ہوں لٹریچر کی خرابی کو ایشیائی قوموں کے تنزل میں بڑا دخل ہے۔ جھوٹ اور مبالغے اور بے اصل خیالی باتوں پر تو اس کی بنیاد ہے اور مضامین جن میں شعرا طبع آزمائی کرتے ہیں اکثر گندے تو ایسی شاعری قومی اخلاق کو بگاڑا ہی چاہے حاصل کلام یہ کہ شاعری یعنی ایشیائی طور کی شاعری شرعاً مذموم ہے اس نے قوم کے اخلاق پر بہت ہی بُرا اثر کیا ہے اور جب شاعری ایسی بدبلا ہے کہ مستمع کے اخلاق کو تباہ کردیتی ہے تو خود شاعر جو مبدا ان تمام خیالات فاسدہ کا ہے اس کے اثر بد سے کب محفوظ رہ سکتا ہے۔ اس محل پر شاعروں کے دوسرے عیوب کے بیاں کرنے کی ضرورت نہیں شاعر میں کم سے کم عجب اور خودپسندی کا عیب تو ضرور ہی پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے ہم پیشوں کا حسد کرنے لگتا ہے جس کو اُمّ الذمائم کہنا چاہیئے اور جس کی نسبت حدیث شریف میں ہے اَلْحَسَدُ یَاْکُلُ الْحَسَنَاتِ کَمَا تَاْکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ[۱]۔ اور اگر توقع کی قدر اس کو داد یا صلہ نہ ملے تو وہ ہجو سے لوگوں کی دل آزاری کرتا ہے"

(۶) ایشیائی شاعروں کے وصل و ہجر۔ گل و بلبل۔ شوق و انتظار جہاں اور معمولی مضامین ہیں اُن میں سے ناصح یا شیخ یا زاہد کو بُرا کہنا اور آسمان کو اُلاہنا دینا بھی ہے۔ شیخ و زاہد کو بُرا کہنا دین کے ساتھ استہزا کرنا ہے اور

---

[۱] حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو ۱۲

آسمان کو الاہنا دینا وعید لاتسبوا الدہر میں داخل ہے۔

از آسمان و زمین شکوہ می کنی شب و روز
چہ دادۂ بہ زمین ز آسمان چہ می خواہی

(۷) اگرچہ مولوی حالی نے نظم کا رنگ بدل دیا ہے اور شاعری اگلی گندگی اور بیہودگی سے بہت کچھ پاک ہو گئی لیکن اٹھتی جوانی اور شاعری کا مذاق کیونکر اطمینان ہو سکتا ہے کہ اس عمر میں اس مذاق کا آدمی ایشیائی شاعری کے زہر آلود اثر سے محفوظ رہ سکے گا۔ اس کو شاعری کے مشق کے لیے وہی لٹریچر پیش نظر رکھنا پڑے گا جو دین کا عدو اور اخلاق کا دشمن ہو!!

غرض جس شاعر کے ایسے خیالات ہوں اُس کے اشعار میں گل و بلبل کی کہانی یا شیریں فرہاد کا قصہ یا وصال کی مسرت یا ہجر کا جھینکنا کوئی کیوں کر دکھا سکتا ہے۔ یہ تو یہ وہاں تو کوئی جھوٹے استعارات کو بھی اشارۃ کنایۃً بندھا ہوا نہیں دکھا سکتا اور نہ کسی کو لغو اور بیہودہ تشبیہات کی کوئی مثال ڈھونڈے مل سکتی ہے نہ وہاں اُن معشوقوں کی جلوہ گری نظر آئے گی جن کے دہن نہیں دہن ہے تو کمر نہیں اور اگر بالفرض والمحال ہے بھی تو بال سے زیادہ باریک۔ نہ اُن میں زلف سیاہ کا وہ سلسلہ نامتناہی نظر پڑے گا جس کا سرا نہ اس دُنیا میں ہے نہ اُس عالم میں۔ نہ وہاں استخفاف دین ہی ہے نہ استہزائے بزرگان۔ نہ معاملہ بندیاں ہیں نہ معمّے نہ چیستاں ہیں نہ پھبتیاں اور یہی وجہ ہے کہ مصنّف ممدوح۔

اَلشُّعَرَاءُ یَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ یَّهِیْمُوْنَ۔ وَاَنَّهُمْ

يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ کے احکام کی فہرست سے خارج ہیں بلکہ جناب کا نام نامی الشعراء تلامیذ الرحمٰن کے رجسٹر میں داخل ہو۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ مولٰنا نے شاعری پر ریمارک کرتے ہوے جابجا اِس امر کا اقبال کیا ہی کہ نہ میں شاعر نہ مجھے شاعری کا دعویٰ۔ نہ میرا کوئی تخلص اور نہ اِس لایعنی مشغلے کے لئے کبھی مجھے فرصت ملی۔ ان فقروں کو دیکھ کر بعض نادان اور ناسمجھ یہ کہہ اُٹھتے ہیں کہ مولٰنا شاعر نہیں بلکہ ناظم ہیں اور اس کی تائید میں ایک بات یہ بھی پیش کرتے ہیں کہ اُن کی نظموں میں کوئی غزل نہیں اور جب غزل نہیں تو شاعر نہیں گویا معترض کے نزدیک صرف وہی شاعر ہو سکتا ہی جو غزل گو ہو۔ اور غزل میں بھی سخن بازناں گفتن ہو۔ اور اُس نے کوئی اپنا تخلص بھی مقرر کر رکھا ہو پس مولٰنا کی طرف سے تو اس کا جواب یہ ہی کہ ؎

نہ ستایش کی تمنّا نہ صلے کی پروا گر نہیں ہیں مرے اشعار میں معنی نہ سہی

اور میری طرف سے اِس کا یہ جواب ہی کہ اگر شاعر کے یہی معنی ہیں تو میں ہانکے پکارے کہتا ہوں کہ مولٰنا ہرگز شاعر نہیں۔ مولٰنا ہرگز شاعر نہیں۔ اور اگر شاعر کی یہ تعریف کی جاے کہ وہ صادق البیان ہو۔ اُس کی نظم کا سوز آہ و بکا پیدا کرے۔ دل میں اُس کے اشعار کا اثر بیٹھ جاے اشعار کا جذب دل کو پکڑ کر کھینچ لے اور دل میں درد پیدا کرے۔ اُن میں جو نصیحت ہو کارگر ہو۔ واقعات نفس الامری اُن سے معلوم ہوں۔

احساساتِ شعری مشاہدات کا کام دیں تو کس کی مجال ہی کہ مولنا کو زمرۂ شعرا سے خارج کرنے کی جرأت کر سکتا ہی۔ میرے نزدیک تو جس شاعر کے کلام میں جھوٹا ہجر۔ اور جھوٹا وصل جھوٹی مے اور جھوٹا مینا۔ جھوٹا عاشق اور جھوٹا معشوق۔ جھوٹا گل۔ جھوٹا بلبل۔ جھوٹی بہار اور جھوٹی خزاں۔ جھوٹا کرشمہ۔ اور جھوٹا حسن۔ جھوٹا جنون۔ اور جھوٹا سودا۔ جھوٹی شوخی اور جھوٹی عیاری۔ بیہودہ جھوٹ اور بیہودہ مبالغے کے خس و خاشاک کے انبار کے انبار اور غیر مفید مزخرفات مضامین ہوں وہ بھی شاعر ہی اور وہ شاعر بھی ہی جس کے کلام میں راست گوئی کے ساتھ نصیحتیں حکمتِ الٰہی اور مسائلِ عرفان اور موعظت اور ترغیبِ نیک اور واقعات اور قصصِ بزرگانِ دین وغیرہ ہوں لیکن ان دونوں قسموں کے شاعروں میں سے ایک قسم ملک اور قوم اور مذہب اور لٹریچر اور تمام باتوں کے لیئے از حد مفید ہی جیسے ہمارے مولنا اور دوسری قسم کا شاعر ملک اور قوم اور مذہب اور لٹریچر اور تمام باتوں کے لیئے نامفید بلکہ مضر ہی۔ جیسے سوپر نیچرل شاعر۔

پس مولنا ممدوح کی شاعری چونکہ مبالغے جھوٹ اور دور از قیاس استعاروں اور گندے خیالوں اور لغو قیاسوں اور فتنہ انگیز شورشوں سے پاک ہی اس لیئے وہ ضرور اس قابل ہی کہ ہر کہ و مہ اس سے فائدہ اُٹھا سکے باپ اپنے بیٹے کو سنائے اور بیٹا باپ کو۔ بڑوں سے سن کر چھوٹے فائدہ اُٹھائیں اور چھوٹوں سے بڑے۔

اب رہی یہ بات کہ مولنا کی نظمیں شاعری کے شکنجے میں بھی ٹھیک کسی ہوئی ہیں یا نہیں۔ زبان کے لحاظ سے وہ ٹکسالی اور گھر اسکہ ہی یا زر مُلتبس۔ اُن کی طرز بندش میں فصاحت و بلاغت کے موتیوں کی لڑیاں ہیں یا کنکر پتھر۔ میں اس کا جواب تو بہت کچھ دے سکتا تھا مگر اس وقت تو صرف ایک شعر پر اکتفا کرتا ہوں ؎

بیا و ریدگر ایں جا بود زباں دانے	غریب شہر سخن ہاے گفتنی دارد

خلاصہ یہ کہ مولنا ممدوح کی نظموں پر اگر انصاف سے نظر ڈالی جاے تو کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا کہ اون کے اشعار میں اخلاقی لطافت کے دریا نہیں بہتے اور اُن کا سارا کلام بحرِ مکارمِ اخلاق میں ڈوبا ہوا نہیں ہے۔ میرے نزدیک مولنا کی نظموں کو اگر ایک گلدستہ فرض کیا جاے تو اس میں اخلاق کے پھول کھلے ہوے نظر آئیں گے۔ رنگا رنگ کے نصائح پر ڑے جھلک رہے ہوں گے اور تہذیب کی خوشبو دماغ کو معطر کر رہی ہوگی ؎

چہ خیزد از سخنے کز دروں جاں نبود	بریدہ باد زبانے کہ خوں چکاں نبود

اِس مجموعہ کا نام "نظم بے نظیر" اِس لئے رکھا گیا کہ مولنا نے میرٹھ کانفرنس میں ایک نظم پڑھی تھی وہ سر سید کو ایسی بھائی کہ اُنھوں نے اُسے اپنے خرچ اور لاگت سے چھپوا کر اِس کا نام "نظم بے نظیر" رکھا تھا۔ ہم نے بھی تقلیداً وہی نام پسند کیا۔

سید افتخار عالم بلگرامی ثم المارہروی
اپریل سنہ ۱۹۰۹ء۔

یا فتّاح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نثر میں تو مولٰنا نے مشہور و معروف حمدیں لکھی ہیں۔ اور وہ ایسی ہیں کہ اُن کا جواب نہیں ہو سکتا۔ مگر مجموعہ نظم بے نظیر میں وہ درج نہیں ہو سکتیں کیوں کہ وہ نظم میں نہیں ہیں۔ بہرحال اس مجموعہ کی ترتیب کے وقت مجھے خیال ہوا کہ اس کی ابتدا حمد و نعت سے اگر نہ ہوئی تو صرف ادب ہی کے خلاف نہ ہوگا بلکہ ایک قسم کی گستاخی بھی ہوگی۔ فرمایش کرنے کی جرأت ہوتی تو مولٰنا سے عرض کرتا کہ تبرکاً ہی کچھ نظم حمد و نعت میں تصنیف فرما دیجیے مگر یہ معلوم نہ تھا کہ میری عرض سے بہت عرصے پہلے مولٰنا اس سعادت دارین کو حاصل کر چکے ہیں جو ذیل میں مندرج ہی۔ حمد الٰہی نظم مولٰنا کی قواعد فارسی "صرف صغیر" کے اول میں درج ہی یہی مناجات وہ مولوی بشیر الدین احمد صاحب سے ملی ہی۔ ہم کو یہ نعتیں مولٰنا کی بالکل ابتدائی تصنیف میں ملی ہیں۔ حمد و نعت اور مناجات خود اپنی زبان سے کہہ رہی ہی کہ ہمارے اشعار گہربار کو مولٰنا کی تمام نظموں پر اولیت کا فخر حاصل ہی۔ ناظرین صدق دل سے پڑھیں گے۔ تو مفت میں ثواب آخرت حاصل کریں گے۔

پہلی نظم

تعریف خدا کو ہی مسلّم	پیدا کیا جس نے کُن سے عالم

دی نطق کی آدمی کو قوت — بخشا اُس کو شرف کا خلعت
مہر و مہ و آسمان و انجم — حیوان و پری و دیو و مردم
دریا و زمین و کوہ و صحرا — باغ و گل و سبزۂ مُطرّا
سب کا ہی وہی بنانے والا — یا اعظم شانُہٗ تعالیٰ
انسان سے ہو حمد اُس کی کیا خاک — احمد نے کہا ہی مَا عَرَفنَاکَ
احمدؐ وہ نبی صاحبِ شان — نازل ہوا جس کے حق میں قرآن
قرآن سے کیا جہاں مُسخّر — تھا شورِ فصاحت اُس کا گھر گھر
اُمّی نے کتاب پڑھ سنائی — بولا تو عرب نے چُپ لگائی
گویا وہ فصیح سب کے سب تھے — پر سامنے اُس کے بستہ لب تھے
گو رفعتِ کرسی فلک تھی — معراج میں اُس کی اک اُچک تھی

کیا رتبہ ہی کیا بلندیِ شان
ماں باپ ہوں سب کے اُن پہ قربان

دوسری نظمِ نعت (مناجات)

یہ تمنّا ہی ربِّ اکرم سے — غسلِ میت ہو میرا زمزم سے
تبھی ٹھنڈک ہو میرے سینے میں — خاک ہو جاؤں میں مدینے میں
جا کے ہم سایۂ رسولِ خدائے — زندگی ہو مری جو موت آ جائے

اور کچھ چارہ گناہ نہیں | آپ کے در سوا پناہ نہیں
آپ سے گر نہ التجا لاؤں | پھر کدھر جاؤں اور کہاں جاؤں
یہی ماوی ہی اور یہی مامن | میرے دو ہاتھ آپ کا دامن
کون پرساں ہی مجھ سے ناکس کا | کس کو طوفان میں پاس ہو خس کا
اور خس بھی خسیس ناقابل | بے ہنر ہیچ کارہ لاطائل
عار آبائے اولیں ہوں میں | داغِ پیشانی زمین ہوں میں
کیا کروں ایسے قلبِ فاسد کو | کون لے گا متاعِ کاسد کو
دل ہی یا معصیت کا پشتارا | ایک پونجی ہی وہ بھی ناکارا
گر تری مہر کی نظر ہو جاے | یہ خزف روکشِ گہر ہو جائے
تم اگر چشمِ لطف وا کر دو | مس کو چاہو تو کیمیا کر دو
حق نے بخشی ہی تم کو وہ تاثیر | خاک چھو جاے تم سے ہو اکسیر
آہنِ تیرہ وہ جلا پا جاے | آفتاب اُس کے سامنے شرمائے
تم بچالو عذابِ آتش سے | سخت عاجز ہوں نفسِ سرکش سے
بد بلا ہی یہ نفسِ امّارہ | اس نے مجھ کو ہلاک کر مارا
[لہ] یَا رَسُوْلَ الْاِلٰہِ خُذْ بِیَدِی | مَا لِعَجْزِی سِوَاکَ مُسْتَنَدِی
یَا لِمَنْ اَشْکَلَتْ مُصِیْبَتُہٗ | وَ اَحَاطَتْ بِہٖ خَطِیْئَتُہٗ
کیا کہوں کچھ کہا نہیں جاتا | اور چپ بھی رہا نہیں جاتا

لہ اے خدا کے بھیجے میری دست گیری کر کہ میری ناتوانی و مجبوری کے سبب کوئی تیرے سوا میرا تکیہ گاہ نہیں ہاے وہ جس کی مصیبت کٹھن ہو اور جس کو گناہ نے گھیر رکھا ہو ۱۲۔

کب تلک حُبِّ جاہ و مال و منال — کب تلک پائے بستِ اہل و عیال

میں سدا فکر میں ہوں ان سب کے — اور یہ سب اپنے اپنے مطلب کے

دین یہ رکھتا انھیں مقدم ہوں — میں ہوں یا ہیزمِ جہنم ہوں

ہو اسی طرح گر حیات تمام — ای بدآخر ای بدانجام

از برائے خدا رسولِ جلیل — مجھ پہ طاری ہو حالتِ تبتیل[۱]

رخِ دل ہر طرف سے موڑوں میں — رشتۂ الفت کا سب سے توڑوں میں

اپنی ہستی سے میں گزر جاؤں — یعنی مرنے سے پہلے مر جاؤں[۲]

تیری خدمت میں شافعِ امت — عرض حاجت کی کچھ نہیں حاجت

قرب میں چاہتا ہوں حضرت کا — میں نہیں خواستگار جنت کا

حور و غلماں مجھے نہیں درکار — آرزومند ان کے ہوں ابرار

میں کہاں اور کہاں ہوائے بہشت — ناز کر زیدم یہ طلعتِ زشت

میں نے بھر پائے سارے حور و قصور — اتنا کہ دیجئے معاف قصور

تم کو سب اختیار حاصل ہے — آپ کو سہل مجھ کو مشکل ہے

ق

میں ہوں مسموم آپ ہیں تریاق — قابلیت نہ کوئی استحقاق

ہاں مگر مجھ غریب پر یا شاہ — رحم فرمائیے حسبۃً للہ

رحم کیجئے کہ آپ رحمت[۳] ہیں — آپ پشت و پناہِ امت ہیں

---

۱ انابت الی اللہ یعنی ہر طرف سے دل کا ملول ہو کر ایک خدا کی لو لگی رہنا ۱۲ ۲ اشارہ ہے مقام مُوتُوا قَبْلَ اَنْ تَمُوتُوا کی طرف ۱۲ ۳ اشارہ ہے آیت قرآن کی طرف وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ - یعنی ہم نے تم کو صرف اس غرض سے بھیجا کہ اہلِ جہاں پر رحمت ہو ۱۲

گو بُرا ہوں بُرے سے بدتر ہوں		آپ کا اُمّتی مقرر ہوں	
نیک بندے بھی کُل نہیں ہوتے		خار ہم دوشِ گُل نہیں ہوتے	
مجھکو کامل وثوق ہی تم پر		تم سے حق نے کہا ہی لا تنہر [۵۱]	
رحمت [۵۲] حیلہ جو کی ہیں گھاتیں		ہم سمجھتے ہیں پھیر کی باتیں	
یہ [۵۳] بھی تھی اک طرح کی بے صبری	ق	ورنہ میں ہوں عقیدۃً جبری [۵۴]	
دے کے کچھ اختیار تھوڑا سا		کیا یہ اٹکا دیا ہی روڑا سا	
جب کہ دل ہی نہیں ہی قابو کا		لگے اس اختیار کو لُو کا	
عقل سے کرکے میرا مُنھ کالا		کس مصیبت میں مجھکو لا ڈالا	
جانتے تھے کہ ہیں ظلوم [۵۵] وجہول		پھر امانت [۵۶] کا سونپنا معقول	
پا [۵۷] کے گنجے نے ناخنِ حکّاک		کرلیا سر کھجا کھجا کا واک	

۵۱ آیت کا ٹکڑا ہی پوری آیت یوں ہی وَ اَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ یعنی سوال کرنے والے کو جھڑکو مت یعنی سائل کی دل جوئی لازم ہی نہ زجر و توبیخ ۱۲ ۵۲ یعنی خدا کی رحمت جو بندوں کی بخشایش کے لیئے بہانہ ڈھونڈھتی ہی یہ اُس کی گھاتیں ہیں کہ آپ کو رحمۃٌ للعالمین بنایا اور پھر آپ سے فرمایا کہ سائل کو جھڑکو مت اِس کے یہ معنی کہ خدا نے سب بندوں کو مغفرت کا امیدوار کیا ۱۲ ۵۳ یعنی میں نے جو اس قدر اپنی بے قراری ظاہر کی یہ ایک بے صبری کی بات تھی کیوں کہ میرا عقیدہ تو یہ ہی کہ انسان مجبور ہی اور ہوتا وہی ہی جو خدا کو منظور ہی ۱۲ ۵۴ جبری ایک فرقہ ہی جو قائل ہی کہ انسان مجبورِ محض ہی۔ مذہبِ سنت جماعت میں الجبر والقدر ہی ۱۲ ۵۵ اشارہ ہی آیت اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ کی طرف جس میں حمل امانت پر انسان کو ظلوم وجہول کا خطاب عطا ہوا ہی ۱۲ ۵۶ امانت سے مراد عقل ہی جو نیک وبد میں امتیاز کرتی ہی اور اس وجہ سے انسان مکلّف ہوا ۱۲ ۵۷ یعنی گنجے کو ناخن دیئے اُس نے کھجا کھجا کر سر میں گڑھے ڈال لیئے تو اس کا کیا قصور کیونکہ اُس کو کھجلی نے کھجانے پر مجبور کیا ۱۲۔

نہ گلہ ہے نہ کچھ شکایت ہے | اپنے حالات کی حکایت ہے

میں کہاں سے کہاں کو جا نکلا | توبہ توبہ یہ منہ سے کیا نکلا

نفس کی یہ بھی اک خدیعت[۵۱] ہے | ق | خارج از شیوۂ شریعت ہے

ڈھونڈھنا اپنے واسطے حیلے | دوڑنا کوئی سیر امنھ کیلے

وہ مثل ہے کہ اک تو چوری | اور پھر اُس کے ساتھ سینہ زوری

گرچہ بندہ ہے سخت بے چارہ | نہیں بے اعتراف کے چارہ

اُس کے الطاف بے نہایت ہیں | ہم ہی سرکش بہ حدّ غایت ہیں

آپ کی شرع میں نے توڑی ہے | جو سزا کیجیے وہ تھوڑی ہے

میری عادت ہے ناسزا کردن | شوق سے مجکو ماریئے گردن

کیا کہوں بار بار کیا کہنا | مجکو اعمال سے نہیں لہنا[۵۲]

جملہ سامان یاس و غم کا ہے | صرف اک آسرا کرم کا ہے

یہ ضلالت[۵۳] ہے یا ہدایت ہے | بے سبب تکیہ بر عنایت ہے

ہو نہ ہو اِس[۵۴] طرح کی ستّاری | ہے تباشیر[۵۵] صبح غفّاری

صرف اتنا ہی عرض کرتا ہوں | ق | زیادہ ابرام[۵۶] سے بھی ڈرتا ہوں

مخلصی بخشیئے خرابی سے | کہیں کھد[۵۷] دیجیے شتابی سے

---

۵۱ فریب ۱۲ ۵۲ یعنی اعمال سے فائدہ اُٹھانا میری قسمت میں نہیں ۱۲ ۵۳ یعنی ضلالت یا ہدایت جو چاہے سو ہو بے سبب مجکو عنایت پر بھروسا ہے ۱۲ ۵۴ مطلب یہ کہ اس طرح کی پردہ پوشی کہ بندے گناہ کرتے ہیں اور اُن کا پردہ فاش نہیں ہوتا خواہی نخواہی صبح مغفرت کے طلوع کے آثار ہیں اور انجام کار مغفرت ہے ۱۲

۵۵ سپیدۂ صبح۔ اوّل سحر ۱۲ ۵۶ لگ لپٹ کر مانگنا ۱۲ ۵۷ اس کا مقولہ آخر کا شعر ہے ۱۲

ہم نے کی سب معاف بے ادبی	سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ عَلٰی غَضَبِیْ[۵]

تیسری نظم

جو جلسۂ افتتاح مدرسۂ طبّیہ دہلی منعقدہ ۲۳۔ جون ۱۸۸۹ء میں پڑھی گئی تھی۔ اس جلسے میں جس اعلیٰ درجے کے لوگ شریک تھے اُن کی وقعت ذیل کے اسمائے گرامی سے معلوم ہوگی۔ جناب مسٹر آر کلارک صاحب ڈپٹی کمشنر دہلی۔ جناب آنریبل سر سید احمد خاں صاحب۔ جناب جلال الدولہ نواب محمد ممتاز علی خاں صاحب بہادر مستقل جنگ رئیس دوجانہ جناب صاحب عالم مرزا سلیمان شاہ صاحب بہادر گورگانی نواب محمد اسحٰق خاں صاحب جائنٹ مجسٹریٹ اٹاوہ۔ جناب ڈپٹی ہادی حسین خاں صاحب آنریری اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر و رئیس دہلی۔ جناب مولوی حشمت اللہ خاں صاحب ڈپٹی کلکٹر میرٹھ جناب مولوی محمد لطف اللہ صاحب رئیس علی گڑھ۔ نواب رضا علی خاں صاحب رئیس رام پور۔ نواب احمد علی خاں صاحب رئیس رام پور۔ شاہزادہ والا گوہر صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر بہادر۔ ملا اسمٰعیل صاحب رئیس منڈاے (برھما) وغیرہ۔

غرض مولٰنا نے اپنی نظم اس تمہید سے شروع کی تھی ”آنریبل ڈاکٹر سید احمد خاں کی اسپیچ (تقریر) اگزاسٹور (جامع) اسپیچ کے بعد میں نہیں سمجھتا کہ اُور کچھ کہنے کی ضرورت باقی ہے۔ مگر حکیم عبد المجید خاں صاحب اور چند دوسرے صاحب اصرار کر رہے ہیں

[۵] میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی یہ ایک قول مشہور ہے خدا کی وسیع الرحمت ہونے کے بیان میں اُسی کی زبان سے

کہ میں بھی کچھ کہوں۔ پس میں پہلے تھوڑی سی نظم پڑھوں گا اور پھر جو کچھ کہنا ہے کہوں گا۔"

بات سناتے ہیں تمھیں اک نئی — قوم کے مٹنے کے ہیں لچھن کئی

جب ہوئی قوم اپنی نظر میں ذلیل — اس کو بھی مٹنے ہی کی سمجھو دلیل

چارۂ کار اس کا کوئی کیا کرے — آپ وہ اپنے تئیں رسوا کرے

اپنی بداندیش وہ خود ہو مگر — عیب نماید ہنرش در نظر

سمجھے وہ نقصان کمالات کو — آگ لگے ایسے خیالات کو

یاں بھی کم و بیش یہی حال ہے — عاقبتِ زشتیِ اعمال ہے

جن ہنروں پر تھا ہمیں افتخار — اب ہیں وہی موجبِ صد گونہ عار

علم ہمارا ہے بتر جہل سے — اور بھی کچھ ہونا ہے نااہل سے

دوسرے لوگوں کی شکایت نہیں — ہم کو ہی خود اپنی رعایت نہیں

جب ہو طبیعت کو عداوت سے ساز — اس کے لیئے سم ہے دواخانہ ساز

ہم بھی کبھی با سر و سامان تھے — ہم بھی کسی وقت میں انسان تھے

ہم کو بھی آرام کا احساس تھا — یسر و غنا رکھتے تھے زر پاس تھا

ہم نے بھی کھایا ہے بہت شہد و شیر — ہم نے بھی پہنا ہے سمور و حریر

اوڑھتے تھے ہم بھی کبھی سر پہ تاج — ہم نے بھی لوگوں سے لیئے ہیں خراج

ملک لیئے سلطنتیں زیر کیں — خیر سے کتنی صدیاں تیر کیں

علم میں بھی ہم کو تھی وہ دست گاہ — ہم تھے مشاہیر فضیلت پناہ

لوگ تھے شاگرد ہم استاد تھے — سارے زمانے کے ہنر یاد تھے

سر میں ہمارے بھی کبھی عقل تھی — باقی اسی اصل کی سب نقل تھی

پر نہیں رہتا کوئی یکساں سدا — سب کو تغیر ہی بغیر از خدا
آگئے ہم لوگ بھی اس پھیر میں — کوئی سویرے ہی کوئی دیر میں
ہم کو ذرا بھی نہیں اس کا ملال — سب کو تنزل ہی سبھی کو زوال
رنج تو اپنوں کی شماتت کا ہی — ظلم بھی ظلم اہل قرابت کا ہی
غیر کو کرتے ہیں فقط بد کلام — اپنے ہیں مصداق اَلَدُّ الْخِصَام[1]
غیروں کی باتیں ہَفَوَاتُ اللِّسَان[2] — اپنوں کے طعنے کجُرُوحِ السِّنَان[3]
بھائی ہیں اور رابطہ باہم نہیں — اخوت یوسف سے یہ کچھ کم نہیں
لڑنے کو گھوسے بغلی زور ہیں — گھر کے یہ بھیدی ہیں مگر چور ہیں
بنتے ہیں کہنے کے لیے خیر خواہ — ان کی شرارت سے خدا کی پناہ
ان کے جو دیکھے ہیں نمونے برے — پہلے سے ہم ہو گئے دونے برے
ق
ایسا بھی ہوتا ہی کوئی بے وفا — اپنے بزرگوں سے یہاں تک خفا
اُن کی ہر اک بات سے رکھیے خلاف — کیجئے توہین سلف صاف صاف
یاں وطن و اہل وطن سے ہی ننگ — اپنے میں لیتے نہیں اہل فرہنگ
اب بھی اگر عقل میں ہی کچھ صلاح — مان لو یہ بے غرضانہ صلاح
دست نگر غیروں کے ہر کار میں — کیسا کسا[4] دا گیا بازار میں
اپنی ہر اک چیز سے بیزاریاں — ملئے وہ کیا ہو گئیں خود داریاں

[1] سخت جھگڑالو - ۱۲

[2] بیہودہ باتیں - ۱۲ [3] برچھی کے زخم کی طرح کا [4] کمی گھاٹا ۱۲

چوتھی نظم

جو محمڈن ایجوکیشنل کانگریس کے چوتھے سالانہ جلسہ منعقدہ علی گڑھ میں ۲۸- دسمبر ۱۸۸۹ء کو لکچر کے ساتھ پڑھی گئی تھی۔ اور یہہ اُس سلسلے کی پہلی نظم ہی جو لکچروں کے ساتھ ساتھ شروع میں ہوا کرتی تھی ۵

پھر خاموشی تھی مدت سے جو منہ پر لگی
ہر برس لکچر کے دینے کی یہ کیسی کر[51] لگی

سید احمد خاں کی خاطر ہو گئیں کہاں
اور کہاں یہ بھیڑ جو ہی اندر اور باہر لگی

پھر خدا جانے کہ کب موقع اٹھا یہاں
بات اب کوئی نہ رکھیو[52] اے دل مضطر لگی

رحم کر یا رب کہ اب امت ترے محبوب[53] کی
اس کی حالت دم بدم ہونے بہت ابتر لگی

نسل شاہان سلف عبرت کی جا ہی دوستو
بھیک کے ٹکڑے نکل کر مانگنے در در لگی

کیا منپ سکتے ہیں بے امداد غیبی یہ غریب
مفلسی کی جن کو ایسی بھاری اک ٹکر لگی

علم ہی بالخاصہ گرچہ علاج درد قوم
لیکن اس میں بھی تمول کی ہی اک بحر لگی

کچھ نہ ہو تو بھی کتابوں کی تو قیمت چاہیے
اُس سے پہلے فیس جو اکثر سے ہی اکثر[54] لگی

پڑھ چکا مفلس کہ جوں لی ہاتھ میں اس نے کتاب
قل ہو اللہ[55] پڑھنے انتڑی پیٹ کی اندر لگی

علم سے دولت ہی اور دولت سے ہی سب علم و فضل
کشتی تقدیر کھانے دور کے چکر لگی

[51] - کر کہتے ہیں خراج کو مراد یہہ ہی کہ لکچر کا دینا کر کی طرح لازم ہو گیا ۱۲ [52] بات کو لگا رکھنا یعنی اُٹھا رکھنا ۱۲۔

[53] - جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم ۱۲ [54] زیادہ سے زیادہ ۱۲ [55] خالی پیٹ میں جو قرا قر ہو اُس کو انتڑی کا قل ہو اللہ پڑھنا کہتے ہیں ۱۲۔

پانچویں نظم

جو محمدن ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ ۲۷ و ۲۸ و ۲۹ و ۳۰ دسمبر ۱۸۹۱ء کو بمقام علی گڑھ پڑھی گئی تھی۔ مولانا نے اول کھڑے ہوتے ہی عربی کا یہ شعر پڑھا ؎

اَنَا ابْنُ جَلَا وَطَلَّاعُ الثَّنَایَا	مَتٰی اَضَعِ العِمَامَۃَ تَعْرِفُوْنِیْ

اور سردی کی وجہ سے جو گلوبند لپیٹ رکھا تھا کھول کر کہنا شروع کیا کہ امسال کانفرنس کا کچھ اور ہی رنگ نظر آتا ہے۔ میں اس کو داہنی آنکھ سے دیکھتا ہوں تو منی ایچر آف محمڈنزم یعنی نمونۂ اسلام دکھائی دیتا ہے اور بائیں آنکھ سے دیکھتا ہوں تو منی ایچر آف ہنڈوازم یعنی نمونہ مذہب ہنود سوجھ پڑتا ہے۔ اور منی ایچر آف محمڈنزم ہے اس لیئے کہ ممبروں کی اکثر کرسیاں خالی ہیں جیسے مسلمانوں کی مسجدیں۔ اور وہ منی ایچر آف ہندوازم ہے۔ اس واسطے کہ اتنے بندے نہیں جتنے خدا ہیں یعنی اتنے سننے والے نہیں جتنے اسپیکرز (گفتگو کرنے والے) ہیں۔

میں لکچر سے پہلے تبرکاً اپنی نظم پڑھ لیا کرتا ہوں اگرچہ وہ نظم لودی پھسپھسی اور نامربوط سی ہوتی ہے۔ اس واسطے کہ میں کچھ شاعر تو ہوں نہیں مگر نظم سے طبیعت میں جولانی اور گویائی میں روانی آجاتی ہے۔ علاوہ بریں جس طرح یحیٰی پیغمبر حضرت عیسیٰ کے لیئے منادی کرتے تھے کہ میرے بعد مجھ سے ایک بہت بڑا پیغمبر آنے والا ہے اسی طرح نظم پڑھنے سے میں منادی کرتا ہوں کہ میرے بعد مولوی الطاف حسین حالی اپنی نظم پڑھیں گے اور میں اپنی پنداریں ان کی نظم کی رونق کا باعث

۱؎ اصحاب خرد مجکو اجنبی مت سمجھو جب میں عمامہ اتار دوں گا تو تم مجھے پہچان لوگے ۱۲ ۲؎ چھوٹی تصویر ۱۲

ہوتا ہوں ع وَبِضِدِّهَا[۱] تَتَبَيَّنُ الْاَشْيَاءُ - وہ نظم یہ ہی

مجمع تعلیم کا گو یہ چھٹا اجلاس ہی
ہم مسلمان اور وہی نکبت وہی افلاس ہی

منزل مقصود تک اپنی رسائی ہو چکی
یاں تو پہلے ہی قدم پر پانوں میں آماس ہی

لالہ بھائی کوئی ڈپٹی ہوں کوئی صدر الصدور
اُن کو کیا جن کے مقدر میں لکھی چپراس ہی

امتحانوں میں ہیں انگریزی کے جتنے کامیاب
یا کوئی پرشاد ہی یا چند ہی یا داس ہی

شاذ اگر کوئی مسلماں ہی تو اس کا کیا حساب
جو ہمالہ میں کہیں اک ریزۂ الماس ہی

کیا چمن کا حکم رکھے گا وہ میدان فراخ
جس میں اک غنچہ ہی باقی گھاس کُتا گھاس ہی

گر کسی کو ہو مسلمانوں سے امید فلاح
ہم پکارے کہتے ہیں ہم کو توکلی یاس ہی

جب تلک مذہب ہی ہر اک بات میں اُن کے دخیل
جب تلک اسلام یہ ہی جو کہ عندالناس ہی

جب تلک ان پر مسلط ہی بلاے رسم و راہ
جب تلک ان پر متوفر وہم اور وسواس ہی

جب تلک ہی حاکمان وقت سے ان کو گریز
گویا یہ ہندو ہیں انگریزی گئو کا ماس ہی

جب تلک اسلاف پر ان کو ہی اپنے فخر و ناز
جب تلک ان کے دماغوں میں بھرا خناس ہی

جب تلک نفسی[۲] وھذا لی ہی ہر اک کا شعار
جب تلک ہر اک کو اپنی ہی غرض کا پاس ہی

زید کو پرواے درد و محنت خالد نہیں
اور نہ خالد کو کسی کے رنج کا احساس ہی

جب تلک یہ لوگ ہیں جف القلم[۳] کے معتقد
یعنی جو ہونا ہی سب مکتوب[۴] فی القرطاس ہی

جب تلک یہ ہیں بزرگوں کی لکیروں کے فقیر
اُن کا فرمانا علی العینین[۵] فوق الراس ہی

ختم ان پر ہو گئے جتنے تھے سب فضل و کمال
ان کے آگے بولنا ہذیان ہی بکواس ہی

[۱] اور مقابلے ہی سے چیزوں کی حقیقت کھلتی ہی ۱۲ [۲] میرے ہی نفس کے لیے ہی ۱۲ [۳] یہ اشارہ طرف جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا هُوَ کَائِنٌ کی طرف ہی یعنی قلم کو جو کچھ لکھنا تھا لکھ کر خشک ہو گیا ۱۲ [۴] صحیفۂ اعمال میں مندرج ہی ۱۲

[۵] آنکھوں اور سر پر ۱۲

ان سے بڑھ کر کیا کوئی سمجھے گا کس کو اپنی عقل؟ ۔ وہ جو کچھ گزرے وہی اصل اور وہی مقیاس ہے
جب تلک لوگوں کے ہیں اغراض اپنے مختلف ۔ یہ اگر پنجاب ہے تو دوسرا مدراس ہے
نام کو اک قوم ہیں جس سے کہ یہ مفہوم ہو ۔ اک گروہ[۱] صاحبِ قوّت شَدِیدُ النَّاس ہے
ایک معبود ایک پیغمبر ہے اور اک ہی قرآن ۔ سورۂ اَلحمد سے تا سورۂ والنّاس ہے
پر نگاہِ غور سے دیکھو تو کل افراد میں ۔ وحشت و نفرت بجائے حُبّ و استیناس[۲] ہے
بھائیوں کا گوشت تھوڑا ہے کہ اس کو بھوک ہے ۔ خون کا لوگوں میں توڑا ہے کہ اس کو پیاس ہے
جب تلک القصہ یہ حالت مسلمانوں کی ہے ۔ بس خدا ہی سے ہے ان کی آس گر کچھ آس ہے
کارسازی کو تری اسباب کی حاجت نہیں ۔ وہ جو ہم سے دور ہے قدرت سے تیرے پاس ہے
ہم وہی ہیں اور وہی حالت وہی لیل و نہار ۔ آش[۳] ویسی ہے وہی اگلا پرانا کاسہ ہے
وہ جو بیماری تھی اب بھی ہے ذرا خفت نہیں ۔ یہ مریضِ جاں بلب ہے جانِ چند انفاس ہے
ہاں مگر بچ جائے تیرے فضل سے تو کیا عجب ۔ یہ دوا ایسے مریضوں کو سدا سے راس ہے

چھٹی نظم

جو مدرسۂ طلبیہ دہلی کے تیسرے سالانہ جلسے منعقدہ ۱۵- جون ۱۸۹۶ء میں پڑھی گئی

ہاتف نے آج مجھ کو جگا کر علی الصباح ۔ آواز دی کہ اتنا بھی بیگانہ خو نہ ہو
طلبیہ مدرسے میں ہے ایک انجمن عام خلق ۔ ایسا نہ ہو کہ آج کے جلسے میں تو نہ ہو
اُٹھ چل خدا کے واسطے اور دیر مت لگا ۔ لوگوں کو رحمتِ طلب دستِ جو نہ ہو

۱؎ جماعتِ کثیر ۱۲ ۲؎ طلبِ اُنس ۱۲ ۳؎ اشارہ ہے ہموں آش در کاسہ کی طرف ۱۲

میں نے کہا کہ خیر۔ مگر اِس سے فائدہ
قسمت کا چاک تا بقیامت رفو نہ ہو

تو چاہتا ہی سیر مجھے دُردِ جام سے
اور یاں سبو بھی قطرہ ہی گرتا گلو نہ ہو

ضبطِ معظمات کو درکار ہی دماغ
یہ مغزِ تخمِ خربزہ تخمِ کدو نہ ہو

دولت مدارِ رونقِ باغِ جہان ہی
زر ہو۔ بلا سے رنگ نہ ہو گل میں بو نہ ہو

دُنیا میں مفلسی مرضِ لاعلاج ہی
اِس طرح کے مریض کو صحت کبھو نہ ہو

مجکو دیا گیا ہی وہ مایوس دل۔ جسے
احساس شادمانی [1] لَا تَقْنَطُوْا نہ ہو

دیکھے ہیں کتنے کھیل بگڑتے ہوئے بچشم
کیونکر یقین ہو کہ یہ چرچا فرو نہ ہو

جو آرزو ہی اِس کا نتیجہ ہی انفعال
اب آرزو یہ ہی کہ کوئی آرزو نہ ہو

ساتویں نظم

جو نظم مولنا نے ساتویں ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ دہلی ماہ دسمبر [illegible] میں پڑھی تھی

مسلمانوں۔ اگر تم میں ہی کچھ فکرِ رسا باقی
تو بول اُٹھو کہ ہی اسلام کے مٹنے میں کیا باقی

شجاعت تھی تو وہ ہم سے گئی گزری ہوئی باطل
نہ اب وہ مُلک گیری ہی نہ وہ حرب [2] و غزا باقی

نہ ہمت ہی نہ جرأت ہی نہ چستی ہی نہ چالاکی
نہ خو زحمت اُٹھانے کی نہ زورِ دست و پا باقی

خدا جانے وہ کیسی سلطنت تھی کیا تھی کیونکر تھی
ق
کہ تاریخی کتابوں میں ہی جس کا تذکرا باقی

یہ ٹوٹی پھوٹی گنتی کی ریاست ہائے اسلامی
جنھیں روئے زمیں پہ دیکھتے ہو جا بجا باقی

[1] اشارہ ہی طرف آیت لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ کی طرف یعنی خدا کی رحمت سے نا امید نہ ہو ۱۲۔

[2] جنگ اور مذہبی لڑائی ۱۲۔

مگر اُس سطوتِ[51] کبریٰ کی چند یادگاریں ہیں
مسافر جاچکا لیکن ہے اُس کا نقشِ پا باقی

عروسِ دہرِ زال زشت منظر ہو گئی ایسی
کہ جس میں دل ربائی کی نہیں کوئی ادا باقی

وہ بوٹا سا قدِ رعنا کہ عالم جس پہ مفتوں تھا
خمیدہ ہوتے ہوتے رہ گئی پشتِ دوتا باقی

تغیر آگیا نقش و نگارِ حسن میں یکسر
نہ وہ رنگِ حنا قایم نہ چشمِ سرمہ سا باقی

ملا دی خاک میں پیری نے سب رونق جوانی کی
نہ رنگت میں ضیا باقی نہ چہرے میں صفا باقی

کہاں کی قوم کیسی خیر خواہی کس کی ہمدردی
کہ لوگوں میں نہیں ہے اب تو پاسِ اقربا باقی

کچھ ایسی اجنبیت ان دنوں میں آکے پھیلی ہے
نہیں گویا کہیں کوئی کسی کا آشنا باقی

جما رکھا ہے آزادی نے وہ سکّہ ۔ کہ لوگوں میں
نہ قانونِ ادب نافذ نہ آئینِ حیا باقی

وہی طرز دں میں ہے طرز پسندیدہ جو رہ جائے
بروئے شیوۂ[52] دَعْ مَاکَدِرْ خُذْ مَاصَفَا باقی

قطعہ

یہ معیارِ لیاقت ہے خدا شرمائے ہم سب کو
کہیں ہے بھی اگر علم و ہنر تھوڑا ذرا باقی

کہ دار العلم دہلی میں فضیلت اس کو کہتے ہیں
کہ میری طرح کے چند اور ہیں حرف آشنا باقی

مسلماں ہیں مگر صرف از برائے نام کہنے کو
کہ جیسے ذات کا ہے امتیاز و تفرقہ باقی

وگرنہ دین داری بس حقیقت اس کی اتنی ہے
کہ ہم جیسے گنہ گاروں کا ہے پردہ ڈھکا ۔ باقی

یہ سارے کھیل ہیں دنیا میں دولت کے تموّل کے
مرا بہتر ہے وہ جس کے نہیں پلّے ٹکا باقی

ہماری قوم کو افلاس نے اس طرح گھیرا ہے
کہ فی صد ایک کچھ خوش ہے تو محتاج و گدا باقی

قطعہ

کسی کے کام آئیں یا کسی کو نفع پہنچائیں
جو ہوتے آج کو ایسے نفوسِ اولیا باقی

تو کیوں اکثر مسلمانوں کی یوں حالت ردی ہوتی
کہ گھر میں سر پہ بی بی کے نہیں ثابت ردا[53] باقی

مسلمانوں کو ایسا تنگ پکڑا ہے زمانے نے
نہ مرنے کی گنجائش نہ جینے کی جگہ باقی

[51] شانِ عظیم ۱۲ [52] اچھے کو اختیار کرنا بُرے کو چھوڑنا ۔ ۱۲ ۔ [53] چادر ۱۲ ۔

اسی کو ہم بڑی دولت بڑی حشمت سمجھتے ہیں
کہ مسجد میں ابھی ہی بوریا ٹوٹا پھٹا باقی

لیئے جاتے ہیں ہم سب کو گھسیٹے قعر نکبت میں
اب ایسے رہ گئے ہیں مولوی اور پیشوا باقی

پڑھاتے ہیں سبق تفضیل کا اوروں کو جب تک ہیں
ہزاروں سے نہیں ہی ایک میں لُطفِ وفا باقی

لڑے مرتے ہیں ادنیٰ بات پر انجام جو کچھ ہو
مزاجوں میں نہیں برداشت کا مطلق پتا باقی

زمین و آسماں کو اپنا دشمن کر لیا لڑ کر
ہر اک کے ساتھ ہی کوئی نہ کوئی خرخشا باقی

غرض دنیا و دیں کے سب فنا اہل متفرع ہو کر
رہا ہی اک تعصب نامناسب ناروا باقی

وہ بیمار قریب مرگ ہی اسلام واویلا
مسیحا کو نہیں ہی جس کی امیدِ شفا باقی

مسیحا کون سر سید بنائے سب میں کہتا ہوں ق
صد و سی سال اس کو اور رکھوائے خدا باقی

بھلا ہی یا بُرا یہ جانے اور اس کا خدا جانے
مگر ہی کوئی اس کی شان کا اس کے سوا باقی

عقاید میں کسی کے دخل دینے کی ضرورت کیا
قیامت کو بھی رہنے دوگے کوئی فیصلہ باقی

یہی اک فردِ اکمل ہی کہ جس کو دیکھ کر جانا
ہماری ناؤ کا پارے ہی اب تک ناخدا باقی

جزاک اللہ خیرا قوم کی اصلاح حالت میں
دقیقہ ایک بھی تو نے نہیں رکھا اُٹھا باقی

خدا نے تجکو پہنچایا ہی اُن اعلیٰ مراتب پر
فزوں تر بس سے اب کوئی نہیں ہی مرتبہ باقی

طریقِ مختصر پر گر ترے القاب لکھا ہوں
تو مشکل ہی کہ ابجد میں رہے حرفِ ہجا باقی

مگر معلوم ہی تجکو مسرت کچھ نہیں اس کی
کہ تو ہی دردمندِ قوم اور تیرا گلا باقی

محالِ عقل ہی تجکو ہوا اس دنیائے فانی میں
سوائے قوم کوئی آرزو یا التجا باقی

نہ ہو بے دل اور اپنی سعی کیئے جا صرف ہمت سے
کہ سب کے سر پر اب تو ہی ہی اک بوڑھا بڑا باقی

اگر انعام کی تجکو توقع ہو تو باور رکھ
خدا کے پاس ہی تیری جزا تیرا صلا باقی

تجھے رو ئیگی سر پہ ہاتھ رکھ کر قوم بد قسمت
اور اس کو دیکھ لے گا جو کوئی جیتا رہا باقی

نہ ہو دیں کارگر گر لاکھ تدبیریں تو کیا پروا
ابھی سب سے بڑی بھاری ہے تدبیرِ دعا باقی

تصور میں پکڑ کر اپنے نانا جان کا دامن
خدا سے عرض کر یا قاضی الحاجات یا باقی

تباہی چھا رہی ہے تیرے پیغمبر کی امت پر
بجز تیرے کرم کے اب نہیں کچھ آسرا باقی

مسلمانوں کو ہمت قرنِ اولیٰ کی عطا فرما
وقار و عزتِ اسلام تا روزِ جزا باقی

ذرا ٹھیرے طبیعت کس بلا کی تیری آمد ہے
کوئی حد بھی ہے اس باقی کی آخر تا کجا باقی

یہ جو کچھ سن چکے ہو اب تلک تمہیدِ مطلب تھی
ابھی ہے نثر میں کہنے کو اصلِ مدعا باقی

آٹھویں نظم

جو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے آٹھویں اجلاس منعقدہ دسمبر ۱۸۹۳ء میں بمقام علی گڑھ پڑھی گئی

پھر آخر ہوا سال خرشیدِ خا در
کہ ہو چکنے پر آیا ماہِ دسمبر

لگا روز آہستہ آہستہ بڑھنے
بندھا ہے تنزل ترقی کا چکر

مسلمانوں پر صادق آئے تو جانیں
کہ ہے یہ بھی اک رسم دنیا مقرر

اچھل آئے ڈوبے ہوئے کتنے بیڑے
سنبھل جاتے ہیں لوگ کھا کھا کے ٹھوکر

ہم ان اپنی آنکھوں سے دیکھا کیے ہیں
ہلالوں کو بنتے ہوئے بدرِ انور

ہوئے ہیں بہت دانہ بے حقیقت
بزورِ طبیعت درختِ تناور

ولیکن بظاہر توقع نہیں ہے
کہ اسلام کو ہو بحالی مکرر

اگر ہو تو سمجھو کہ جی اٹھے مردے
اگر ہو تو جانو ہوئے موم پتھر

تو سمجھو ہوا خرقِ عادت محقق
تو جانو لگا بہنے الٹا سمندر

گئے دن کہ اسلام سے کانپتے تھے
زمان و زمیں بید کی طرح تھر تھر

بت و برہمن کی زباں پر تھا جاری | دمِ نعرۂ ذکر اللہ اکبر
جدھر رُخ کیا سلطنت زیرِ فرماں | جدھر آنکھ اُٹھائی ممالک مسخّر
یہ حاکم ہر اک شخص ان کی رعیت | یہ آقا تمام آدمی اِن کے نوکر
زمانے میں اُس وقت جتنے ہنر تھے | یہی سب میں فائق یہی سب میں بہتر
یہ ممتاز تھے حق بجانب کہ کوئی | نہ مدِ مقابل نہ ثانی نہ ہمسر
طبیعت میں ہر ایک کے غم گساری | مزاجوں میں سب کے شرافت کا جوہر
خدا نے عجب دل دیئے تھے کہ جن میں | کسی کی طرف سے نہ تھا کینہ مضمر
اگر صبح کو لڑ پڑے بھائی بھائی | تو پھر شام تک ہو گئے شیر و شکر
کبھی رونق افزائے بزمِ مسرت | کبھی مردِ میدان و سالارِ لشکر
لڑائی ہو ایک ایک سَو سَو سے بھاری | شہیدانِ بدر و شجاعانِ خیبر
لگیں دشمنوں کے تئیں ہو کے چھرّے | اگر پھینک دیں لے کے مٹھی میں کنکر
بھگایا ہو اعدا کو یوں غازیوں نے | اُڑا کر ہوا جیسے لے جائے مچھر
خدا اور رسولِ خدا اُن کے حامی | کوئی آ سکے اُن سے کس طرح برسر
ہلا ڈالی بنیاد ایوانِ کسریٰ | رگڑ دی پکڑ کر دمِ مُلکِ قیصر
پر اِس سے کہ دادا کو تمغہ ہوا تھا | بھلا بھوکے پوتوں کو سیری ہو کیوں کر
بڑوں نے پہنے ہوں شال اور دوشالے | میسر نہیں اُن کی نسلوں کو دھوتر
رہے ہوں گے اگلے خزانوں کے مالک | ہمیں ایک پیسہ ہے کبریتِ احمر
ہمیں مر گئے جب کہ فاقوں کے مارے | بزرگوں کے کٹ کٹ کے نکلے مزعفر
خدائی بدل جائے واللہ باللہ | اگر ہم سنور جائیں اتنے بگڑ کر

مگر کیا کیا جائے آخر تو دل ہے
سریع التاثّر نہ لوہا نہ پتھر

پگھلتا ہے دیکھے سے دردِ مصیبت
اذیّت سے ہوتا ہے بےچین و مضطر

خصوصاً وہ دل جس کو سینے میں اپنے
لیے بیٹھے ہیں یہ[1] بزرگِ معمّر

لگایا تھا اک باغ[2] نانا نے ان کے
کئی سو برس تک رہا تازہ و تر

بکثرت ریاحین و گل ہائے رنگیں
بافراط شمشاد و سرو و صنوبر

درختوں پہ پھل اور پھلوں پر پرندے
زمیں پر دھرے دیتی ہیں ٹہنیاں سر

ہوئے ہیں مگر چہچہے سنتے سنتے
شب و روز صبح و مسا گوشِ گل کر[3]

ہر اک قطعہ پھولوں کے تختے کے تختے
ہر اک حوض پانی کی چادر کی چادر

تعالی اللہ فوّاروں کی سربلندی
کہ قطرے بنے انجمِ چرخِ چنبر

فواکہ اگر کھائیے رزقِ طیّب
شگوفے اگر سونگھیے مشک و عنبر

سنے ہوں گر اوصاف جنّت کے تم نے
اسی کا نمونہ تھا روئے زمیں پر

نظر لگ گئی پھولتے پھلتے اس کو
حوادث کی پیہم چلی بادِ صرصر

اب اس کی بھی نوبت ہوئی ہے دریغا
کفِ دست میدان ہے جیسے کلّر[4]

نہ سبزہ نہ سایہ نہ اک قطرہ پانی
نہ لطفِ تفرّج نہ تفریحِ منظر

جہاں نغمہ خواں جھنڈ تھے طائروں کے
پڑے ہیں وہیں مشتِ مشتاک[5] پر

الٰہی وہ کیا ہو گئیں سب بہاریں
مزیّن ہیں جن کے بیانوں سے دفتر

جہاں وہ گئیں یہ تمنا بھی جائے
کہ ہم بھی انھیں دیکھتے اک نظر بھر

خزاں ہو تو جائے شکایت نہیں ہے
کہ ہر باغ کے واسطے ہے مقدّر

[1] لکچرار نے سرسید احمد خان کی طرف اشارہ کیا ۱۲ [2] مراد ہے اسلام ۱۲ [3] بہرا ۱۲ [4] بنجر ۱۲ [5] چھوٹی سی مٹھی ۱۲

مگر یہ تباہی اور اتنی تباہی — اور ایسی تباہی ہی اک امرِ آخر
نہ ہو حقِ ماتم ادا اس الم کا — اگر روئیے تا قیامت برابر
مگر صرف رونا ہی رانڈوں کا شیوہ — کہ اُن کو مناجاتِ حالی[۵۱] ہی ازبر
تم مرد ہو اے وفادار ملت کیسی — کہ بیٹھو منغّص اور اُٹھو مکدّر
یہ تصمیمِ ہمّت کمر چست باندھو — ذرا دل کو مضبوط رکھو برادر
خدا کے لیے کوئی صورت نکالو — بتاؤ کوئی ایسی تدبیر مل کر
مسلمان فاقوں سے مرنے نہ پائیں — کہ اب اُن کی حالت ہی بدتر سے بدتر
اگر تم میں ہی مردمی اور مروت — اگر کچھ بھی ہی پاسِ خدا و پیمبر
جو تم کو حمیت ذرا چھو گئی ہی — اگر تم پہ چلتا ہی غیرت کا منتر
سنبھالو لگا دو جس قدر طاقت — اسی طرح اُٹھتے ہیں لوگوں کے چھپّر
جو سر کو تو منزل پہ پہنچو ہی پہنچو — بشرطیکہ اُن[۵۲] کو کرو اپنا رہبر
بہت سوچ چکے کھو چکے اب تو چیتو — کہاں تک کروگے ستم اپنے اوپر
کوئی حد بھی ہی بدگمانی کی آخر — ارے ظالمو بد خیرخواہوں سے بدتر
سنا بھی کرو گوشِ دل سے نصیحت — کہ سمجھے ہے[۵۳] مَنظنت ہی ممنوع مُنکر
جو دنیا و دیں میں ہو ایسا تخالف — کہ سچ جانئے دکھن تو وہ جائے اُتر
تو تم کس طرف کو ہوئے منہ سے پھوٹو — کشاکش میں دونوں کی مجبور و مضطر
کوئی بات ہو اُس میں دیں گے اڑنگے — کوئی کام ہو اُس میں مذہب کی پخّر
یہ دنیا میں رہنے کے لچھن نہیں ہیں — اُٹھاؤ چلو تہ کرو اپنا بستر

[۵۱] بیوہ کی مناجات کی طرف اشارہ ہی ۱۲ [۵۲] سرسید کی طرف اشارہ ہی ۱۲ [۵۳] بدظنی ۱۲—

مگر ترک دنیا کچھ آسان نہیں ہی ۔ دکھائے کوئی کرکے یہ رزم نیچر[1]

ضوابط بھی باندھے ہوئے ہیں خدا کے ۔ نہ بدلے نہ بدلیں الی یوم محشر

یہ طامات[2] دعوے ہیں دھوکے کی ٹٹی ۔ اگر زہد ہی بھی تو زہد مزوّر

پڑے کیا ہو سید کے مذہب کے پیچھے ۔ سُنو جی یہ بھی کافر ہی بلکہ اکفر

ولے گر کہے دنیوی فائدے کی ۔ تو کیا غدر سے کروگے نقصان سراسر

سیادت کا دعویٰ اوامت کا دشمن ۔ ہمیں تو نہ آیا نہ آوے گا باور

اُسی باغ کو جڑ سے کاٹے اُجاڑے ۔ کہ جو باغ ہی اس کی میراثِ مادر

جو کہیے کوئی بات ایسی تو کہیے ۔ کہ دائر ہو امکانِ عقلی کے اندر

نہ ایسی کہ سن کر جسے گر پڑے چھت ۔ نکل جائے کتنوں کا دب کر کچومر

پڑھا ہوگا قرآن میں وِزرِ[3] اُخریٰ ۔ کریں یہ تو تم کیوں بھرو اُس کا کیفر

خدا کو بھی سمجھے ہو کیا اپنے دل میں ۔ کہ جج ہی سشن جج تم اس کے اسیسر

ویا اُس کے ہاں بھی کوئی کونسل ہی ۔ تم اُس کونسل کے ارکین و ممبر

اُسے رائے لینے کی تم سے ضرورت ۔ خدا ہو کے محتاج تعلیمِ دیگر

پڑی کیا پرائی تم اپنی نبیڑو
فَکُلٌّ[4] رَهِينٌ وَ كُلٌّ مُيَسَّرٌ

---

[1] خلافِ فطرت ۱۲ [2] لاف وگزاف ۱۲ [3] اشارہ ہی آیہ کریمہ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ اُخْرٰی کی طرف یعنی کوئی گنہگار دوسرے کا بار نہ اُٹھائیگا ۱۲ [4] کُلٌّ رَهِينٌ اشارہ ہی کُلُّ امْرِءٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ کی طرف کُلٌّ مُيَسَّرٌ سے مراد ہی کُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهٗ ۱۲

نویں نظم

جو انجمن حمایت اسلام لاہور کے نویں سالانہ جلسے میں پڑھی تھی جو ۱۸۹۴ء میں منعقد ہوا تھا

خدا شاہد ہی میرے دل میں گر کچھ بھی شرارت ہو
مگر دیکھا نہیں جاتا کہ اپنی قوم غارت ہو

طبیعت ہی تو ہی مجھ سے تحمل ہو نہیں سکتا
کہ دنیا میں مُسلمانوں کی ذلت ہو حقارت ہو

گھُلا کرتا ہوں اس غم میں مگر بے سود لا حاصل
کہ اس قابل نہیں مجھ سے کوئی تقدیم خدمت ہو

مسلمانوں کی حالت دیکھ میرا دم اُلٹتا ہی
الٰہی دشمنوں کی بھی نہ اس درجے بُری گت ہو

کہاں وہ سلطنت اور وہ حکومت وہ جہانبانی
معاذ اللہ خدا ہو جائیں گر ان کی سی حشمت ہو

کہاں یہ مفلسی جیتا کسی کی یہ ذلت و خواری
کہ اپنی قوم کو خود نام سے اپنے ندامت ہو

یہ میری عمر آئی ہی اور اب تھوڑی سی باقی ہی
اگر دو اک ہی باقی ہو اور اس میں کچھ طوالت ہو

خدا کا شکر ہی میں حال میں اپنے بہت خوش ہوں
نہیں ہی یہ کہ مجکو ناس کر کوئی شکایت ہو

مجھے پوری سبک دوشی ہی افکار معیشت سے
بڑی دولت ہی جب جس حال میں جس کو قناعت ہو

میں اپنی نیند سوتا ہوں مزے سے پاؤں پھیلا کر
اگرچہ سر پہ میرے شور و غوغائے قیامت ہو

نہ گردن میں مری طوق غلامی ہی کسی شہ کا
نہ حاکم ہوں کہ مجکو فکر بہبود رعیت ہو

نمک خوار نظامِ حیدر آباد دکن ہوں میں
جب ایسے کا توسل ہی تو مجکو کیوں نہ ثروت ہو

مجھے ملتا ہی گھر بیٹھے جو یاں پر مل نہیں سکتا
اگرچہ نوکری میں عمر ساری صرفِ خدمت ہو

یہ سُن کر حاسدِ بد نفس مر جائے تو مر جائے
کہ ہم سب کو بھی اطمینان ہو اُس کو بھی راحت ہو

نہ طالب جاہ کا ہوں اور نہ خواہاں ہوں تعزز کا
مصیبت ہی اگر حکام میں رُشد و وجاہت ہو

یہ کس سے ہو کہ مارے مارے کتے کی طرح پھریئے
سلام از دور کر لیتے اگر صاحب کو فرصت ہو

خدا تک پہنچنا آسان اور ان تک بہت مشکل
مگر ہاں خانساماں جی کی تقریبِ شفاعت ہو

بصد دقّت جو پہنچے بھی تو صاحب پوچھتے کیا ہیں
کہ دل بتلاؤ گر آب و ہوا میں کچھ ردات ہو

یہ کالا لوگ کا عادت ہی میلا گھر میں رکھتا ہی
اسی سے کالرا اور انفلوئنزا کی شدت ہو

گھڑی کو دیکھ کر فرماتے ہیں خُلق و مروت سے
کہ برسوں میل جانے کو ہی اچھا آپ رخصت ہو

پھر ملنا ہی اگر ملنا اسے کہیئے تو فرماؤ
کہ اس جلدی میں کیوں کر عرضِ مطلب کی جسارت ہو

نہ میرا مدعا ہی نامور ہو نازماں نے میں
نری شیخی ہی شیخی ہی اگر لوگوں میں شہرت ہو

کسی کی ایک کوڑی مجکو دینی ہو تو بول اٹھو
تنازع کس لیئے ہو وارثوں سے کیوں عدالت ہو

اگرچہ ساز و سامانِ تکبّر جمع ہیں سارے
مگر حاشا کہ مجھ سے بھول کر ایسی حماقت ہو

پر استغنا و خودداری کے ہوتے کیا تعجب ہی
کسی ناداں کو گر مجھ پر گمانِ عجب و نخوت ہو

فقط ایک مشغلے کے طور پر تھوڑی تجارت ہی
اب اس میں آگے چل کر فائدہ ہو یا خسارت ہو

اگر کچھ فائدہ ہونا ہی ہوگا لاجرم ہوگا
حسد ہو کس لیئے اور کیوں کسی کو رشک و غبطت ہو

پہنچنا ہی ہر اک کو جس قدر جس کا مقدّر ہی
موافق چاہیئے تقدیر ہو تدبیر یا مت ہو

وگر نقصاں خدا ناخواستہ قسمت میں لکّھا ہی
اسے برداشت کرنے کی الٰہی مجکو ہمّت ہو

ولیکن پھر نہ ہو لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاؤں
مجھے آجائے مرگِ ناگہاں گر ایسی نوبت ہو

مسلمانوں کو بھی توفیق دے یارب گھر گھر میں
تجارت ہو تجارت ہو تجارت ہو تجارت ہو

نہ شیخِ وقت ہوں اس بات کے در پے کہ لوگوں کو
ارادت ہو عقیدت ہو مرے ہاتھوں پہ بیعت ہو

کوئی قائل ہو میری خرقِ عادت کا کرامت کا
کوئی گرویدۂ رمزِ دعا و سرِّ ہمّت ہو

ابھی سلب مرض ہو گر کسی پر پڑھ کے پھونک کر دوں
توجہ ڈال دوں تو مرغِ بسمل کی سی حالت ہو

لطیفات الحیل جاری ہوں کہ مرہونِ مو سے
قبولِ خلق و جلبِ منفعت سے خاص نسبت ہو

فقیری دوسرے لفظوں میں ہی فرمان آرادی
وہ مرفوع القلم کیا ہو جو محکوم الشریعت ہو

کوئی اولاد کی درخواست لے کر میرے پاس آئے
کشایش کا کوئی طالب ہو تا روزی میں وسعت ہو

اگر چاہوں زن و شو باپ بیٹے کو لڑا ماروں
رکھوں دل پر تو جانی دشمنوں میں انس و الفت ہو

غرض دنیا میں جتنی حاجتیں انساں کو پیش آئیں
ہر اک حاجت کے بر لانے کی مجکو پوری قوت ہو

ذریعہ مجکو گردانے جو خواہاں تقرب کا
وسیلہ مجکو ٹھیرائے اگر مشتاق جنت ہو

نہ ملا ہوں کہ مسجد ہی مرا کاسہ گدائی کا
مجھے دعوت میں جانا فرض ہو اوروں کو سنت ہو

قضا ہونے نہ دوں تکبیر اولی ہر جماعت کی
مری موجودگی میں ہو اذاں ہو یا اقامت ہو

تباہی جو نہ آنی ہو مسلمانوں پہ آجاے
مجھے کیا چاہیے ہی میں ہوں مسجد ہو امامت ہو

ارادہ ہو کہ اب اک مدرسے کا جال پھیلاؤں
کہ اس تدبیر سے چندے کے ملنے میں سہولت ہو

کمال دین داری کی صفت سے متصف لیکن
دکھاوے کا تقدس ہو نمایش کی عبادت ہو

نہ لوگوں کو پڑھانا درس دینا کام ہی میرا
کہ یہ سب درد سر از بہر اظہار لیاقت ہو

میں تم میں آ کھڑا ہوتا ہوں جب مجمع کرتے ہیں
کہ گر تشریف لاؤ مہربانی ہو عنایت ہو

تم آجاؤ اور آکر اپنا لکچر دو تو جلسے میں
ہجوم و اژدہام خلق ہو لوگوں کی کثرت ہو

کوئی بھاری سی معتدبہ رقم چندے کی آجائے
ہماری انجمن کو فخر و استحکام و قوت ہو

کما لیتے ہیں کتنے آدمی میرے ذریعے سے
تمھیں ہو اجر ان کو فائدہ مجکو مسرت ہو

اگر اپنے لیے چاہوں تو کتنا کچھ محاصل ہو
بہت کچھ ہو گدائی کی اگر میرے تئیں لت ہو

پھر دلوانا بھی دینے ہی میں داخل ہو اگر سمجھو
کہ مثل خیر ہی گر خیر کے اوپر دلالت ہو

پھر آتا ہوں تو کہہ دیتا ہوں جو کچھ میرے دل میں ہے
خوشی ہو اس کے سننے سے کسی کو یا کہ نفرت ہو

اگر لوگوں کے خوش کرنے کی حاجت ہو تو اس کو ہو
کہ جو امیدوار بخشش و انعام و خلعت ہو

یہاں تحسین تک اور داد تک کی بھی نہیں پروا
سخن بے قدر کاسد ہے اگر شاباش قیمت ہو

دلوں کو مول لے لیتے ہیں ہم لطفِ مضامیں سے
مگر دل حق پسند و شیوۂ انصاف طینت ہو

کوئی سی انجمن میں نے کھڑی کی ہو تو بتلا دو
ہے کوئی کارخانہ میرے ذمے جس کی خدمت ہو

غرض ہوتی ہے ہر ایک کام میں انسان کے مضمر
کرے انکار گر کوئی تو انکارِ بداہت[۱] ہو

کسی مطلب کو تم میری طرف منسوب کر دیکھو
خدا نے عقل دی ہے صاحبِ فہم و فراست ہو

اور اس کے بعد سوچو تو تمھارا دل گواہی دے
کہ ناممکن ہے جز اصلاح میری کوئی نیت ہو

بتاؤ کچھ مفاد ان لکچروں کا ان سپیچوں کا
بجز اس کے کہ لوگوں کے تئیں مہمیزِ عبرت ہو

غلط فہمی بتائی جائے تا آگے کو سیدھے ہوں
خطاکاری دکھائی جائے تا آئندہ عصمت[۲] ہو

لگا دے تازیانہ گر کسی کو سست رو دیکھے
چبھو دے آر گر اس کے چبھونے کی ضرورت ہو

پھٹی ہی کی پھٹی رہ جائیں آنکھیں سننے والوں کی
کھلے ہی کے کھلے رہ جائیں منھ حیرت سے حیرت ہو

وہ افسانہ ہو نیندیں جس کے سننے سے اچٹ جائیں
وہ نوحہ ہو در و دیوار تک کو جس سے رقت ہو

وہ چورن چھانٹ دے بادی تعصب کے لئے بے جا کی
وہ چٹنی ترشیِ مستِ مئے پندار و غفلت ہو

نہیں لکچر مگر آئینہ صافی دروں جس میں
بعینہ منطبع ہوتی ہے جیسی جس کی صورت ہو

اگر آئینہ دکھلاتا ہے زنگی کی سیہ روئی
اسے آئینے سے کس واسطے بغض و کدورت ہو

کوئی غازہ بہم پہنچائے ایسا جس کے ملنے سے
کلف چہرے کا اس کے دور ہو کر گوری رنگت ہو

نہ میں نے عمر بھر اخبار کی جانب توجہ کی
یہ وہ کرتا ہے جو واماندۂ تدبیر و حیلت ہو

کسی کی ہجو لکھے یا کسی کی مدحت بے جا
محالِ عقل ہے بے اس کے ترویج و اشاعت ہو

مذاقِ قوم بگڑے ہیں کچھ ایسے ان دنوں آ کر
نہ پوچھے کوئی گر پابندیِ صدق و دیانت ہو

۱؎ ظاہر ظہور ۱۲ ۲؎ تحفظ ۱۲۔

دسویں نظم

مولانا کی مندرجہ صدر کل نظمیں یا اُس قسم کی نظمیں ہیں جو لکچروں کے پہلے اکثر تبرکاً پڑھی گئی ہیں یا اُس قسم کی ہیں جو بخیال ثواب اعتقاداً حمد و نعت و مناجات کی صورت میں تصنیف ہوئی ہیں۔ لیکن ذیل کی نظم ایک منظوم لکچر ہی جو سرسید کے پنجاب والے ڈپوٹیشن متعلق محمدن کالج علی گڑھ پنجاب کے متعدد مقامات پر ماہ اپریل ۱۸۹۴ء میں درخواست کر کے باصرار پڑھوائی گئی تھی۔ اس منظوم لکچر کے اشعار کی ایک تفسیر بھی ہی۔ جو فٹ نوٹ میں درج ہی۔ ہمارے نزدیک یہ فٹ نوٹ اور نظم دونوں ایسے لازم و ملزوم اور دست و گریبان ہیں کہ ایک کو دوسرے کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو دونا لطف اور دونی معلومات مفید حاصل ہوتی ہی۔ لہذا منظوم لکچر مع شرح درج کیا جاتا ہی ؎

سلامٌ علیکم سلامٌ علیکم[1]	بحمد اللہ بھائی مسلماں ہیں ہم تم

[1] سلام تو ایک ہی بس کرتا تھا کیونکہ علیکم میں جو کم ہی ضمیر جمع حاضر ہی۔ اور اُس کے مخاطب کل حضرات آڈینس (سامعین) مگر مجکو ڈبل (دُہرا) سلام کرنا منظور تھا اور اسی لیے میں نے نظم کا ایک ایسا وزن اختیار کیا ہی جس میں ڈبل سلام کی کھپت ہو۔ ڈبل سلام میں ایک تو نماز کی تقلید ہی۔ کہ اُس میں بھی دو سلام ہوتے ہیں۔ دوسرے ایک سلام شعار اسلام ہی کہ جب مسلمان مسلمان ملیں چاہیے ایک دوسرے کو سلام کریں۔ اور دوسرا سلام سلام روستائی ہی۔ جس کی نسبت آپ نے سنا ہوگا ع۔ سلامِ روستائی بے غرض نیست ٭ وہ غرض جس کے لیے سلام روستائی کیا گیا ہی آپ کو معلوم ہی مگر تھوڑی دیر

بعد میں اُس کو منھ چھوڑ کر بھی بیان کر دوں گا اور یہ جو کچھ لکھ رہا ہوں اُس ہی کی تمہید ہے۔۱۲

آداب معاشرت میں سلام ادب موکد ہے فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰی اَنْفُسِکُمْ تَحِیَّۃً مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ مُبٰرَکَۃً طَیِّبَۃً یعنی جب کسی کے گھر جاؤ تو اپنے تئیں سلام کر لیا کرو۔ جائیں دوسرے کے گھر اور سلام کریں اپنے تئیں۔ اس کے معنی کیا؟ اس کے یہ معنی ہیں کہ تم مسلمان مسلمان آپس میں سب ایک ہو تو تم دوسرے مسلمان بھائی کو کیا سلام کرتے ہو گویا اپنے ہی تئیں سلام کرتے ہو اور اس تاویل کے شواہد قرآن میں کئی جگہ موجود ہیں مثلاً لَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَکُمْ اپنی عیب چینی مت کیا کرو۔ مراد ہے کہ ایک دوسرے کی عیب چینی نہ کیا کرو کیونکہ کوئی اپنی عیب چینی نہیں کیا کرتا۔ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ اور اگر انسان اپنی عیب چینی کیا کرتا تو زمین پر آدمی نہ بستے بلکہ معصوم فرشتے اسی طرح وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَکُمْ لَا تَسْفِکُوْنَ دِمَآءَکُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْہَدُوْنَ ثُمَّ اَنْتُمْ ہٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَکُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِیْقًا مِّنْکُمْ مِّنْ دِیَارِہِمْ تَظٰہَرُوْنَ عَلَیْہِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاِنْ یَّاْتُوْکُمْ اُسٰرٰی تُفٰدُوْہُمْ وَہُوَ مُحَرَّمٌ عَلَیْکُمْ اِخْرَاجُہُمْ میثاق (عہد) تھا لَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَکُمْ اور الزام ہے تُخْرِجُوْنَ فَرِیْقًا مِّنْکُمْ مِّنْ دِیَارِہِمْ یہود سے خدا نے عہد لیا تھا کہ ایک دوسرے کی خونریزی نہ کرنا اور ایک دوسرے کو دیس نکالا دینا۔ لیکن اس عہد کو ان الفاظ سے بیان کیا کہ اپنی خونریزی نہ کرنا اور اپنے تئیں جلا وطن نہ کرنا۔ اداے مطلب کے اس پیرایہ سے ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ بندے التیام اور صلح کاری سے رہیں۔ اور اپنے میں اور اپنا سے جنس میں دوئی نہ لگائیں۔ مگر ہم کم بخت نافرمان بندے آپس میں لڑتے مرتے ہیں اور ایک دوسرے کو دیکھ نہیں سکتے۔

فَسَلِّمُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ کی دوسری تاویل لوگوں نے یہ بھی کی ہے کہ جب تم دوسرے مسلمان بھائی کو سلام کروگے تو وہ خواہی نخواہی جوابِ سلام دے گا۔ اور جوابِ سلام بھی بجائے خود سلام ہے تو تمہارا دوسرے

مُسلمان بھائی کو سلام کرنا انجام کار اپنے تئیں سلام کرنا ہی تو اِس صورت میں اداے مطلب کا یہ پیرایہ ہوا جو وَلَکُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوۃٌ (قصاص کا قاعدہ جاری رکھنے میں تمھاری زندگی ہو) کا ہی۔ انگریزی ایٹیکٹ (آداب مجلس) تو یہ ہو کہ جب تک کوئی تم کو انٹرڈیوس (تقریب) نہ کرے تم اجنبی آدمی سے شناسائی مت پیدا کرو اور ایسی مثالیں موجود ہیں کہ لوگ مہینوں ایک ہوٹل یا ایک جہاز میں رہے اور ایک میز پر کھانا کھایا کیے۔ اور اُن میں صاحب سلامت کی نوبت نہ آئی۔ مگر اسلامی اخلاق اس رُوکھے پن اِس کھُردرے پن کو جائز نہیں رکھتا۔ پس ایک اسی بات سے مُشتے نمونہ از خروارے سمجھ لو۔ ملنساری کن میں ہو اور کن میں نہیں۔ اور ملنساری نہیں ہو مگر حُسنِ اخلاق کا دوسرا نام اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (اے پیغمبر تم بڑے ہی خلیق ہو) ہمارے ہاں اگر معرفت سابقہ ہو تو "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ" سے اظہار خلوص کیا جاتا ہو اور اُس کی تجدید۔ اگر معرفت نہیں تو یہی "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ" تقریب ہو اور یہی "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ" انٹروڈکشن۔ انٹروڈکشن ہو کیا چیز یہی نا کہ ایک متوسط ایک اجنبی سے دوسرے اجنبی کا معرّف ہوتا ہو۔ لیکن جب معرّف اور معرف الیہ دونوں مسلمان ہیں تو اجنبیت گئی گزری ہوئی۔ وہی اسلام جس کے دونوں معتقد ہیں۔ ایک دوسرے کا معرّف کافی ہو۔ پھر سلام کے بھی آداب ہیں۔ کہ سوار پیادے کو سلام کرے۔ جو کھڑا ہی بیٹھے ہوؤں کو جیسا میں نے کیا اس میں بھی تواضع کی ایک اخلاقی تعلیم ہی۔ پھر سلام ایک حق ہی منجملہ حقوق العباد کے۔ وَاِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّۃٍ فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْھَا اَوْ رُدُّوْھَا اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ حَسِیْبًا اگر تم کو کوئی سلام کرے تو تم اُس کے لفظوں سے بہتر لفظوں میں اُس کا جواب دو۔ یا جیسے ویسے ہی لفظوں میں۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ ذری ذری بات کا حساب لے گا۔ رُدُّوْھَا کے یہ معنی کہ میں نے کہا کہ "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ" تم نے اُس کے جواب میں کہا۔ "وَعَلَیْکُمُ السَّلَامُ"۔ بِاَحْسَنَ مِنْھَا سے یہ مراد ہو کہ میں نے کہا "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ" تم نے کہا "وَعَلَیْکُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ" مگر یہ تو اسلامی سلام کا جواب ہوا۔ سلام

روستائی کے جواب میں بہترین الفاظ سے کام نہیں چلتا وہاں چاہیئے بہترین مسکوک۔

شروع شروع میں مسلمانوں سے ایک دو بار ایسی غلطیاں ہوئیں کہ اپنے تحفظ کی ضرورت سے دشمنوں پر چڑھ کر گئے۔ انھوں نے اسلامی قاعدے سے اُن کو سلام کیا اور سلام کو طالبِ امن کا مرادف سمجھا مسلمانوں نے خدع کے خیال سے اَلحَرْبُ خُدْعَۃٌ (لڑائی نام ہی فریب کا) سلام کی پروانہ کی تو اس پر بڑے غصّے کی آیت نازل ہوئی یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَتَبَیَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰی اِلَیْکُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا (ای مسلمانو جب تم اللہ کی راہ میں یعنی جہاد کے لیئے سفر کرو تو اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو اور جو کوئی تم کو سلام کرے تم اُس سے یہ بات نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں) ذرا قرآن کے لفظوں پر نظر کرو وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰی اِلَیْکُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا۔ مسلم سے مومن کا درجہ بڑھا ہوا ہی کیوں کہ اسلام کے معنی ہیں گردن نہادن۔ اور یہی فعل ظاہر جس کو ہر شخص دیکھ سکتا ہی۔ اور ایمان ہی فعل قلب جس پر سوائے خدا کے کوئی مطلع ہو نہیں سکتا۔ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰکِنْ قُوْلُوْا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِکُمْ عرب کے گنوار کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے تو ای پیغمبر تم اُن سے کہو کہ تم ہرگز ایمان نہیں لائے۔ ہاں یوں کہو کہ ہم اسلام لائے اور ایمان تو ہنوز تمھارے دلوں تک پھونچا بھی نہیں، تو فرمایا کہ جو تم کو اسلامی قاعدے سے سلام کرے تم کو کوئی حق نہیں کہ اس کو مومن نہ سمجھو تم تو ظاہر پر حکم لگانے والے ہو۔ کسی کا اسلامی قاعدے سے سلام کرنا تمھارے لیئے اس کے مومن ہونے کا ثبوت کافی ہو۔

قریب قریب اسی طرح کی ایک غلطی خالد بن ولید سے بھی ہوئی تھی کہ ان کو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ آدمی ساتھ دے کر دعوتِ اسلام کی غرض سے قبیلۂ بنی جُذیمہ کے لوگوں پاس بھیجا پھر جو یکایک اُن کے سر پر جا موجود ہوئے تو وہ گھبرا کر لگے کہنے صَبَانَا صَبَانَا۔ صابی ایک لقب حقارت آمیز تھا جو کفارِ قریش نے اس وقت کے مسلمانوں کو دے رکھا تھا۔ اس کے لغوی معنی تو کنورٹڈ (نو مسلم)

کے تھے مگر کفار قریش اس کو ڈزرٹر (خارجی) کی جگہ استعمال کرتے تھے۔

قبیلہ بنی حنیفہ میں کا ایک شخص تھا ثمامہ بن اثال۔ مسلمان اس کو گرفتار کر کے حضرت پاس لائے حضرت نے پوچھا مَا عِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ ثمامہ کیا خبر ہے) تو اُس نے کہا عِنْدِي خَيْرٌ يَا مُحَمَّدُ اِنْ تَقْتُلْنِي تَقْتُلْ ذَا دَمٍ وَاِنْ تُنْعِمْ تُنْعِمْ عَلٰى شَاكِرٍ وَاِنْ كُنْتَ تُرِيْدُ الْمَالَ فَسَلْ مَا شِئْتَ (اے محمد خیر ہی اگر تم مجھے مار ڈالوگے تو میری قوم کے لوگ تم سے میرا خون بہالیں گے اور احسان کروگے تو میں احسان فراموش نہیں اور تمھیں مال درکار ہو تو جو مانگو میں دینے کو موجود ہوں) یہ جواب اپنے سیاق میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس مقولے سے کیسا اشبہ ہے اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ خیر تو آن حضرت نے اپنی رحمت جبلّی کے مطابق ثمامہ کو چھوڑ دیا اور وہ حضرت کا طرز مدارات دیکھ کر ایمان بھی لے آئے۔ ان کو عمرہ کرنا تھا گئے مکّے قریش کے لوگوں نے پوچھا اَصَبَوْتَ (کیا تم نے ترک دین کیا) ثمامہ نے کہا وَلٰكِنْ اَسْلَمْتُ (نہیں تو بلکہ میں مسلمان ہو گیا) اسی طرح بنی جذیمہ کو اَسْلَمْنَا کہنا چاہیے تھا نہ صَبَأنَا کہ صبانا سے اسلام کی توہین نکلتی تھی اور اسی لیے خالد بن ولید نے اِن کے ساتھ وہ سلوک کیا جو دشمنوں کے ساتھ کیا جاتا ہے یعنی بنی جذیمہ کے کچھ آدمی مارے گئے۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ہوئی تو حضرت خالد پر سخت ناخوش ہوئے اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر فرمایا الٰہی میں خالد کی اس حرکت سے بیزار ہوں اور صرف اسی پر قناعت نہیں کی بلکہ حضرت علی کو بنی جذیمہ میں بھیج کر ایک ایک مقتول کی دیت دلوائی۔ خالد اسلام کے بڑے مشہور جنرل ہیں اور انھوں نے اسلام میں بڑی بڑی فتوحات نمایاں کی ہیں (یا سے ہائے کی تھیں) اور ان کو سیف اللہ کا خطاب ملا تھا۔ اور خطاب کے ملنے کا قصہ بیان کیا جائے تو شاید چنداں بے محل نہ ہوگا۔ اور اسلام کی ابتدائی ہسٹری (تاریخ) ہے ہی ایسی دلچسپ کہ جس بات پر نظر کرو کیوری آسٹی (شوق) کی طرح سیٹس فائی (سیر) نہیں ہوتی ہے

کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ ایں جا است	ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم

موتہ ایک مقام ہی علاقہ شام میں۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوتِ اسلام کے خطوط ملوک کے نام لکھے تو ہرقل روم کے نام کا خط حاکم بصرے کے پاس بھیج دیا کہ اس کو ہرقل پاس پہنچا دو۔ ہرقل کی طرف سے شام کا گورنر تھا شرحبیل۔ اس کی جو شامت آئی تو اُس نے پیغمبر صاحب کے قاصد حسرہ بن عمیر کو مروا ڈالا۔ آن حضرت نے شرحبیل کی سرکوبی کو لشکر روانہ کیا جس کے کمانڈر تھے زید بن حارثہ۔ اور آن حضرت نے لشکر کو رخصت کرتے وقت فرما دیا تھا۔ کہ اگر زید بن حارثہ شہید ہو جائیں تو اُن کے بعد جعفر بن طالب اور اُن کے بعد عبداللہ بن رواحہ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ تینوں کمانڈر یکے بعد دیگرے شہید ہوئے۔ راوی حدیث کہتا ہی کہ میں نے جعفر بن طالب کی لاش کو دیکھا۔ نوّے سے اوپر تیروں اور تلواروں کے زخم تھے اور ایک بھی پشت کی جانب نہ تھا۔ حضرت جعفر کو شہادت کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ذوالجناحین فرمایا۔ یعنی دو بازو والے۔ کیوں کہ اسلامی جھنڈا لڑتے وقت ان کے داہنے ہاتھ میں تھا وہ کٹ گیا تو اُنھوں نے جھنڈا بائیں ہاتھ میں لے لیا وہ بھی کٹ گیا تو جھنڈے کو ٹانگوں سے دبائے کھڑے رہے اور جھنڈے کو گرنے نہ دیا اور اسی حالت میں شہید ہوئے۔ جب زید اور جعفر اور عبداللہ تینوں کمانڈر شہید ہو گئے تو لوگوں نے خالد کی جلادت دیکھکر ان کو کمانڈر بنا لیا۔ اور خدا نے ان کو فتح دی۔ یہاں مدینے میں خبر آنے سے پہلے آں حضرت نے بیان فرما دیا تھا اور اس میں خالد کی نسبت ارشاد ہوا تھا۔ کہ عبداللہ کے بعد اَخَذَ الرَّايَةَ سَيْفٌ مِّنْ سُيُوْفِ اللّٰهِ حَتّٰى فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ (آخر کار اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے اسلامی جھنڈا لیا اور اللہ نے مسلمانوں کو فتح دی) تو خالد ایک تو خود اعلیٰ درجے کے سپاہی تھے ایسے لوگوں میں شدت کا ہونا ضرور ہو اس وجہ سے بنی جذیمہ کے مقہور کرنے میں جلدی کی یا عجب نہیں خالد نے اِن لوگوں کے سلام کو توبہ پر قیاس کیا ہو جس کی نسبت ارشاد ہو اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ

بجھالۃ ثم یتوبون من قریب فاولئک یتوب اللہ علیھم وکان اللہ علیما حکیما

(اللہ تو اُن لوگوں کی توبہ قبول کرتا ہے جن سے نادانستہ ایک خطا ہوگئی اور اُنھوں نے جلدی سے توبہ کرلی)
ولیست التوبۃ للذین یعملون السیئات حتی اذا حضر احدھم الموت قال انی
تبت الان ولا الذین یموتون وھم کفار اولئک اعتدنا لھم عذابا الیما۔ (اور
اُن لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو بدیاں کرتے چلے گئے یہاں تک کہ جب موت آموجود ہوئی تو لگے کہنے
اب میری توبہ اور نہ اُن کی توبہ قبول ہوتی ہے جو کافر ہوں اور کفر پر مرجائیں) فقہا نے غرغرہ کو حد توبہ قرار
دیا ہے۔ بعینہٖ یہی معاملہ فرعون کے ساتھ ہوا۔ حتی اذا ادرکہ الغرق قال امنت انہ لا الہ
الا الذی امنت بہ بنوا اسرائیل وانا من المسلمین الان وقد عصیت قبل وکنت
من المفسدین فالیوم ننجیک ببدنک لتکون لمن خلفک آیۃ (یہاں تک کہ آخرکار
جب لگا ڈوبنے تو بولا میں ایمان لایا کہ بنی اسرائیل کا خدا چھوڑ کر اور کوئی خدا نہیں اور اب میں مانتا ہوں
اب مانا تو کیا مانا اور اس سے پہلے تو سرکشی کرتا اور فساد پھیلاتا رہا۔

آخر میں میں ایک ریمارک سلام کے متعلق اور کرنا چاہتا ہوں کہ جس طرح فوج میں پرول ہوتا ہے
جس سے اپنے لشکر کا آدمی پہچانا جاتا ہے۔ اسی طرح اسلامی شعار ہے "السلام علیکم" یا "سلام علیکم"
مگر بڑے افسوس کی بات ہے کہ مسلمان اس شعار کو ترک کرتے چلے جاتے ہیں۔ میں انگریزی داں مسلمانوں کو
دیکھتا ہوں کہ وہ یا فقط جنبش سر سے کام لیتے ہیں یا ہاتھ کے اشارے سے۔ یا وہی انگریزی سلام کہ سلام
کا بھی کام دیتا ہے۔ اور سرسری طور سے وقت بھی بتاتا ہے۔ گڈ مارننگ (صبح کا سلام) گڈ نون (دوپہر کا
سلام) گڈ آفٹر نون (تیسرے پہر کا سلام) گڈ ایوننگ (شام کا سلام) گڈ نائٹ (رات کا سلام) عجب
نہیں کہ جوں جوں زمانہ ترقی کرے آیندہ گھڑی اور گھنٹے کی سوئیوں کی طرح بقید گھنٹہ و منٹ ٹھیک وقت
بتانے لگے۔ گڈ سکس او کلاک پی ام (شام کے چھ بجے کا سلام) گڈ ہاف پاسٹ۔ یا کوارٹر ٹو سکس پی ام

مسلمان سب ہم[۵۱] دم و ہم قدم[۵۲] ہیں / ہمیں مل کے تم ہو تمھیں یاں کے ہم ہیں

خدا و رسولِ خدا ایک سب کا / نہیں فرق[۵۳] یاں کچھ عجم اور عرب کا

وہ ختم الرسل[۵۴] وہ خداداں اُمّی / بمالی و آلی بنفسی و اُمّی

اُسی دین کی کرتے سیوا ہیں ہم بھی / اُسی شخص کے نام لیوا ہیں ہم بھی

(صبح کے ساڑھے چھ یا پونے چھ بجے کا سلام) وقس علی ہذا تو اُس وقت سلام اچھا خاصہ ریلوے ٹائم ٹیبل ہو جائے گا۔ اسے کاش ہمارے دلّی واپس جانے سے پہلے ہو کہ ہمارے بھی کام آئے۔ بشرطیکہ وا یا (براہ) کا لگا بھی ہو۔ یہ صرف انگریزی ہی چٹکار نہیں ہی مدتوں سے مسلمانوں نے سلام کی مٹی پلید کر رکھی ہے بادشاہوں امیروں کا تو نام نہ لو کہ وہ اسلام سے مستثنیٰ ہیں یعنی خارج چھوٹوں کی طرف سے آداب[۱] دن کی طرف سے دعا، لکھنؤ کے مجرے۔ کورنش تسلیمات۔ بندگیاں۔ زنان خانوں میں ٹھنڈی سہاگن سائیں جیئے بچے جئیں بس ایک سلام ہی خیال کر لو کہ مسلمان کہاں تک اپنے مذہبی رسومات کے پابند ہیں سو بھی مجھ کو تو ایسے سلاموں کی عادت نہیں۔ نہ میں ان کو پسند کرتا ہوں میں نے تو سیدھا سادہ مسلمانوں کا سا سلام کھینچ مارا ہی لگا تو تیر نہیں تکا۔ ۱۲

[۵۱] ہم دم اس اعتبار سے کہ سب کلمہ گو ہیں [۵۲] ہم قدم اس لیئے کہ ایک شریعت پر چلتے ہیں ۱۲ [۵۳] اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہی یَا اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ اے لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کر کے تم کو جتھوں اور برادریوں میں بانٹ دیا تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت دار وہ ہی جو زیادہ پرہیزگار ہی۔ اور بعینہٖ یہی مضمون ہی حدیث کا یَا اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّ رَبَّکُمْ لَوَاحِدٌ وَّ اِنَّ اَبَاکُمْ لَوَاحِدٌ وَّ لَا فَضْلَ لِلْعَجَمِ عَلَی الْعَرَبِ وَلَا لِلْاَسْوَدِ عَلَی الْاَحْمَرِ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ لوگو تمھارا پروردگار ایک۔ تمھارا مورث اعلیٰ (آدم) ایک۔ تو عرب کو عجم پر اور کالے رنگ کے آدمی (عرب) کو لال رنگ کے آدمی (رومی) پر کوئی برتری نہیں۔ خواجہ حافظ شیراز کہتے ہیں ؎

حسن ز بصرہ بلال از حبش صہیب از روم	ز خاک مکہ ابوجہل این چہ بوالعجبی ست

۵۴۔ اُمّی۔ اس شعر کے دونوں مصرعوں میں لفظ اُمّی واقع ہوا ہے۔ پہلے سے مراد ہے اَن اجوکیٹڈ (تعلیم نایافتہ) اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ (وہ جو پیروی کرتے ہیں اَن پڑھ پیغمبر کی جس کے مذکور کو پاتے ہیں اپنے پاس لکھا ہوا توراۃ اور انجیل میں) بجائے اس کے کہ اَن اجوکیٹڈ ہونا پیغمبر صاحب کے لئے موجب کسر شان ہو وہ اُن کے معجزات باہرہ میں سے، ایک عظیم الشان معجزہ تھا کہ نہ پڑھے نہ لکھے اور قرآن جیسی لاجواب کتاب بانی لکھوادی[۵]

یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست	کتب خانۂ چند ملت بشست

جن دنوں قرآن نازل ہوا ہے وہ ایک وقت تھا کہ عربی لٹریچر (علم ادب یا زبان دانی) کے جوبن پر ایک بہار آرہی تھی۔ لوگوں میں یہ مادہ ایسا ڈولپ (برسر ترقی) ہوا تھا کہ کیا شہری کیا دیہاتی۔ کیا مرد کیا عورت۔ کوئی متنفس مذاقِ شعری سے خالی نہ تھا۔ بدیہہ گوئی حاضر جوابی اُن کے نزدیک ایک بات تھی۔ رنج اور خوشی صلح اور جنگ۔ سفر اور اقامت کوئی حالت خیال میں نہیں آسکتی جس میں اُن وقتوں کے اشعار کے انبار نہ ہوں غرض اُن کی زندگی کے جہاں اور طرز تھے ایک طرز ضروری شاعری بھی تھی۔ کسی قوم نے شاعری کو ایسا اوڑھنا بچھونا نہیں بنایا جیسا اُن وقتوں کے عرب نے فضائل انسانی اور بھی تھے جیسے شجاعت۔ سخاوت۔ مہمان نوازی۔ شرافت۔ حُسن صورت وغیرہ۔ مگر شاعری کو ایک لگا نہیں کھا تا تھا۔ شاعری نے اُن دنوں ایسی حکومت کرلی کہ شاعر لوگ قبیلوں کو آپس میں لڑا مارتے تھے۔ جیسے بادشاہ بادشاہ ملکوں کو۔ اور پھر عرب نے اِس وقت تک سویلزیشن میں کچھ ترقی کی نہ تھی۔ پس اِن کی شاعری نیچرل تھی بلا تصنع۔ آمد تھی نہ آورد۔ اور اسی لیے مؤثر بھی بڑے ہی درجے کی تھی۔ اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا (بعض بیان تو واقع میں جادو کا اثر رکھتا ہے) اور خیر یہ تو زبان عربی کے عروج کا زمانہ تھا۔ یوں بھی عرب کو اپنی بولی پر بلا کا ناز تھا۔ اور اُن کی بولی ناز کے قابل ہے بھی کہ اُنھوں نے اپنے سوائے

دوسروں کا نام رکھا تھا عجم یعنی گونگے یا جن کو بات کرنے کا سلیقہ نہیں۔ ایسے لوگوں سے کیسی ہی اچھی بات کہی جاتی مگر وہ ہوتی حیلہ فصاحت سے عاری تو اُن کے کان پر جوں بھی تو نہ چلتی اور وہ اُس کو اِس کان سنتے اور اُس کان اُڑا دیتے۔ پس ضرور تھا کہ اُن کو اُسی داؤ سے پچھاڑا جائے۔ جو داؤ اُن کو خوب رواں تھا یعنی فصاحت۔ قرآن نازل ہونا شروع ہوا تو جو اپنے اپنے وقت کے سرسید اور نواب محسن الملک اور سید محمود اور حالی اور شبلی تھے سب کے چھکے چھوٹ گئے کہ نری دین داری خداپرستی اخلاق اور نیکی کے مضامین اور اس خوبی کے ساتھ ادا کیے جائیں کہ دلوں کو موہ لیں یہ بھید کیا ہی؟ سمجھ تو گئے تھے مگر غرور اور حسد اقرار حق کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا (ان کے دل تو مان گئے تھے مگر زبردستی اور ہیکڑی سے اُنھوں نے خدا کے کلام سے انکار کیا) غضب خدا کا ابوطالب جیسے شخص رسول خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حقیقی چچا جنھوں نے پیغمبر صاحب کو پالا پرورش کیا اور وہ اُنھیں کے کنارِ عاطفت میں بڑے ہوئے اور اُن ہی کی مدد تھی کہ پیغمبر صاحب مکے میں رہنے بھی پائے۔ پیغمبر صاحب کا رتی رتی حال اُن کو معلوم۔ بستر مرگ پر پڑے ہیں اور پیغمبر صاحب منت کر رہے ہیں کہ چچا جان ایک بار میرے کان میں کہہ دیجئے کہ خدا ایک ہی تو مجکو خدا سے آپ کی مغفرت کے لیے عرض و معروض کرنے کی گنجایش ہو۔ اُدھر ابوجہل بیٹھا بہکا رہا ہی کہ بس یہی وقت آزمایش استقلال کا ہی۔ آخر کار ابو طالب نے پیغمبر صاحب سے کہا بھتیجے کہتے تو سچ ہو مگر لوگ خیال کریں گے کہ بڈھا مرنے سے ڈر گیا۔ سو میں تو اپنے باپ کے مذہب پر مرتا ہوں۔ ابوطالب کا یہ ایک سپاہیانہ اکھڑپن تھا ورنہ اگر اُن کا دل مسلمان نہ تھا تو دنیا میں کوئی دل مسلمان ہو نہیں سکتا۔ بہر کیف قرآن کی فصاحت و بلاغت سے تو انکار ہو ہی نہیں سکتا تھا اور پیغمبر صاحب کا اپنا سرمایہ علمی سب کو معلوم کہ حضرت کی طبیعت تک ناموزوں واقع ہوئی تھی اور لکھنے پڑھنے کا حال یہ کہ وحی نازل ہوتی تو کاتب کی ڈھونڈیا پڑتی۔ حدیبیہ کا صلح نامہ لکھا جانے لگا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اُس کے کاتب تھے

انھوں نے لکھا ھٰذَا مَا صَالَحَ عَلَیْہِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ (یعنی وہ شرائط ہیں جن پر اللہ کے رسول محمدؐ
نے صلح کی) اس پر فریق ثانی نے اعتراض کیا کہ محمد رسول اللہ کیسا۔ اگر ہم کو آپ کی رسالت تسلیم ہوتی
تو ہم آپ سے لڑتے ہی کیوں۔ اور خانہ کعبہ کے طواف سے روکتے ہی کس لئے۔ محمد رسول اللہ کی جگہ
محمدؐ بن عبداللہ لکھئے آں حضرت تو جہاں تک بن پڑتا تھا لڑائی کا پہلو بچا جاتے تھے۔ حضرت علیؓ کو
ارشاد ہوا کہ رسول اللہ کے لفظ کو مٹا دو حضرت علیؓ نے عرض کیا وَاللّٰہِ لَا اَمْحُوْكَ اَبَدًا (خدا کی قسم
میں ہرگز آپ کے نام کو نہیں مٹاؤں گا) قریب تھا کہ صلح کھنڈ ہو جائے۔ آنحضرت نے طرفین کے
اصرار کو دیکھ کر حضرت علیؓ سے پوچھا اچھا وہ لفظ کس جگہ ہے مجھ کو بتاؤ۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے انگلی رکھ دی
آپ نے خود اس لفظ کو مٹا دیا یعنی اتنا نہیں جان سکتے تھے کہ رسول اللہ کہاں لکھا ہے پس کفار اعتراض
تو بہتیرے کرتے تھے مگر کوئی جھٹلانے والا نہ تھا۔ شاعر کہتے ہیں تو ناموزونی طبیعت اس کا جواب دندان شکن
دے رہی ہے جھوٹا بتاتے ہیں تو یہ شخص جھوٹے پر لعنت کرتا ہے اَلَا لَعْنَةُ اللّٰہِ عَلَی الْکَاذِبِیْنَ اور
کہتا ہے کہ جو شخص جھوٹ بنائے گا قیامت کے دن اس کا کالا منہ ہوگا۔ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ تَرَی الَّذِیْنَ کَذَبُوْا
عَلَی اللّٰہِ وُجُوْھُھُمْ مُّسْوَدَّةٌ اور جو غلط دعویٰ نبوت کا کرے گا مرتے وقت بڑی مشکل سے اس کی
جان نکلے گی وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْہِ شَیْءٌ
وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ وَلَوْ تَرٰۤی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِکَةُ
بَاسِطُوْۤا اَیْدِیْھِمْ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَکُمْ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْھُوْنِ بِمَا کُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰہِ
غَیْرَ الْحَقِّ وَکُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِہٖ تَسْتَکْبِرُوْنَ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰی کَمَا خَلَقْنٰکُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ
وَّتَرَکْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰکُمْ وَرَآءَ ظُھُوْرِکُمْ وَمَا نَرٰی مَعَکُمْ شُفَعَآءَکُمُ الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّھُمْ فِیْکُمْ
شُرَکٰٓؤُا لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَیْنَکُمْ وَضَلَّ عَنْکُمْ مَّا کُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ۔ یہ ایسی سخت قسمیں ہیں کیسا
ہی آوارہ اور بے باک آدمی ہو ایسی قسموں کے ساتھ جھوٹ بولنے پر جرأت نہیں کر سکتا۔ مجنون خیال

کرتے ہیں تو اس میں کوئی بات دیوانگی کی پائی نہیں جاتی۔ اس کی رفتار گفتار کردار کوئی چیز بھی تو باولوں کی سی نہیں۔ قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ غرض جتنی تہمتیں تھیں۔ پھبتیاں تھیں مگر بونگی۔ اور جو کہتے تھے اُس کا ٹکا سا جواب مل جاتا تھا۔ مثلاً۔ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ (ہم کو یہ معلوم ہی کہ یہ لوگ کہتے ہیں اس کو کوئی آدمی سکھا جاتا ہی سو جس کی نسبت شبہہ کرتے ہیں وہ عجم کا رہنے والا ہی اور قرآن ٹھیر افصیح عربی تو ان کا شبہہ بے اصل محض ہی) یہاں لفظ لسان سے بھی ظاہر ہوتا ہی کہ استدلال کا سارا زور قرآن کی فصاحت لفظی پر تھا۔ بعضے کہتے تھے کیوں جی قرآن سارے کا سارا ایک دم سے کیوں نہیں اُترا۔ جواب ملتا تھا۔ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ تاکہ پیغمبر کے دل میں جو ارشاد الٰہی ہو نقش ہوتا چلا جائے اور لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ اور تاکہ پیغمبر لوگوں کو آہستہ آہستہ تھوڑا تھوڑا پڑھ کر سنائیں۔ خیر کفار تو اَلْغَرِيْقُ يَتَشَبَّثُ بِالْحَشِيْشِ (ڈوبتا تنکے کا سہارا پکڑا کرتا ہی) ایسے ایسے بودے پھسپھسے احتمالات پیش کرتے تھے اور ادھر تحدّی پر تحدی ہو رہی تھی فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ (بنائی ہوئی دس سورتیں لاؤ) فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ (بات کے پورے ہو تو اس جیسی ایک سورت پیش کرو اور اللہ کو چھوڑ کر اپنے مددگاروں کو بھی اپنی مدد کے لئے بلا لو۔ اور اگر تم نہ کر سکو اور نہیں کر سکو گے تو دوزخ کی آگ سے ڈرو جو بلا امتیاز آدمی اور پتھر سب کو جلا کر بھسم کر دے گی) قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا (اے پیغمبر ان لوگوں سے کہہ دو کہ اگر انسان اور جنات اس بات پر یک دل ہوں کہ قرآن جیسا کلام بنا لائیں تو ہرگز بنا کر نہ لا سکیں گے اگرچہ ایک دوسرے کی مدد پر کمر بستہ ہی کیوں نہ ہوں) ایک بات کفار یہ بھی کہا کرتے تھے

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ (اور جب ان لوگوں کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو کہتے ہیں ہاں جی یہاں ہم نے سُنا اور چاہیں تو ہم بھی ایسا کہہ لیں) اور ابھی تک اِس کا اعادہ ہوا کرتا ہی مگر چودہ سو برس سے تو وہ مشیّت کبھی قوت سے فعل میں نہیں آئی۔ قرآن کی وجہ سے خون کی ندیاں دنیا میں بہہ گئی ہیں اور ہزار ہا کتابیں اسلام کی تردید میں لکھی جا چکیں اور لکھی جا رہی ہیں سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک صفحہ آدھا صفحہ یعنی سوتین ایک سورت بنا کر مشتہر کر دی ہوتی کہ لو قرآن کا جواب۔ دنیا آپ انصاف کر لیتی اگر تمام انبیاء علیہم السلام کے معجزات کی لشمول ہمارے پیغمبر صاحب کے معجزات کے جہاں تک کتابوں سے تحقیقات ہو سکے ایک فہرست بنائی جائے تو کوئی معجزہ قرآن کی فصاحت کے معجزہ کو نہیں پاوے گا۔ کیوں کہ تمام معجزات واقعات تاریخی ہو گئے ہیں اور سوائے شہادت در شہادت کے کوئی ثبوت اُن کے وقوع کا ہم نہیں پہنچ سکتا۔ مگر قرآن ایسا معجزہ مستمر ہی کہ ہمہ وقت تازہ ہی اب بھی جن کو میرے جتنی بھی عربی آتی ہی قرآن کے معجز ہونے میں شک و شبہہ کر نہیں سکتے لیکن افسوس ہی کہ خود مسلمان جوں کہ عربی نہیں جانتے اِس نعمت۔ اِسکا فی ذریعۂ اطمینان سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔ معجزہ بے قدر نہیں ہی مگر اُنھوں نے عربی نہ جاننے کی وجہ سے اپنے حق میں بے قدر کر رکھا ہی۔ ایک طبیب حاذق نے اشتہار دیا کہ میرے پاس ایک ایسا اچھا سرمہ ہی کہ کور مادر زاد کو بینا کرتا ہی ہزاروں کور مادر زاد گئے اور سرمہ کی برکت سے بینا ہو کر چلے آے۔ ایک شخص جس کی دونوں آنکھیں کٹورے کی طرح کھُلی ہیں سرمہ کی تاثیر میں شک کرتا ہی تو اُس کو اِس کے سوائے کیا جواب دیا جا سکتا ہی کہ یا کور مادر زاد بن کر آ اور سرمے کی تاثیر کو آزمایا جو کور مادر زاد سرمے سے اچھے ہوئے ہیں اُن سے پوچھ۔ معجزۂ فصاحت خود بڑی قدر و وقعت کا تھا۔ مگر اس کی قدر و وقعت کو اضعافاً مضاعفہ بڑھا دیا پیغمبر صاحب کے اُمّی ہونے نے مَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ (اے پیغمبر تم اِس سے پہلے نہ کتاب پڑھتے رہے ہو اور نہ تم کو

ہمارا تمھارا ہی قرآن واحد	ہی اسلام واحد اور ایمان واحد
وہ[۵۱] مکے کا گھر قبلہ مشترک ہی	بھلا ایک ہونے میں کچھ اب بھی شک ہی
ہمیں اجنبی نیچری غیر سمجھو[۵۲]	ولیکن غضب ہی اگر غیر سمجھو

لکھنا آتا ہی کہ جو لوگ تم کو جھٹلاتے ہیں جھٹلاتے ہی بھلے لگتے یہ تو اللہ کی کھلی ہوئی نشانیاں ہیں اور جاننے والوں کے دلوں میں ان کا اثر پڑتا ہی اور ہیکڑی کے سوائے کوئی اور وجہ ہماری آیتوں سے انکار کرنے کی نہیں) غرض شعر کے پہلے مصرع میں جو اُمّیؐ ہی اُس سے یہہ اُمّی مراد ہی اور دوسرے مصرع کا اُمی بِاَبِیْ اَنْتَ وَ اُمِّیْ (میرے ماباپ آپ پر قربان) کا اُمّی ہی ۱۲

۵۱ قرآن پاک میں ہی۔ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبَارَکًا وَّھُدًی لِّلْعَالَمِیْنَ۔ (پہلا گھر جو اس غرض سے بنایا گیا کہ لوگ سچے ایک خدا کی بندگی کریں وہ ہی جو مکے میں واقع ہی اُس گھر میں اللہ کی دی ہوئی برکت اور ہدایت ہی اہل جہاں کے لیے) غرض شعر میں مکے کے گھر سے خانہ کعبہ مراد ہی۔ زَادَھَا اللّٰہُ شَرَفًا۔ ۱۲

۵۲ مگر نیچری سمجھو تو قرآن کی اس آیت کا خیال رکھنا یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰی اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْھُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰی اَنْ یَّکُنَّ خَیْرًا مِّنْھُنَّ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ وَمَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ (اے مسلمانو کوئی قوم کسی قوم کی ہنسی نہ اُڑائے عجب نہیں جن کی ہنسی اُڑائی جاتی ہی ہنسی اُڑانے والوں سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں کی ہنسی اُڑائیں عجب نہیں جن کی ہنسی اُڑائی جاتی ہی وہ ہنسی اُڑانے والیوں سے بہتر ہوں۔ اور آپس میں کسی کی عیب جوئی نہ کرو اور لوگوں کو بُرے لقب سے پکار و مت ایمان لائے بعد بُرے کام کا نام بھی بُرا۔ اور جو باز نہ آئے گا تو اللہ کی نظر میں وہی ظالم ٹھیرے گا) ۱۲

نہ ہو مجتمع گر اُمومت اُبوّت	بدستور قایم ہی دینی اُخوّت
تعلق نہ ہوں یا بہت ہوں کہ تھوڑے	پھ رشتہ نہ ٹوٹے کسی طرح توڑے
عزیزوں[۵] سے بڑھ کر پرایا ہوا ہے	یھ ناطہ خدا کا لگایا ہوا ہے

[۵] اس سے میری مراد ہی اشارہ کرنا طرف اُس مدارات کے جو انصار نے مہاجرین کے ساتھ کی۔ مہاجرین اور انصار دو خطاب ہیں جو شروع شروع کے مسلمانوں کو ملے تھے اسلام تھا ضعیف اور مسلمان معدودے چند۔ کفار قریش مسلمانوں کو مذہبی مخالفت کی وجہ سے ستاتے اور ایذائیں دیتے تھے۔ پیغمبر صاحب کو اپنی ہی حفاظت کی مشکل پڑی تھی اور نجاشی حبشہ کا بادشاہ تھا تو عیسائی مگر وہ رعایا کے دین و مذہب سے متعرض نہیں ہوتا تھا جیسے ہماری برٹش گورنمنٹ اور یہ جو محرم و سہرے وغیرہ مذہبی تیوہاروں میں حکام کی مداخلت دیکھتے ہو یہ سب کچھ ہماری ہی کرتوت ہی کہ ہم آپس میں فسادات کرتے اور چاروناچار القاے امن کے لیئے سرکار کو دست اندازی کرنی پڑتی ہی اور مجکو وہ دن دکھائی دے رہا ہی کہ عجب نہیں جمعہ و جماعت کے لیئے بھی سرکار کی اجازت درکار ہونے لگے تو یہ ہمارا قصور ہوگا نہ سرکار کا۔ بہرکیف نجاشی بادشاہ حبشہ رعایا کے دین و مذہب سے متعرض نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ پیغمبر صاحب نے چند مسلمانوں کو اجازت دی کہ نجاشی کی عملداری میں چلے جائیں۔ جن مسلمانوں نے پہلے پہل ہجرت کی اُن میں پیغمبر صاحب کی صاحبزادی اور اُن کے شوہر حضرت عثمان بھی تھے۔ اِن لوگوں نے آرام پایا تو دوسری بار بہت سے مسلمان نجاشی کی عملداری میں جا بسے اور یھ دوسری ہجرت تھی۔ اُدھر مکّے میں قریش کے وہی زور و ظلم چلے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ پیغمبر صاحب کے قتل کے مشورے ہونے لگے۔ وَاِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْکَ اَوْ یَقْتُلُوْکَ اَوْ یُخْرِجُوْکَ (اور ایک وقت وہ بھی تھا کہ جو لوگ مذہبِ اسلام سے منحرف تھے ایسی تدبیروں میں لگے تھے کہ اے پیغمبر تم کو قید کر دیں یا مار ڈالیں یا دیس سے نکال دیں) اور انجام یہ ہوا کہ خود پیغمبر صاحب مکہ چھوڑ مدینے چلے گئے

اور یہ تیسری ہجرت ہوئی جس سے ہجری سنہ چلا۔ اگر کبھی موقع ملا تو میں ہجرت کا بیان مسلسل کروں گا کہ وہ بڑا ہی موثر اور بڑا ہی دلچسپ ہی۔ پیغمبر صاحب کا مدینے میں آنا تھا کہ سب مسلمان اپنی اپنی جگہ سے مدینے میں آ سٹے۔ اور یہ لوگ مہاجرین کہلائے۔ ہجرت نبوی سے پہلے مدینے میں اسلام جڑ پکڑ چکا تھا۔ ان لوگوں نے مہاجرین کی ایسی مدارات کی کہ کیا کوئی عزیز اپنے کسی عزیز کی کرے گا اُس وقت سارا عرب مسلمانوں کا جانی دشمن تھا۔ ایسے نازک وقت میں مسلمانوں کو پناہ دینا اہل مدینے کے عقیدے کی مضبوطی کی بڑی مضبوط دلیل ہی۔ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ۔ (اور وہ دن یاد کرو کہ تم تھوڑے تھے اور ملک میں کمزور سمجھے جاتے تھے اور اس کا ڈر لگا رہتا تھا کہ کہیں لوگ تم کو اُچک نہ لے جائیں تو خدا نے تمہارا ٹھکانا کر دیا اور اپنی مدد سے تمہاری تائید کی اور تم کو اچھی روزی دی) مہاجرین بے سر و سامان تو تھے ہی پیغمبر صاحب نے مہاجرین اور انصار میں بھائی چارہ کرا دیا تھا انصار نے اس مواخات کو جس عمدگی کے ساتھ نباہا اُس کی بہت سی حکایتیں کتب سیر و احادیث میں منقول ہیں۔ مثلاً یہ کہ ابتدائے آمد مہاجرین سے پیغمبر صاحب پر برابر انصار کا یہ تقاضا رہا کہ ہمارے مسلمان بھائی مہاجرین بے سرو سامان ہیں۔ اور ہم لوگ باغات رکھتے ہیں آپ ان باغات میں ہم کو اور مہاجرین بھائیوں کو برابر کا شریک کر دیجئے آن حضرت نے اس کو قبول نہیں کیا۔ مہاجرین و انصار میں مواخات ہوئی تو عبدالرحمٰن بن عوف اور سعد بن ربیع بھائی بھائی بنے۔ سعد نے عبدالرحمٰن سے کہا کہ تم ٹھیرے بے کس و کو اور بے مقدور اور مجکو خدا نے مال بھی دیا ہی اور ایک چھوڑ دو دو بیبیاں۔ ایسا کرو کہ مال میرا تمہارا آدھا آدھا اور جس بی بی کو کہو میں تمہارے لیئے اُس کو طلاق دے دوں۔ عبدالرحمٰن نے کہا کہ یہ سب تمہاری مہربانی ہی۔ مجکو صرف بازار بتا دو۔ میں آپ اپنی سب حالت درست کروں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

ایک انصاری کی وہ حکایت مجھ کو کبھی بھولتی ہی نہیں کہ پیغمبر صاحب کے پاس کوئی مہمان آیا

یہ رشتہ جو اللہ صاحب نے جوڑا
وطن[۱] چھوٹے اور مال واسباب چھوٹے
قرابت یہ تھی کس ثنا و صفت کی
اسی نے جماعت نئی اک بنائی

تو لوگوں نے اِس کے لیئے سب کو چھوڑا
زن و خویش و فرزند و احباب چھوٹے
کہ بُنیاد تھی دنیوی سلطنت کی
لگی پھرنے دنیا میں اُن کی دہائی

آپ نے اپنے گھروں میں دریافت کیا تو معلوم ہوا مہمان کے لیئے کچھ موجود نہیں آخر ایک انصاری اُس کو لے گیا۔
لے جاتے تو لے گیا مگر اُس کے ہاں بھی صرف بچوں ہی کا آسرا تھا اور بس۔ کمال تو یہ کیا کہ بچوں کو بہلا
پھسلا کر سُلا دیا۔ اور چراغ کو کر دیا ٹھنڈا۔ مہمان کے ساتھ آپ خالی مُنہ چلاتا رہا۔ اور مہمان کیلا کھایا کیا اس طرح ایک مسلمان بھائی
دوسرے مسلمان بھائی کے کام آتا تھا تب کہیں جا کر دین قایم ہوا تھا اگر کہیں خدانخواستہ ہمارے جیسی آپا دہاپی ہوتی تو
آج اسلام کا کوئی نام بھی نہ جانتا۔ پیغمبر صاحب نے جو مہاجرین اور انصار کا ایسا ربط ضبط دیکھا تو مہاجرین
کو انصار کا وارث ٹھیرا دیا۔ یعنی کوئی انصاری مرتا تو اُس کا بھائی مہاجر اُس کے عزیزوں کی طرح اُس کا
ترکہ پاتا۔ جب مہاجرین کے پر پرزے درست ہو گئے تب یہ آیت نازل ہوئی وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ
اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهَاجِرِيْنَ اِلَّا اَنْ تَفْعَلُوْا اِلٰى اَوْلِيَآئِكُمْ مَعْرُوْفًا
(مسلمانوں اور مہاجروں کے مقابلے میں ناطے والے اللہ کی کتاب میں ایک دوسرے کے حق دار ہیں مگر
یہ کہ اپنے دوستوں کے ساتھ تم سلوک کرنا چاہو) اس کے بعد سے وراثت مواخات موقوف ہوئی۔ اور شعر
میں یہ جو کہا ہی۔ یہ ناطہ خدا کا لگایا ہوا ہی۔ تو اس کی سند ہی وہی مواخات جو پیغمبر صاحب نے انصار اور مہاجرین
میں کرا دی تھی اور قرآن میں بھی ارشاد ہی اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (مسلمان آپس میں بھائی بھائی ۱۲۔

[۱] لِلْفُقَرَآءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا
مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ (مال غنیمت میں سے
رسول کا حصّہ اُن محتاجوں کا ہی جو مہاجرین کہلاتے ہیں جو اپنے وطن اور مال سے بے دخل کر دیئے گئے

گدا[۵] تھے مگر بادشاہ ہو گئے وہ | تھے بندے ولیکن خدا ہو گئے وہ

اُخوّت پہ موقوف ہیں کام سارے | ہم آئے ہیں تم تک اسی کے سہارے

مسلمانوں کی جیسی حالت ہی ابتر | لکھے جا چکے اُس کے دفتر کے دفتر

نہ محتاج اظہار و ذکر و بیان ہی | کہ جو کچھ حقیقت ہی سب پر عیاں ہی

ذرا دیکھیے کیا سے کیا ہو گئے ہم | سبب کیا؟ کہ باہم جدا ہو گئے ہم

سمجھتے بھی ہو کچھ کہ کیا ہی اُخوّت | یہی ہی یہی ہی یہی اصل قوت

یہی بامِ ترقی پہ اُڑنے کا پر ہی | یہی فوج و لشکر یہی زور و زر ہی

یہی قوم کی جان روحِ رواں ہی | یہی جسمِ قومی کی تاب و تواں ہی

الٰہی ہمیں بھی اُخوّت عطا کر | دکھا اپنی قدرت سے مُردے جِلا کر

خدا نے رسولِ عرب کو جو بھیجا | لگا پکنے کفار کے سر میں بھیجا

کہ ہم میں سے بعضے بڑے آدمی ہیں | مگر وہ رسالت کے شایاں نہیں ہیں؟

خدا اگر کسی کو پیمبر بناتا | تو جبریل اِن میں کسی پاس آتا

جب اس پاس کچھ مال و دولت نہیں ہی | تو اس کی رسالت رسالت نہیں ہی[۶]

ہیں اور اللہ کے فضل اور اس کی رضامندی کے طلبگار ہیں اور اللہ اور اُس کے رسول کی مدد کرتے ہیں اور یہی لوگ ہیں سچے مسلمان) ۱۲ نوٹ صفحہ ہذا [۵] وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا (جو لوگ تم میں سے ایمان لے آئے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں اللہ نے اُن سے وعدہ کر لیا ہی کہ جس طرح اگلے لوگوں کو ملک کی خلافت یعنی سلطنت دی تھی اِن کو بھی سلطنت دے گا اور جس دین کو اُن کے حق میں پسند کیا ہی اس کو بھی ثبات دے گا اور اِن کے ڈر کو اطمینان سے تبدیل کرے گا) ۱۲ [۶] پیغمبر صاحب پر کافر اعتراض تو بہتیرے ہی

خدا نے کہا تم ہو شدت سے احمق | نہیں تم کو فہمید سے بہرہ مطلق
رسالت نہیں ہو مگر فضل باری | یہ انعام ہو محض رحمت ہماری
اِسے دیتے ہیں اہل پاتے ہیں جس کو | ذرا تم تو رسیان سے دور رکھسکو
ہمارے یہاں بخل و خسّت نہیں ہو | یہ ہر شخص شایانِ منت نہیں ہو
بنی نوع انسان ہیں سب برابر | مگر کوئی ہیرا ہو اور کوئی کنکر
برستا ہی مینھ سارے روئے زمین پہ | کہیں پھول اُگتے ہیں کانٹے کہیں پہ

ہی کیا کرتے تھے مگر جواب بھی ایسے سنتے تھے کہ اُن کا جی ہی جانتا ہوگا منجملہ اعتراضات کے اس مقام پہ دو اعتراضوں کی طرف اشارہ ہی۔ ایک تو یہ کہ جزیرۂ عرب میں مکہ اور مدینہ یہی دو شہر مشہور ہیں اور اِن میں ہر طرح کے آدمی بستے ہیں۔ سبب کیا کہ خدا نے پیغمبری کے لیئے ان کو اختیار کیا اور بڑی بڑی لمبی چوڑی عزت والوں کو محروم رکھا۔ لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ دوسرا اعتراض گستاخی میں اس سے بھی بڑھا ہوا تھا کہ جو فضیلت پیغمبر صاحب کو عطا ہوئی ہی ہم کو بھی ملے تو ہم ایمان لائیں۔ مطلب یہ کہ ہم پر بھی وحی نازل ہو لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَاۤ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ۔ سو جس طرح نظم میں دونوں اعتراض ایک جگہ بیان ہوئے اسی طرح دونوں کے جواب ایک ساتھ مذکور ہیں۔ پہلے اعتراض کا جواب ہی۔ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ۔ (کیا لگے اللہ کی رحمتوں کو آپ تقسیم کرنے) اور دوسرے اعتراض کا جواب ہی۔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ اللہ کو خوب معلوم ہی کیسی جگہ رسالت کو ودیعت رکھتا ہی ہم دنیا کی برکتوں اور رحمتوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ بھی خدا کے علم و ارادے سے لوگوں میں تقسیم ہوئی ہیں۔ ورنہ اپنی بہتری کے لیئے کون کوشش نہیں کرتا تو منصبِ رسالت بدرجۂ اولیٰ ۱۲ ۵؎ شیخ سعدی فرماتے ہیں ۵ باران کہ در لطافتِ طبعش خلاف نیست در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس ۔ فیضانِ رحمت آلٰہی یکسان ہی۔ مگر ہر ایک کا مادہ قابل مختلف ۱۲

ہر اک[۱] امر طے ہو چکا ہے ازل میں | کہ کیا کس کو کرنا ہے دار العمل میں
دکھاتا ہے قدرت کے اپنی نمونے | مگر بھید پایا نہ اُس کا کسو نے
بد و نیک[۲] دونوں کا دیکھو تماشا | وہ یہ معمّا کبھی حل ہو جاتا!
جو بالفرض بد ہے تمیں اُس سے کد کیا | وگر نیک ہے ہم کو اُس کا حسد کیا
بہر کیف اُسی کی تھی اک شان یہ بھی | کیا لطف و انعام و احسان یہ بھی
کہ جب حد نہایت کو پہونچی تب ہی | بڑھا مدّ دریائے رحمِ الٰہی
خدا نے کیا ہم میں اک شخص پیدا | مسلمانوں کی قوم کا دل سے شیدا
ہوا اسلام کا بول بالا کسی ڈھب | یہی اُس کا دین ہے یہی اُس کا مذہب

۱ - حدیث شریف میں آیا ہے اَلسَّعِیْدُ مَنْ سَعِدَ فِیْ بَطْنِ اُمِّہٖ وَالشَّقِیُّ مَنْ شَقِیَ فِیْ بَطْنِ اُمِّہٖ یعنی سعادت و شقاوت عالم کون و فساد میں آنے سے پہلے فی علم اللہ مقرر ہو چکتی ہے - اور پھر ہر شخص دنیا میں آکر اُسی کے مطابق عمل کرتا ہے ایک دوسری حدیث اور بھی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی اہل جنت کا سا عمل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اِس میں اور جنّت میں صرف ایک بالشت کا فصل رہ جاتا ہے - مگر چوں کہ اللہ کے علم میں وہ شقی ٹھیر چکا تھا - کوئی گناہ اس سے ایسا سرزد ہوتا ہے کہ انجام کار وہ دوزخی ہو جاتا ہے - اسی طرح ایک آدمی ساری عمر دوزخیوں کے سے کام کرتا ہے اور آخر کار جنتی ہوتا ہے ۱۲ -

۲ - یہ بحث ہے جبر و قدر کی جس میں غور اور خوض کرنے کی سخت ممانعت ہے - اس لیئے کہ اس قسم کی باتیں عقل انسانی سے بالا ہیں اور اِن میں غور کرنا اسرار حکمت آلٰہی میں دخل دینا ہے - خواجہ حافظ کہتے ہیں

گناہ گرچہ نبود اختیار ما حافظ | تو در طریق ادب کوش وگو گناہِ من است

ایک ہندی شاعر کہتا ہے - نا ہُوں نہ کبھن کہن ٹھکرائی ÷ جن کینے لکھ کین بُرائی - یعنی انصاف تو کیا نہیں نری زبردستی کی کہ ابھی ہم سے گناہ سرزد بھی نہ ہوا تھا کہ ہمارے نامۂ اعمال میں لکھا گیا - یہ بڑی خطرناک باتیں

جو ہو حُبِّ قومی میں ہر وقت شاغل
بھلے بے دین ہی یا کہ دیں دار ہی یہ
سعد و مہر پوجے ہیں پھر کسی نے
سخن قوم کا قوم سے ہی سخن ہی
نہ کیوں کر رہے ہر گھڑی دل فسردہ
سُنے ہیں بہت عاشقوں کے فسانے
مگر جب سے سر سید احمد کو دیکھا
محبت بجائے خود شش بد بلا ہی
مناسب[۵۱] طبیعت کے ہوتے ہیں رشتے
بقدر طلب گر خدا اس کو زر دے
مسلمان[۵۲] کلکٹر مسلماں کمشنر

وہ بے چارہ کیا جانے فرض و نوافل
تمھارے ہی کارن دل افگار ہی یہ
مگر کی ہی قومی پرستش اسی نے
اسے جاگتے سوتے بس ایک دھن ہی
کہ ہی عاشقِ قوم اور قوم مردہ
جو عاشق ہو وہ عشق کی قدر جانے
تو سمجھے کہ ہاں عشق ہوتا ہی ایسا
ذرا پوچھیے زالِ قوم ان کی کیا ہی؟
کہ جس طرح کی روح ویسے فرشتے
گورمنٹ کو یہ مسلمان کر دے
مسلمان ہر ایک صیغے میں افسر

ہیں اور تقدیر کے مسئلے میں بحث کرنے سے کفر کا خوف ہی ۱۲ ۵۱ یہ مثل قرآن سے استنباط کی گئی ہی اَلْخَبِیْثَاتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَالْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثَاتِ وَالطَّیِّبَاتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَالطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبَاتِ (ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کے لیئے اور ناپاک مرد ناپاک عورتوں کے لیئے اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لیئے اور پاک مرد پاک عورتوں کے لیئے) اور یہی مطلب ہی کند ہم جنس با جنس پرواز کا حاصل مطلب یہ کہ ممدوح کی طینت پاک تھی تو وہ مسلمانوں کی خیر خواہی کی طرف مائل ہوا۔ ۱۲

۵۲ یہ کچھ تعجب کی بات نہیں ابھی حال میں ایک بنگالی صاحب بردوان کے کمشنر مقرر ہوے ہیں تو اگر مسلمانوں میں لیاقت و قابلیت ہو ان کو بھی عہدہ ہاے جلیلہ مل سکتے ہیں مگر افسوس ہی کہ مسلمانوں کو غیرت نہیں آتی۔ دیکھو صفحہ (۶۷)۔

یہی چیف جسٹس یہی سول جج ہوں | تو کس دھوم سے چل کے ملکے ہیں جج ہوں

خدا نے اسے عقل دی فکر ثاقب | نتائج سمجھنے لگا اور عواقب

تو دیکھا مسلمان بیٹھے ہیں سب میں | مگر آگئے ہیں خدا کے غضب[۱] میں

جگر جل گیا ہو گئے دل کے ٹکڑے | یہ وہ درد ہی جو کرے سل کے ٹکڑے

لگا رونے بالائے سر ہات رکھکر | وہ اور بیٹھتا ہات پر ہات رکھ کر

تفحص کیا کیا ہی؟ کیوں کر رہی؟ کیوں ہی | کہ دنیا میں اسلام خوار و زبوں ہی

بقیہ حاشیہ صفحہ (۶۶)۔ جاتا ہی یار تیغ بکف غیر کی طرف ÷ ای کشتۂ ستم تری غیرت کو کیا ہوا
اِس وقت تمام برٹش انڈیا میں صرف ایک مسلمان ہائی کورٹ بنگالہ کے جج ہیں اور بس۔ بنگال۔ مدراس اور بمبئی تینوں پریزیڈنسیوں میں ایک شریف بھی مسلمان نہیں۔ اور دادا بھائی نوروجی جس مرتبۂ عالی پر پہونچے سب کو معلوم ہے ۱۲۔

[۱] قرآن میں غضب کا لفظ صرف قوم یہود کی نسبت آیا ہی ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَمَا ثُقِفُوا إِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ۔ ان پر لازم کر دی گئی ذلت کہیں بھی ہوں مگر اللہ اور لوگوں کے سہارے سے اور آگئے اللہ کے غضب میں اور لازم کر دی گئی اُن کو خواری) سو یہود کا کیا حال ہی کہ روئے زمین کے ایک چپے پر ان کی سلطنت نہیں جہاں ہیں ذلیل و خوار گویا زمین اِن کو قبول نہیں کرتی اور اس وقت کے مسلمانوں کا حال یہود سے بہت باتوں میں مشابہ ہو گیا ہی اور ہوتا چلا جاتا ہی ویسے ہی مذہبی تعصبات ہیں ویسی ہی بداقبالی ہی۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۔

[۲] اشارہ ہی اس بات کی طرف کہ سید احمد خان نے ولایت سے واپس آکر علی گڈھ محمڈن کالج کھولنے سے پہلے ایک مضمون مشتہر کیا کہ مسلمان انگریزی تعلیم سے کیوں متنفر ہیں اور اس مضمون کے جوابوں پر

کھلی آخرش وجہ پستیِ حالت

زمین بدلی بدلا ہوا آسماں ہی
یہ ریلیں سٹیمر کلیں تار برقی
کوئی روز شاید کہ جاتا ہو خالی
نہ کرتے ہوں اک تازہ ایجاد کوئی
وہی جانور ہیں وہی ہیں صغیریں
سُر چشمۂ آب حیوان پیاسے
گئے وقت شمشیر و تیر و تبر کے
گورنمنٹ کے کالجوں پر نظر کی
یہ ٹھیری کہ کیوں بار منت اُٹھائیں
مگر اپنا کالج بنائیں تو کیسے
مُسلمان کہتے ہیں ہانکے پکارے
یہ تعلیم ہی دین و مذہب کی دشمن

جہالت! جہالت!! جہالت!!! جہالت!!!

زمانہ کی اگلی سی حالت کہاں ہی
بھلا ان کو کیا جانیں ہم لوگ شرقی
کہ یورپ کے لوگوں کے اذہانِ عالی
ہی تم میں بھی ای قوم ناشاد کوئی
مسلمان - اور اپنی پُرانی لکیریں
سبب کیا؟ کہ لڑتے ہیں احمق خدا سے
بس اب دور دورے ہیں علم و ہنر کے
تو بٹیر کی بولے جو پوچھی عمر کی
مسلمان آپ اپنا کالج بنائیں
کہاں پائیں اس کے لئے نقد پیسے
کہ تعلیم کے نام جلتے انگارے
دیا اور بنے نار دوزخ کے ایندھن

انعام تجویز کئے۔ جواب مضمون کے بہت رسالے لوگوں نے لکھے اور آخرِ کار ثابت ہوا کہ مسلمانوں کو ان کے اپنے کالج کی ضرورت ہی ۱۲ ملہ تہی داستان قسمت راچہ سود از رہبرِ کامل ، کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را ۔ ۱۲ ؎ سلسلۂ سخن کے لئے مضمون کو یوں منتظم کر لو کہ جب مسلمانوں کی پستی حالت کی وجہ اِن کی جہالت ثابت ہوئی تو خیال آیا کہ سرکار نے تعلیم کا بڑا بھاری انتظام کر رکھا ہی جگہ جگہ سکول ہیں - کالج ہیں یونیورسٹیاں ہیں غرض سامانِ تعلیم بہتیرا کچھ مہیا ہی - لیکن ان میں ایک نقص ہی جس کو آگے بیان کیا ہی ۱۲ -

جو کالج میں دینے کو سمجھے اکارت ۔ وہ اتنے کا اتنا ہی ہوجائے غارت
جو کہتے ہیں بے سود مطلق ہی کالج ؏ ۔ گرے ایسے بہکانے والوں پہ فالج
وہ دشمن خدا کا وہ دشمن نبی کا ۔ ہمارا تمہارا خود اپنا سبھی کا
غرض اہل اسلام میں ایک یہ ہیں ۔ بدوں کا تو کیا ذکر ہی نیک یہ ہیں
کہاں یہ لیاقت کہ دولت کمائیں ۔ خوشا وقت اُن کے کہ میراث پائیں
پھر آئی بھی گر مفت کی ہاتھ دولت ۔ تو عقل و خرد ہوگئی سر سے رخصت
نہ شرم و حیا ہی نہ غیرت نہ دین ہی ۔ بس اک آپ ہیں اور دیو لعیں ہی
ہوا و ہوس نے جو ڈالے ہیں پھندے ۔ تو بس ہوگئے عیش و عشرت کے بندے
تعلق نہیں ان کو مطلق خدا سے ۔ اگر قوم مٹ جائے ان کی بلا سے
تو ایسوں سے کالج کا قائم کرانا ۔ جوئے شیر کا تھا حقیقت میں لانا
مگر اس نے ہمت۔ خدا نے مدد کی ۔ جلا کی پڑی آگ رشک و حسد کی
فقط عزم صادق کے ہیں یہ نتیجے ۔ کہ آخر مسلمان ریجھے پسیجے
پسیجے ولیکن سسکتے سسکتے ۔ زبان و دہاں تھک گئے بکتے بکتے
سو کالج کی حالت ابھی ڈھانچ کی ہی ۔ بنی کیمیا پر کسر آنچ کی ہے
غضب ہی کہ مسجد پڑی ہی ادھوری ۔ بتاؤ ضروری ہی یا ناضروری
نہ دیوار ہی اور نہ چھت ہی نہ در ہی ۔ وہ کن کا خدا ہی کہ جس کا یہ گھر ہی
نہیں[لہ] کہتے مسجد بنا کر تو دیکھو ۔ پر اپنے گھروں سے ملا کر تو دیکھو

لہ یعنی یوں تو مسجد کے بنانے والوں کو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بشارت دی ہی کہ جو اللہ کے لیے دنیا میں مسجد بنائے اللہ تعالیٰ اُس کے لیے جنت میں ایک گھر بنوا دے تو

یہ مسجد اور اللہ کی شان اونچی ۔ وہی پھیکا پکوان دکان اونچی

ٹھکانا نہیں ہے کہیں بورڈر کا ÷ ۔ وہ بے چارہ نے گھاٹ کا اور نہ گھر کا

بہت سے ہیں تعلیم پانے کے لایق ۔ لکھانے پڑھانے سکھانے کے لایق

وے دسترس اُن کو مطلق نہیں ہی ۔ تو کیا قوم پر اُن کا کچھ حق نہیں ہی

کوئی لے چلو ہم کو کندھے چڑھا کر ۔ کہ ہم تھک گئے نصف منزل پہ آکر

بہت پاؤں پیٹے بہت ہات مارے ۔ بنو خضر بیڑا لگا دو کنارے

لب بام دور اور کمند اپنی چھوٹی ۔ کہاں تک کفایت کرے اک لنگوٹی

بہت آرزوئیں ہیں ارماں بہت ہیں ۔ ابھی ہمکو درکار ساماں بہت ہیں

یہ جی چاہتا ہی کہ کالج ہمارا ۔ ہو تعلیم کا اک چمکتا ستارا

کہ ہم کو ترقی کا رستہ دکھائے ۔ ہمیں اہل یورپ کا ثانی بنائے

دلوں کو خوش و خرّم و شاد کر دے ۔ اس اُجڑے نگر کو پھر آباد کر دے

یہ کھیتی جو مدت سے سوکھی پڑی ہے ۔ لگے لہلہانے یا کھڑی یا پڑی ہی

نہ اس کی سی اعلیٰ عمارت کہیں ہو ۔ جو کالج کی خوبی ہی وہ سب ہمیں ہو

پروفیسر اس کے گرجتے برستے ۔ اگر ڈبل[لہ] پے پر بھی مل جائیں سستے

ہر اک فن میں ہو ان کو کامل بصیرت ۔ ہوں انگریز لیکن مسلمان سیرت

خیر اس بشارت پر عمل کرنے کو چاہیئے حسنِ عقیدت مگر اتنا تو کرو کہ اللہ کے اس گھر کو جو علی گڈھ محمڈن کالج میں ہی یعنی مسجد کو اپنے گھروں سے مقابلہ کرکے دیکھو کہ تمہارے گھر اچھے ہیں یا یہ خدا کا گھر ۔ جس کی نہ دیوار رہی اور نہ چھت ہی نہ در رہی ۱۲۔

لہ دو چند تنخواہ ۱۲۔

ہر اک بورڈر پاس ایسا مکاں ہو — کہ آسایشِ جسم و آرامِ جاں ہو

بہت لوگ ہیں ہم کو مُسرف بتاتے — پر ای کاش وہ اصل مطلب کو پاتے

ہمیں پاس اسلام کا آپڑا ہی — کہ اِس کا خدا رکھے رتبہ بڑا ہی

تو جو چیز اسلام کے نام کی ہو — وہ ایسی ہی عزت کی اور کام کی ہو

نہیں ہم کہ ہو جائیں خوش دال کھا کر — اگر ہم جئیں گے تو تر مال کھا کر

بہت دور ہیں ہم نراسوں کی آسیں — بجھیں اُوس سے روزہ داروں کی پیاسیں

رہیں گے تو ہم ہو کے برتر رہیں گے — وگرنہ اسی رنج میں مر رہیں گے

اگرچند شخصوں نے زحمت اُٹھائی — اور آخر کو بالفرض ڈگری[1] بھی پائی

لگی نوکری خوب کھایا کمایا — مگر قوم نے اُن سے کیا نفع پایا

یہ سب مدرسے ہیں فضول اور زوائد — کہ شخصی منافع ہیں ذاتی فوائد

رہے ہم تو ویسے ہی بدتر کے بدتر — بنائیں گے یہ قوم کیا خاک پتھر

نہیں کہتے ہم مت پڑھاؤ - پڑھاؤ - — مگر دوستدارانِ اُمت بناؤ

دلوں میں بھرو اِن کے اونچے ارادے — کہ اے بندے لے تجکو نیکی خدا دے

حمیت وہ اسلام کی جوش مارے — کہ سب ساتھیوں کو لگا دے کنارے

ہماری غرض اور غایت یہی ہی — ہمارے سفر کی نہایت یہی ہی

تو فرمائیے کس کی منزل کڑی ہی — ہمیں قوم کی - اِن کو اپنی پڑی ہی

ہمارے اور اِن کے طریقے جُدا ہیں — کہ ہم عرش پر اور یہ تحت الثریٰ ہیں

اگرچہ[2] ابھی کورس میں منحصر ہیں — مگر ہم فقط وقت کے منتظر ہیں

[1] درجۂ فضیلت جیسے بی اے - ایم اے وغیرہ ۱۲ [2] یعنی علی گڈھ محمڈن کالج کی پڑھائی وہی ہی جو دوسرے کالجوں میں ہی ۱۲-

دکھائیں گے گر پا گئے مال و زر ہم | اُڑیں گے نکالیں گے جب بال و پر ہم
ہو کالج میں یہ امر باشان مُہتم | کہ تعلیم پر تربیت ہو مقدم
سٹوڈنٹس پر ایسی حاوی نظر ہو | کہ گر خواب دیکھیں تو سب کو خبر ہو
ڈِسپلِن[۵۱] بھی اور ضبط اوقات سیکھیں | شریفانہ طرزِ مدارات سیکھیں
ہو عنوان خط جو لفافے سے ظاہر | طبیعت کی نیکی قیافے سے ظاہر
جو دل میں ہو صاف اُس کا اظہار کر دیں | خطا ہو گئی ہو تو اقرار کر دیں
ہو قومی محبت دلوں میں سمائی | وہ اسلام کے نام پہ ہوں فدائی
کیا ہو جو کالج نے ہموار اِن کو | کریں اپنے بیگانے سب پیار اِن کو
نمونے ہوں شاگرد و اُستاد دونوں | تو پھر دین و دنیا ہوں آباد دونوں
کچھ ایسا وقار اُن میں آیا ہو بڑھ کر | کہ آپ اپنی عزت کریں سب سے بڑھ کر
ہو گر حاصل ہند آمد کسی کی | نہ بن آئے اُن سے خوشامد کسی کی
مطیعِ اولی الامر و منقاد ہوں وہ | رعایائے محکوم و آزاد ہوں وہ
سٹوڈنٹس[۵۲] تیغ دو دم ہو کے نکلیں | سپاہی اور اہلِ قلم ہو کے نکلیں
نہ محنت مشقّت سے جانیں چرائیں | نکل جائیں کوسوں جو چلنے پر آئیں
رہی ہی جو مشاقِ صبح خیزی | طبیعت میں جودت حواسوں میں تیزی

۵۱ پابندی ۱۲ ۵۲ جب سے مسلمانوں کی روئی دھنکی جانی شروع ہوئی یعنی جب سے رفارمر پیدا ہوئے (اور بوڑھے ہیں تو کیا ہی رفارم کے لحاظ سے ابھی بچے ہی ہیں ہمارے سامنے جنم لیا اور ہمارے ہی سامنے بولنا سیکھے) تب سے اور صرف تب ہی سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے مذہبی اوہام اور تعصبات ان کو دُنیا میں پنپنے نہیں دیتے۔ تب سے اور صرف تب ہی سے معلوم ہوا کہ ان کو انگریزوں سے اور

ہر چیز سے جو انگریزوں کو چھو گئی ہو نفرت اور گریز ہو۔ تب سے اور صرف تب ہی سے معلوم ہوا کہ یہ مگر سے بیر باندھ کر دریا میں رہنا چاہتے ہیں۔ تب سے اور صرف تب ہی سے معلوم ہوا کہ یہ علوم جدیدہ سے جو شرط زندگی قرار پا گئے اور پاتے چلے جاتے ہیں ناواقفِ محض ہیں۔ تب سے اور صرف تب ہی سے معلوم ہوا کہ یہ کم ہمت بلکہ بے ہمّت اور کاہل ہیں۔ تب سے اور صرف تب ہی سے معلوم ہوا کہ ان میں خود غرضی اور پھوٹ اور نا اتفاقی ہو۔ غرض تب سے اور صرف تب ہی سے معلوم ہوا کہ مسلمان چیونٹیاں بھرے کباب ہیں۔ معلوم ہوئے پیچھے جن کے دلوں میں قومی ہمدردی اور اسلامی محبت تھی بعض اپنے دلی تقاضے سے اور بعض دوسروں کی دیکھا دیکھی اپنی اپنی جگہ رفارم کی تدبیریں کرنے لگے۔ جگہ جگہ مدرسے بن گئے۔ انگریزی کلاسوں میں مسلمانوں کی شکلیں دکھائی دینے لگیں۔ بعض نے ڈگریاں اور ڈگریوں کے ساتھ نوکریاں بھی پائیں بعض نے میرے خلاف رائے انگریزی طور طریقے بھی اختیار کر لیئے کتنی انجمنیں بن گئیں۔ کتنی سوسٹیاں کھڑی ہو گئیں۔ اخباروں کی حالت ورنی کیولر لٹریچر (زبان اُردو کی انشاپردازی) کی ٹون (لَے) بدل گئی۔ مذاق پلٹ گئے۔ سروں میں اور ہی طرح کے خیالات گونجنے لگے۔ غرض رفارم کی لائیں (رستے) میں کچھ بلکہ مجھے کہنا چاہیئے بہت کچھ ہوا اور ہو رہا ہو۔ اور بیمار مُحتضر کچھ سنبھلتا چلا ہو۔ مگر ایک بات ہو جس پر رفارمروں نے پورا پورا زور نہیں دیا۔ اور مسلمانوں کے کان اُس کے لیئے اچھی طرح سے نہیں کھولے گئے وہ کیا ہو؟ مارشل سپرٹ (سپاہیانہ مزاج) میں اس کو قوم کی لیف (زندگی) سمجھتا ہوں۔ یہ ہی تھرما میٹر اس امر کی شناخت کا کہ قوم مر گئی یا زندہ ہو اگر زندہ ہو تو اُس میں کتنی جان ہو۔ قوموں کا عروج اور تنزل ایک معمولی بات ہو۔ اور جب سے دنیا کا آغاز ہو تب ہی سے اِس انقلاب کا بھی پتہ چلتا ہو۔ مگر تاریخ ہم کو پورا پورا یقین دلا سکتی ہو۔ کہ مارشل سپرٹ ہی اِس انقلاب کا فیکٹر (مدار و معیار) رہی ہو۔ اسلام نے بھی اسی نیچرل قاعدے سے ترقی کی تھی۔ یعنی اُس وقت کے مسلمانوں میں مارشل سپرٹ بڑے زوروں پر

تھی۔ پھر جب وہ سلطنت پاکر عیش و آرام میں پڑ گئے۔ مارشل سپرٹ کم ہوتے ہوتے سلطنت اُن کے ہاتھ سے نکل گئی۔ اور اب جو کہیں کہیں کسی قدر برائے نام باقی ہی۔ چونکہ مارشل سپرٹ سے اُس کو کائی مدد نہیں ملتی اس کا بقا بالکل بھروسے کے قابل نہیں۔ عَلیٰ شَفَا جُرُفٍ هَارٍ۔ (کنارے پر ریتلی ڈھانگ کے جس کو دریا کاٹتا چلا جا رہا ہی) ع اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمی ماند + لیکن گیا سلطنت کے ساتھ ہم کو مارشل سپرٹ سے بھی صبر کرلینا چاہئیے اگر ایسا کریں اور افسوس ہی کہ ہم ایسا ہی کر رہے ہیں تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ ہم پرسوں کے مٹتے کل اور کل کے مٹتے آج اور آج کے مٹتے اب ابھی مٹنا چاہتے ہیں اگر ہم میں سے مارشل سپرٹ نکل گئی تو رفارم کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوسکے گی۔ مارشل سپرٹ کے نکلے پیچھے ہم میں نہ غیرت باقی رہے گی نہ حمیّت نہ سلف رسپکٹ (خودداری) نہ سلف ہلپ (آپ اپنی مدد) نہ ترقی کی گدگدی۔ یہ امن جو ہم کو برٹش گورمنٹ کے ظلِ عاطفت میں حاصل ہی چپکے چپکے مارشل سپرٹ کو گھٹاتا اور کمزور کرتا چلا جا رہا ہی۔ اور مارشل سپرٹ کے گھٹنے اور کمزور ہونے کے آثار مترتب ہو چلے ہیں۔ نہ ہم میں وہ اگلی نسلوں کی سی توانائیاں ہیں نہ ویسی پھرتی ہی نہ ویسی جفاکشی ہی۔ نہ ویسے دل مضبوط ہیں۔ غرض ہم مسلمانوں کی مارشل سپرٹ سیکڑوں برس سے روبہ انحطاط ہی۔ ہم اپنے زمانۂ سلطنت میں مزے سے پڑے اینڈا کئے اب اس عہدِ عافیت مہد میں مارشل سپرٹ ایسی غفلت کی نیند پڑی سو رہی ہی کہ بیچاری کو کروٹ بدلنے کی بھی نوبت نہیں آتی آدمی تو آدمی ہم دیکھتے ہیں دیوار پر جس زور سے گیند مارو اُسی زور سے دیوار گیند کو اُچاٹ دیتی ہی۔ یعنی جمادات تک میں ایک قسم کی مارشل سپرٹ ودیعت رکھی گئی ہی اور جانوروں میں تو ظاہر بات ہی کہ چیونٹی پر پاؤں پڑ جاتا ہی تو وہ بھی اُلٹ کر کاٹے بدوں نہیں رہتی۔ گو آخر کار دب کر اُس کا کچلا ہی کیوں نہ ہو جائے کیا عقل جائز رکھ سکتی ہی کہ ایک قوت ایک ضروری اور بکار آمد قوت جو حافظ نظام دنیوی ہی جمادات کو ملے نباتات کو ملے۔ حیوانات کو ملے۔ اور انسان اشرف المخلوقات کو نہ ملے۔ لیکن واقع میں ایسا نہیں ہی یہی مارشل سپرٹ

انسان کا ہتیار ہی۔ سرکار نے بہ تقاضائے مصلحت انتظامی ہم لوگوں سے ہتیار لے لیئے ہیں مگر یہ
ہتیار یہ مارشل سپرٹ کا ہتیار نہ ہم سے لیا جاسکتا تھا اور نہ سرکار نے اس کے لینے کا قصد کیا بلکہ
استحقاق حفاظتِ خود اختیاری کا تسلیم کیا جانا اِس سلاح کے رکھنے کا لیسنس ہی۔ اگر صرف خواص کے برتے پر
رہتی تو مارشل سپرٹ اب تک کبھی کی مسلمانوں میں سے ناپید ہوگئی ہوتی۔ مگر ہم اپنے عوام کے بہت
شکرگزار ہیں کہ اُن کی بدولت یہ چراغ ابھی تک ٹمٹما رہا ہی۔ اگرچہ ہم اُن کو سخت ملامت بھی کرتے
ہیں کہ وہ اِس قوت سے اکثر نہایت نامناسب طور سے کام لیتے ہیں۔ مارشل سپرٹ فی نفسہٖ ہی
عمدہ چیز ہی اور اس میں بُرائی ہو تو یہ ہی کہ وہ نا اہلوں کے بس میں پڑی ہی اگر اس بُرائی کی نظر سے
مارشل سپرٹ کے دبا دینے اور کچل دینے کی صلاح دی جائے تو اس کی ایسی مثال ہوگی۔
"جیسے بعض لوگ تعلیم نسواں کے مخالف ہیں اس خیال سے کہ ایسا نہ ہو کہ مستورات لکھنے پڑھنے
کی قوت سے نامناسب کام لیں۔ تو کیوں نہیں ہاتھ خشک کر دیئے جائیں کہ ایسا نہ ہو کسی کو ماریں
کیوں نہیں آنکھیں پھوڑ دی جائیں کہ ایسا نہ ہو کہ نظر بُری جگہ پڑے۔ اگر مارشل سپرٹ کو عوام
بُرے طور پر کام میں لاتے ہیں تو اس کا الزام کس پر ہی؟ خواص پر۔ جن کی مارشل سپرٹ
آرام طلبی اور بزدلی اور کاہلی کی وجہ سے منطفی ہوگئی ہی۔ اور وہ اُس کو ریوایو (دوبارہ زندہ) بھی
نہیں کرنا چاہتے اور نہ عوام کے لیئے تعلیم کا سامان بہم پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں کہ اِن کو
نیک و بد کی تمیز ہو۔ مارشل سپرٹ لوگوں کے اسٹمیٹ (اندازہ) میں ایسی ذلیل ہوگئی ہی کہ وہ
اُس کو عیب سمجھنے لگے ہیں دونوں مرتبت شرافت۔ اور جب تک وہ صرف عوام کے ہاتھ
میں ہی بےشک عیب ہی۔ اور دُون مرتبت شرافت بھی ہی۔ لیکن میں جہاں تک غور کرتا ہوں
جتنے رفارم سوچے جاتے ہیں مارشل سپرٹ کا ریوایو اور رفارم کرنا سب پر مقدم ہی۔ ہرچند
یہ محل پولیٹکل باتوں کے بیان کرنے کا نہیں ہی۔ اور نہ میں اِن معاملات میں رائے زنی کی

لیاقت رکھتا ہوں۔ مگر اتنا ضرور جانتا ہوں کہ اب بھی مسلمانوں کو اگر کچھ یوں ہی سی وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہی تو اسی مارشل سپرٹ کے لحاظ سے۔ کیا شمار کیا دولت۔ کیا لیاقت کل اعتبارات سے ہم ایسے ضعیف ہیں جیسے مچھر۔ مگر مارشل سپرٹ کا ایک ذرا سا ڈنک ہمارے پاس ہی گو وہ سانپ اور بچھو کا سا ڈنک نہیں ہی مگر ذرا کی ذرا بے چین کرنے کے لیئے کافی ہی۔ جو شخص اخبار پر نظر رکھتا ہی وہ جان سکتا ہی کہ یوروپین پورزز (سلطنت ہائے یورپ) میں کس درجے کا محاسدہ ہی۔ ہر چند بعض صلح پسند سٹیٹسمن (منتظمان ملک) کی تدابیر سے یہ آگ دبی ہوئی ہی۔ لیکن کیا جانیں کب بھڑک اُٹھے گی۔ اگر خدانخواستہ بھڑکی تو مسلمان نرے تماشائی نہیں ہوں گے۔ لیکن کون مسلمان؟ وہی جن میں مارشل سپرٹ ہی۔ نہ ہم بنیئے لکھنی چند کہ جن میں کا ایک میں ہوں۔ باوجودیکہ نو برس حیدرآباد رہ آیا ہوں۔ اور یہ میری عمر ہی۔ مگر آج تک اپنے ہاتھ سے بندوق چھوڑنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ مارشل سپرٹ کے اعتبار سے اس کو چاہو میری عمر کے کارناموں میں گن لو کہ میں بندوق کی آواز سے ڈرتا نہیں۔ مگر ہاں چونک تو پڑتا ہوں۔ اور یہ ہمت بھی اس سے ہوئی ہی کہ ہمارے یہاں ہر روز ایک چھوڑ دو دو توپیں چلتی ہیں۔ دوپہر کی ایک اور رات کے ساڑھے نو بجے کی ایک۔ مارشل سپرٹ کو جیتا جاگتا رکھنے کے لیئے گورمنٹ کی پالیسی (منشا) کے لحاظ سے جو ہم کر سکتے ہیں اور جو ہم کو کرنا چاہیئے یہی ہی کہ ہم مردانہ وار کھیلوں کو تعلیم کا کمپلسری سبجکٹ (مضمون جبری) قرار دیں۔ جیسا کہ ہم نے علی گڈھ محمڈن کالج میں کر رکھا ہی۔ اس سے مسلمان لڑکے ڈل (اُجڈی) اور آئیڈل (سست) نہیں ہونے پائیں گے۔ ان کی صحت بدنی محفوظ رہے گی۔ آیندہ نسلیں توانا اور چونچال ہوں گی بالفعل یہ لوگ بلّے اور گیند سے کھلیں گے اور آیندہ شاید ایسے مواقع پیش آئیں کہ بلّے کی جگہ تلوار اور گیند کی جگہ سر۔ مگر کن کے؟ دشمنان برٹش گورمنٹ کے۔ غرض سپاہی اور اہل قلم سے میری مراد یہ تھی جو میں نے بیان کی ۱۲۔

نہ شطرنج گنجیفہ کی بازیاں ہوں — اُچھل[1] کود ہو اور کلابازیاں ہوں
ہر اک بات میں اُن کی کردار مردی — نزاکت ہو اُن کے لیئے عار مردی
تکلّف سے دور اور تصنّع سے عاری — بجالائیں خود اپنی خدمت گزاری
نہ کاہل نہ عاجز نہ بے دست و پا ہیں[2] — یہی لوگ مخدوم خادم نُما ہیں
یہ کالج ہی جیسا کہ ہم چاہتے ہیں — کچھ اب سمجھے کیوں ہم رقم چاہتے ہیں
اگر پُل ہی یا باغ ہی یا کوا ہی — کوئی کام دُنیا میں بے زر ہوا ہی
تو کیوں کر یہ اتنا بڑا کارخانہ — کہ کھپ جائے قاروں کا اس میں خزانہ
سو ایسے ہی کالج کی تدبیریں ہیں — اُٹھائیں گے نخرے جو تقدیریں ہیں
بُرا بھی سنیں گے کڑی بھی سہیں گے — یہ کالج تو ہم بھی بنا کر رہیں گے
تمھاری سی قسمت ہمیں بھی خدا دے — کرے قوم اور سید احمدؐ دعا دے

[1] یہی اُچھل کود ہی جس کو شیخ ابراہیم ذوق نے بڑی حسرت کے ساتھ یاد کیا ہی فرماتے ہیں ع

عہد پیری نے چھڑایا دوڑ چلنا کودنا — ہائے طفلی کھیلنا کھانا اُچھلنا کودنا

اُچھلنے کودنے کا مرثیہ ظفر نے کیسے عمدہ لفظوں میں کہا ہی ع

ایک وقت تھا کہ ٹوٹتے تھے دانت دودھ کے — پھر یہ ہوا کہ گزرنے لگے کھیل کود کے
اب حال یہ ہی عالم پیری میں اے ظفر — باقی نہیں حواس بھی گفت و شنود کے

[2] دسمبر ۱۸۹۳ء کی کانفرنس علی گڈھ محمڈن کالج کے تمام طلبہ باوجودیکہ اِن میں اکثر خوشحال اور معزز تھے کانفرنس کے مہمانوں کی کل خدمتیں اپنی ذات سے کرتے تھے یہاں تک کہ رات کی پاسبانی حقیقت میں اِن لڑکوں کا برتاؤ دیکھ کر علی گڈھ محمڈن کالج کی قدر معلوم ہوتی تھی کہ یہ بھی کیا جگہ ہی جو لڑکوں کو لکھنے پڑھنے کے علاوہ جری اور بے تکلف اور ملنسار بناتی ہی ۱۲

کہاں یہ مقدر نصیب ایسے کس کے — کہ اکسیر مہماں ہو گھر میں مس[۱] کے

مگر تجھ پہ پنجاب فضلِ خدا ہے — کہ نازل تیرے سر پہ قومی ہما ہے

برہمن نے مر کر رسوئی بنائی — اور آخر کو لالہ نے کھائی اُڑائی

لڑائی نہ ٹنٹا نہ جھگڑا نہ قصہ — ہے تکمیل کالج تمھارا ہی حصہ

ہوئی ہے کسی کو بھی یہ بات حاصل — لگاؤ لہو اور شہیدوں میں داخل

عمارت میں کیا ہے بس اک اینٹ باقی — پلاتے تو ہو دُرد بنتے ہو ساقی

اگر بے دئیے ہم کو دو گے دھکے — تو فریاد لے جائیں گے ہم بھی مکے

مدینے میں جا کر کے ہم دیں گے دھرنا — تو اُس وقت پر کوئی شکوہ نہ کرنا

رسولِ خدا سے شکایت کریں گے — نہ ہم پھر کسی کی رعایت کریں گے

نہیں تم ہماری طبیعت سے آگاہ — ہم ۔ اور بے لئے جائیں استغفر اللہ

ہم اک اک سے اور اُس کے اچھے سے لیں گے — بُرے دل سے دے یا کہ اچھے سے لیں گے

نہ کیوں ہیں کہ تعلیم کے پیشوا ہیں — امینانِ کالج ہیں قومی گدا ہیں

ازانجا کہ کالج کے ہم ہیں ٹرسٹی — ضرور آپڑی ہے ہمیں سرپرستی

ہم اپنے اُدھارے وے مانگتے ہیں — کہ تم سے تمھارے لیئے مانگتے ہیں

بڑی گفتگو اور بہت بات ہو لی
تو پھر دیجیے اب فقیروں کی جھولی

[۱] ۔ مس سے مراد سخاوت ہے مس عیب را کیمیا است ۔ کی مس ہے یعنی تانبا نہ وہ مس جو انگریزی خوانوں کی متعارف ہے ۱۲ ۔

گیارھویں نظم

یہ نظم مولٰنا نے ۲۸۔ اپریل ۱۸۹۴ء کی صبح کو مدرسۂ طبیّہ دہلی کے پانچویں سالانہ جلسہ میں صبح کے وقت اپنے لکچر کے ساتھ پڑھی۔ اِس جلسے میں علاوہ حکام مقامی صاحبان انگریز کے کل عمائدین شہر ہندو مسلمان جمع تھے ؎

آیا تو ہوں کہ کچھ حقِ خدمت ادا کروں
لیکن خیال میں نہیں آتا کہ کیا کروں

کٹوا کے سینگ خیر سے بچھڑوں میں آ ملوں
قانونِ شیخ مول لوں اور طب پڑھا کروں

جو کچھ پڑھائیں کاوش و تحقیق سے پڑھوں
یعنی کہ بات بات پہ جھگڑوں لڑا کروں

تحصیلِ طب میں محنت و زحمت کی داد دوں
سالانہ امتحانوں میں اوّل رہا کروں

انعام میں کتاب اگر دیں تو صبر و شکر
تمغا ملے تو فخر سے زیبِ قبا کروں

حاضر رہوں مطب میں بلاناغہ صبح و شام
مشقِ علاج کے لیئے نسخے لکھا کروں

آنکھوں کے بند کرتے گزر جائیں پانچ سال
لیکن حیات کہتی ہے میں بھی وفا کروں

اچھا اگر یہ ہو نہیں سکتا تو کم سے کم
عبدالمجید خان کی مدح و ثنا کروں

یہ مدرسہ انھی کی عنایت کا فیض ہے
میں وہ نہیں کہ جھوٹ کہوں ادّعا کروں

ممکن نہیں ہے اِن کے فضایل کا عدو حصر
گو عمر بھر قصائدِ مدحی کہا کروں

احساں کا اِن کے کس سے عوض ہو سکے مگر
بجز جزا حوالہ بذاتِ خدا کروں

لیکن نہ اپنا شیوہ خوشامد نہ اُن کا عجب — کیوں ترکِ وضع کرکے انھیں بدمزا کروں

اک کام اور بھی ہو اگر مجھ سے بن پڑے — ہر پھر کے اپنے آپ پہ صدقے ہوا کروں

مل جائے کوئی گانٹھ کا بھرپور سادہ دل — لگ چل کے اُس سے اپنے تئیں آشنا کروں

پھر بعد معرفت کے بڑھے اُس سے ربط و ضبط — وہ میرے دل میں اور میں اُس کے میں جا کروں

افسانے میں کہا کروں اور وہ سُنا کرے — مذکور وہ کیا کرے اور میں سنا کروں

صحبت ہو ساز گار تو اک وقتِ خاص میں — اظہارِ مطلب و غرض و مدعا کروں

طرزِ سخن میں جادوئے بابل کا رنگ دوں — الفاظ میں کرشمۂ معجز نما کروں

طلبیہ مدرسے کے بیان کرکے فائدے — چندے کی اُس سے آرزو و التجا کروں

وہ یا تو چھوٹتے ہی ٹکا سا جواب دے — یا چُپ سے ہے کہ میں لیے بیٹھا تکا کروں

یا وعدہ جو کہ تا بہ قیامت وفا نہ ہو — کچھ خضر تو نہیں کہ ہمیشہ جیا کروں

کیوں کر ہو کس کے دل سے ہو کس طرح اختیار — آئین و طرزِ عادت و شانِ گدا کروں

واللہ مجھ سے ہو نہیں سکتا (ہو کارِ خیر) — مثلِ فقیر ہاتھ پساروں صدا کروں

گر کہنے پاؤں قوم کی خانہ خرابیاں — محفل میں شور شیون و ماتم بپا کروں

دیوار و در کو وجد ہو لگ جائیں ہچکیاں — گر حالِ زارِ قوم پہ قصدِ بُکا کروں

ای قوم تیری ہمت و غیرت کو کیا ہوا — تو ہی قصور وار تو کس کا گلہ کروں

پر قوم (ہائے قوم) ہی مصداق صُمٌّ و بُکمٌ — ناخن کہاں سے لاؤں کہ یہ عقدہ وا کروں

تجھ کو قسم ہی سُننے کی اور مجھ کو بات کی — کیا میرا سر پھرا ہی کہ ناحق بکا کروں

القصہ میں عجب عبث و ہیچ کارہ ہوں — بس اتنے کام کا ہوں کہ لکھ کر دیا کروں

سعی الرحیم[۱] اگر نہیں جہد المقل[۲] تو ہی — اس مدرسے کے حق میں خدا سے دعا کروں

[۱] سعی مشکور ۱۲ [۲] کوشش ناکارہ ۱۲

پیدا ہو غیب سے کوئی مردِ خدا کہیں
انوسٹ[۱] کر دوں اُس میں کفایت کی قدر فنڈ
طبی سکول چھوڑ کے کالج بنا کر دوں
دار الشفا کو رَوِش دار البقا کروں

بارھویں نظم

یہ نظم بھی مدرسہ طبیہ کے دہلی کے جلسے میں مولانا نے پڑھی تھی۔

یہ کیا شور و غوغا ہے کاہے کا غُل ہے
نہ آواز نَے ہے نہ بانگِ دُہل ہے
نہ کچھ ساز و سامانِ دل بستگی ہے
نہ رقاص ہے اور نہ ساقی نہ مُل ہے
سُنا تھا کہ دل قوم کے مر گئے ہیں
ان ہی میں کسی مرنے والے کا قل ہے؟
محرم کی مجلس ہے یہ اُس کا ذاکر؟
و یا بزمِ میلادِ ختم الرسل ہے؟
نہ یہ ہے نہ وہ ہے تو پھر کیا سبب ہے
کہ اتنا بڑا صحن لوگوں سے فُل[۲] ہے
اگر بے سبب ٹوٹ آئی ہے خلقت
تو کیا ان کے پیروں میں ناحق کی چُل ہے
نہیں۔ مدرسے کا ہے سالانہ جلسہ
یہ تقریب معمول و معلوم کُل ہے
طبابت میں فصلِ بہار آ رہی ہے
کھلا اس کے گلشن میں یہ تازہ گُل ہے
یہ ہستی ہے اک بحرِ مواجِ عالم
طب اُس پہ سے ہو کر گزرنے کا پُل ہے
مگر کون طب جس کا ماخذ ہے یوناں
کہ محفوظ و مامون و خیر السُّبُل[۳] ہے
نہ وہ طب کہ جس سے ذرا آنکھ چوکی
تو یاں مشعلِ زندگانی ہی گُل ہے

۱؎ انگریزی۔ لگا دینا۔ ۱۲ ۲؎ انگریزی۔ بھرا ہوا۔ ۱۲ ۳؎ اچھی راہ ۱۲۔

تیرھویں نظم

یہ نظم مولٰنا نے انجمن حمایت اسلام لاہور کے جلسہ ۱۸۹۵ء میں اپنے لکچر کے ساتھ پڑھی تھی۔

نچا مارا ہی یکسر کیا عرب اور کیا عجم سب کو
خدا غارت کرے اس اختلافِ دین و مذہب کو

عجب بدعقل ہی انسان کہ با ایں دعویٔ دانش
ہزاروں سال سیکھا پر نہ سمجھا اصل مطلب کو

اگر تعلیم دیں یہ ہی تو آخر کار سن لینا
کہ خود مکتب کے لڑکوں نے کیا برباد مکتب کو

زمانے نے بہت سفاکیاں مذہب کی دیکھی ہیں
اگر شک ہو تو تم بھی آزما دیکھو مجرب کو

خدا محفوظ رکھے اس کی زد سے یہ وہ گولا ہی
نہ پیادے ہی کو چھوڑے اور نہ راکب کو نہ مرکب کو

یہ وہ آتش ہی عالم سوز جس کی ایک چنگاری
جلا دے ایک دم میں خشک و تر کو دور و اقرب کو

ڈسا ہو جس کو اس موذی نے وہ پھل کا نہیں کھاتا
خدارا تم نہ چھو لینا کہیں اس نیشِ عقرب کو

مُصَیطِر[لہ] کس لئے بنتے ہو لوگوں کے کہ یہ منصب
نہ حاصل تھا نہ حاصل ہی مقرب سے مقرب کو

نہ اس آواز کو کانوں میں آنے دینا سن رکھو
نہ ایسی بات سے زنہار کرنا آشنا لب کو

نظر کچھ مقتضائے وقت پر بھی چاہیئے کرنی
کہ دن کو کام میں مصروف ہو آرام میں شب کو

مگر تم جھونپڑوں میں دیکھتے ہو خواب محلوں کے
ذرا سوچو تو کیا نسبت گئے وقتوں سے ہی اب کو

مزاج اسلام کا ناساز ہی۔ اچھا نہیں لگتا
کسی کا بولنا آواز سے جانِ معذب کو

وے تم لوگ یوں بیگانہ وار آپس میں لڑ لڑ کر
بالآخر دق بنانا چاہتے ہو عارضی تب کو

برائی کیا پڑی اپنی بہتر و چھوڑ دو حق پر
وہ خود پہچان لے گا بے ادب کو اور مؤدب کو

لہ اتالیق ۱۲۔

چودھویں نظم

مولانا جیسا کہ اوپر مذکور ہوا اپنے لکچر سے پہلے تھوڑی بہت نظم اکثر پڑہا کرتے تھے۔ مندرجۂ ذیل نظم بھی لکچر سے پہلے پڑھنے کا ارادہ تھا مگر اس نظم کو درمیان لکچر میں پڑہا جس کی وجہ مولانا فرماتے ہیں کہ" اچھا تو وہ بات پھر رہ گئی کہ میں نے جو لکچر کو وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوحًا اِلٰی قَوْمِہٖ سے شروع کیا تو کیوں۔ بات یہ ہی کہ میں اکثر لکچر سے پہلے تھوڑی بہت نظم بھی پڑہا کرتا ہوں آج کے لکچر کے لیئے بھی عَلیٰ وَفْقِ الْعَادَۃِ چند شعر لکھ کر لایا تھا اور اتفاق سے پہلے شعر میں نوحؑ کا نام آگیا تھا۔ اس مناسبت سے میں نے وہ آیت پڑھی تھی۔ مجکو کیا خبر تھی کہ میں تمہید ہی میں رہ جاؤں گا اور مطلع لکچر اُس کا مقطع ہوجائے گا۔ بہرکیف ٹبر لیٹ دین اَوْردہ نظم یہ تھی۔ جو انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسے میں ۱۸۹۵ء میں بمقام لاہور پڑھی گئی تھی۔

بچایا ڈوبنے سے کشتیِ دینِ محمدؐ کو
الٰہی نوح کی سی عمر دے سر سید احمدؐ کو

مگر میں لوپے ساڑھے نوسو شمسی سال گن لوں گا
کہ کوئی نیچری کچھ کم نہ کردے وقت ممتد کو

ہمیں احساں شناسی شکر پر مجبور کرتی ہی
وگرنہ ہم کمینہ پن سمجھتے ہیں خوشامد کو

تعصب ہی ترقی میں مسلمانوں کی حارج تھا
جزاک اللہ کس خوبی سے سرکایا ہی اِس سد کو

کسی ڈھب سے انھیں تعلیم کے رستے یہ لاڈالا
اگر اب بھی نہ سمجھیں یہ تو رو دیں قسمتِ بد کو

کیا تھا پاک اس کے جد امجد نے سنا ہوگا
بتوں کی گندگی سے خانۂ کعبہ کے معبد کو

سو اس نے بھی دلوں سے دھو دیا اوہامِ باطل کو
کہ اِس کا فرض تھا پھر زندہ کرنا سنتِ جد کو

لہ گو دیر ہوئی تو ہوئی مگر خیر نہ ہونے سے تو بہتر ہی ۱۲۔

مسلمانوں نے آپ اسلام کو ایسا بگاڑا تھا — کہ ہم اس کی بدولت آخر آپہنچے ہیں اس حد کو

کہ ہم کو آج دنیا میں ہے وہ رسوائی و ذلت — جو ہونی چاہیے انجام میں کافر کو مرتد کو

جو عالم تھے انھوں نے صرف دستارِ فضیلت کی — بنا کر دھجیاں اُس پاک پیغمبر کی مسند کو

عوام الناس فہم رازِ دیں سے عاجز و قاصر — لیے بیٹھے تھے رسم و راہ و تقلید شد آمد کو

خدا ہی جانے کیا اسلام کو لوگوں نے سمجھا تھا — چلے آتے تھے سب تکذیب کو ابطال کو رد کو

ادھر سائنس کا تھپڑ او کہتا تھا کوئی دم میں — کیے دیتا ہوں چکناچور اس شیشے کے گنبد کو

سو اس نے اپنے زورِ عقل سے وہ پائداری دی — کہ اب جنبش نہیں تا حشر اس قصرِ مشیّد[1] کو

خدا کی شان وہ اب بیچلر[2] آف آرٹس ہوتے ہیں — جو کفر و زندقہ کہتے تھے انگریزی کی ابجد کو

بہت سنتے رہے ہو جذر اسلامی سمندر کے — اب آگے دیکھنا طغیان و جوش و شورش و مد کو

یہ کنکوے ہیں ان میں قوتِ پروازِ خلقی ہے — انھیں تعلیم کی دریائی پہنچائے گی فرقد[3] کو

عزیزو یہ عمل داری بڑی رحمت خدا کی ہے — غنیمت بس غنیمت جانو اس کے فضلِ بے حد کو

نہ کچھ تخصیص مذہب کی نہ کچھ تعیُّن ملت کی — جو اسود کو وہ ابیض کو جو ابیض کو وہ اسود کو

باطمینان اسبابِ ترقی جمع ہیں سارے — اگر تم کام میں لاؤ طلب کو جہد کو جد کو

علی گڈھ ہو کے سیدھی راہ نکلی ہے ترقی کی — ہمارے ساتھ ہو لو جلد تر پہنچو گے مقصد کو

بچو ٹکر سے حتی الوسع وقتِ نامساعد کی — اُٹھایا ہے کسی نے یا اُٹھا سکتا ہے اس زد کو

اب آزادی نے اپنا سکہ عالم میں بٹھایا ہے — نکالو مطلقاً فرہنگ سے لفظِ مقید کو

کسی کی بات بھی مانا کرو ضد کی بھی کچھ حد ہے — خدارا چھوڑ دو اس جاہلانہ کاوش و کد کو

اگر اب بھی نہ تم نے قدر و قیمت وقت کی جانی — تو بس تھپڑ پہ کھدوا رکھنا اس قولِ مؤکد کو

۱؎ مضبوط ۱۲ ۲؎ بی اے ۱۲ ۳؎ رفعت ۱۲

کہ مٹ جاؤ گے اور برباد ہو جاؤ گے بالآخر | پکڑ پاؤ گے کیا تم ناتواں اس چودھویں صدی کو
بس اپنی شاعری موقوف کر بر خود غلط مت ہو | اگرچہ روکنا مشکل ہے مضمونوں کی آمد کو
کہیں اس شاعری کے خبط میں عادت نہ کر لینا | خلافِ وضع وصفِ خط و خال و عارض و خد کو

پندھرویں نظم

یہ دل کش اسپیچ نظم میں مدرسۂ طبیہ دہلی کے ساتویں سالانہ جلسہ میں ۲- اپریل ۱۸۹۶ء کو بمقام دہلی دی گئی تھی۔

کس قدر جلدی گزرتے ہیں جہاں میں ماہ و سال | کاش ہم کو بھول کر آئے کبھی اس کا خیال
حال جتنے ہیں وہ ہو جائیں گے ماضی ایک دن | جتنے مستقبل ہیں ہو جائیں گے وہ ایک روز حال
ہر منٹ اور ہر سکنڈ ایک آدمی ہے فی المثل | اُس کا ہو چکنا گزر جانا ہے اُس کا انتقال
جلسۂ سال گزشتہ گویا کل کی بات ہے | جمع تھے جس میں تمامی شہر کے اہلِ کمال
صدر میں صاحب کمشنر جلوہ گر جوں آفتاب | دوسرے حکّام گرداگرد تاروں کی مثال
وہ نہ تھا جلسہ مگر اک کورٹ تھا بے اشتباہ | وہ نہ تھا جلسہ مگر دربار تھا بے قیل و قال
سکرٹری پڑھ رہے تھے کس فصاحت سے رپوٹ | باغ میں جس طرح چہکے طوطیِ شیریں مقال
ہر طرف سے مرحبا و آفریں کا شور تھا | ہو رہے تھے حاضرانِ جلسہ سُن سُن کر نہال
اور صفِ پائیں میں یہ عاجز کھڑا تھا سرنگوں | بے بضاعت بے ہنر نادم سراپا انفعال
یوں ہوا اتنے میں ارشادِ حکیمِ محتشم | کیا کھڑا ہے آ ادھر اور جیب سے کاغذ نکال

ایسا لکچر دے کہ پا جائے ہمیشہ کے لئے
طبِ یونانی و انگریزی کا جھگڑا انفصال

اُن کی اس درخواست پر میں نے بھی وہ تقریر کی
جس کو سُن کر لوگ کہتے تھے کہ ہے سحرِ حلال

ایسی بے باکی سے بولے کس کا اتنا حوصلہ
اِس صفائی سے کہے کوئی کسی کی کیا مجال

کوئی کوئی معترض بھی تھے کہ یہ سب لغو ہے
بے دلیل و بے سند اثبات دعوائے محال

گُل ہوا ہی چاہتا ہے طب یوناں کا چراغ
اور یہ جو کچھ دیکھتے ہو آخری ہے اشتعال

یہ عمارت کھنگی سے گُل کے آٹا ہو گئی
اب نہ جالینوس کے باوا سے ہو اِس کی سنبھال

طبِ یونانی و انگریزی کہ دو بہنیں ہیں یہ
بے محابا مدتوں سے لڑ رہی تھیں بد خصال

گرچہ یونانی بڑی تھی پر نہ تھا اُس کے تئیں
اپنی چھوٹی بہن کی پرداخت کا مطلق خیال

کوستی تھی اور کہتی تھی کہ تو ہو جائے رانڈ
ٹکڑے روٹی کے لئے کرتی پھرے گھر گھر سوال

چھوٹی بھی تو تڑ سے بول اُٹھی کہ بس بک بک نہ کر
تیرے مٹ جائیں بچے اور تیرے مر جائیں لال

جب دونوں میں ہوئی تُو تُو کی فضیحت اس قدر
اُٹھ گیا دونوں طرف سے پاسِ حدِ اعتدال

باپ نے دونوں کو سمجھا کے گلے ملوا دیا
ورنہ ہوتی خاندانِ طب کی رسوائی کمال

دُور ہو کر رنجشیں پھر ہو گیا گہرا ملاپ
اب تو سُننے میں نہیں آتی کبھی جنگ و جدال

امن سے ایک ہی جگہ ہیں دونوں گھر آباد ہیں
نے حسد ہے نے گلہ نے شکوہ نے رنج و ملال

کوئی کرتا ہے سدیدی اور نفیسی کی چھپاڑ
کھینچتا ہے چیرہ دستی سے کوئی مُردے کی کھال

مدرسہ طبیہ اپنی شان میں ہے منفرد
کیجئے تسلیم یا دکھلائیے ایسی مثال

درسِ طب اور درسِ طب کے ساتھ حسنِ انتظام
تجربہ اور تجربہ کے ساتھ اس کی دیکھ بھال

حیف ہے صد حیف گر اِس کی نہ کی جائے مدد
ظلم ہے گر دستگیر اس کا نہ ہو دستِ نوال

یہ ابھی تک صرف منصوبے ہیں دور از واقعات
جیسے کوئی خواب دیکھے یا کرے دل میں خیال

ڈالنے کو گُڑ نہیں پیدا تو پھر کیسی مٹھاس
وقفِ تفریحاتِ لایعنی ہی جو ہی جس کے پاس
قوم کے سر میں مگر احساسِ حالت ہی نہیں
اک سرے سے آگیا ہی سب کی عقلوں میں فتور
انقلابِ دہر کو لوگوں نے سمجھا ہی نہیں
حاکمانِ وقت کی ہر چیز سے کلی گریز
ہو چکا سیراب ساری عمر ایسا تشنہ کام
بود و باشِ بحر اور اُس پر مگر سے دشمنی
جیسے ایک تنکا مقابل ہو کسی سیلاب کے
بُرد کیسی آپڑی ہی صاف نقشہ مات کا
عزت و دولت حکومت سلطنت سب کھو چکے
گر کسی کو شاذ و نادر ہی بھی انگریزی کا شوق
یا بنا کر اوپری باتوں میں انگریزوں کی نقل
یہ نکھٹو لا نہیں سکتا کما کر اک درم
روم و ایران ہند و مصر افریقیہ اور ایشیا
ہو چکے دورے وہ عبداللہ احمد بخش کے
ہو گئی ہیں رسیاں جل جل کے سب خاکِ سیاہ
نازشِ بیجا بڑوں پر اور خود نا اہل ہیں
اینٹھنے لگتے ہیں احمق ماش کے آٹے کی طرح

یا سُنے ہیں آپ نے بے دودھ بنتے شیر مال
پر نہیں ہی قوم کے کارن کوئی کوڑی دِوال
پڑ رہا ہی مدتوں سے مُلک میں قحط الرجال
یا دماغوں کی بناوٹ میں ہی داخل اختلال
کیا نتیجہ ہوگا کیا انجام ہوگا کیا مآل
وضع ہو یا طرز ہو یا علم ہو یا بول چال
جو پھرے سرگشتہ دور از چشمۂ آبِ زلال
بد نصیبی اس کو سمجھو یا حماقت یا ضلال
جیسے کوئی توپ سے لڑنے کو جائے لے کے ڈھال
ابتدا ہی سے غلط ہوتی گئی بازی میں چال
اب نرا افسانہ ہی اسلام کا جاہ و جلال
فرسٹ ریڈر پڑھ کے بننا چاہتا ہی کوتوال
وہ مثل ہی ہو کے کوا ہنس کی سیکھا ہی چال
ہاں لیے دیدوا اُٹھانے کو دنانیر و ریال
جس طرف جاؤ تنزل اور جدھر دیکھو زوال
اب ہی ماتا دین تلسی داس بابو شام لال
لیک نکلے ہوں کسی کے بل جلے پر کیا مجال
راگنی بے وقت کی بے تُکے تُک اس میں سُر نہ تال
گر کہیں سے اتفاقاً مل گئی کھانے کو دال

اُٹھ گئی دُنیا سے رسم اتحاد یک دلی
اور اسی نا اتفاقی کے ہیں یہ سارے وبال

اب یہ حالت ہی کہ گویا ایک کا دشمن ہی ایک
بس چلے اور دست رس پائے تو کر ڈالے حلال

ایسے سفاکوں سے کس کی آب رو محفوظ ہی
شیر مادر ہی جو پا جائیں کسی کا مفت مال

جنگ ہوتی دیکھ مذہب آن کودا بیچ میں
تا نہ رہنے پائے کوئی آشتی کا احتمال

یہ وہ حضرت ہیں لگے رہتے ہیں ہر دم تاک میں
مکر و تلبیس و فریب و زرق[1] کا پھیلائے جال

یہ اُبھرنے ہی نہیں دیتا ہی ہم کو ایک انچہ
اور ہمیں چارہ نہیں چھٹنے کا تا اعلی الجبال

گر یہی اسلام ہی کر دور سے اس کو سلام
گر یہی جنت ہی اس جنت کو دے دوزخ میں ڈال

طیبات العیش[2] سارے لے گئے اگلے بزرگ
جھیلنے کو رہ گئے ہم ناخلف رنج و ملال

ایسی کثرت کی خوشی کیا ہو کہ ہم ہیں چھ کروڑ
جن میں اکثر بلکہ اکثر سے بھی اکثر خستہ حال

کیا ہوا ہم میں اگر آسودہ ہوں بھی بعض بعض
کیا ہوا ہم میں اگر خوش حال ہوں بھی خال خال

بالیقین آدھے سے زائد مبتلائے مخمصہ
جن کو جو کچھ وقت پر مل جائے کھا لینا حلال

دن کو کھا لیتے ہیں موٹا جھوٹا آدھے پاؤ پیٹ
رات کو فاقے سے سو رہتے ہیں سب اہل و عیال

یا گھروں سے ایسے مضطر عورتیں پردہ نشیں
بھیک کی خاطر نکل پڑتی ہیں برقع سر پہ ڈال

اس قدر دُبلے کہ تن پر نام کو بوٹی نہیں
حلقے آنکھوں میں پڑے پچکے ہوئے اندر کو گال

ہڈیوں کے ڈھانچ باقی رہ گئے ہیں سوکھ کر
پیٹ دیکھو کھول کر جیسے کوئی خالی کھال

وقت تھوڑا طبع نازک داستان غم دراز
اب دعا کے ساتھ ہونا چاہیے ختم المقال

ای خدا سارے جہاں کا خالق و رزاق ہی تو
ای خدا ہی ذات تیری لم یزل[3] ولایزال

مشکلوں نے ہم کو آ گھیرا ہی چاروں سمت سے
ہم کو گردش نے فلک کی کر دیا ہی پائمال

[1] مکر ۱۲ [2] عیش پسندیدہ ۱۲ [3] ہمیشہ سے ہی اور ہمیشہ رہے گی ۱۲

مدرسۂ طبّیہ جس میں آج ہم سب جمع ہیں
یہ بھی ہی حق میں ہمارے اک طرح کی نیک فال

یعنی کچھ دن پھر چلے ہیں طالعِ ناساز کے
کیا عجب شاید ہمیں بفیہ برآرو پرّو بال

یہ اور اُس کے ساتھ وابستہ ہیں جتنے کاروبا
سب کو استحکام دے پروردگار ذوالجلال

آپ مُلکی لارڈ ہو کر ہوں ہمارے سرپرست
جل مریں پھر مدرسے کے حاسدانِ بدسگال

آپ دیں طلّاب کو انعام ہم دیں آپ کو
ہر برس صدہا دعائیں یاں بلا کر ہر سال

سولھویں نظم

یہ نظم ۲۹- دسمبر ۱۸۹۶ء کو بمقام میرٹھ اجلاس گیارھویں محمڈن اینگلو اورینٹل ایجوکیشنل کانفرنس میں نظم ایک خاص تمہید کے ساتھ پڑھی تھی- تمہید یہ تھی کہ "شیخ ابراہیم ذوق" کی ایک مشہور غزل کا مطلع ہی ؎

ہیں دہن غنچوں کے واکیا جانے کیا کہنے کو ہیں
شاید اُس کو دیکھ کر صلِ علیٰ کہنے کو ہیں

پارسال جو شاہجہاں پور میں کانفرنس ہوا تو ایک صاحب نے جن کا نام اور تخلص دونوں مجکو بھول گئے ہیں سید احمد خاں کے خیر مقدم کے طور پر اسی وزن میں ایک نظم پڑھی تھی اور نواب محسن الملک بہادر نے جو اُس کانفرنس کے پریزیڈنٹ تھے اُس نظم کی بڑی مدح کی تھی اور وہ مدح کی مستحق تھی بھی- امسال مجکو خیال آیا کہ میں بھی اُن کی طرح طبع آزمائی کروں ؎

کچھ نہ پوچھو آج ہم لکچر میں کیا کہنے کو ہیں
قوم کو خود قوم کے مُنھ پر بُرا کہنے کو ہیں

اُن کو اُن کے عیب اُن کے سُقم دکھلانے کو ہیں
اُن سے اُن کی داستانِ مامضٰی کہنے کو ہیں

الغرض اسلام پر جو کچھ کہ گزرا نیک و بد
اُس کو ہم از ابتدا تا انتہا کہنے کو ہیں

مدتوں ہم اُن کو چپکے چپکے سمجھایا کیے
اب جو کچھ کہنے کو ہیں سو بر ملا کہنے کو ہیں

ہم سے بہتر کوئی کیا جانے گا حالت قوم کی
جو عدو کہتے ہیں ہم اُس سے سوا کہنے کو ہیں

جتنی انگریزی رعایا ہے سبھی خوش حال ہے
ہم ہی زیرِ سایۂ وکٹوریا کہنے کو ہیں

عزتِ دارین ہے اصلی مسلماں کی شناخت
ورنہ یوں تم بھی بطورِ ادعا کہنے کو ہیں

حُسنِ صورت محض بے رونق ہے سیرت کے بدون
جن گلوں میں بو نہیں وہ خوش نما کہنے کو ہیں

ناصحِ خود ہو تو اُس کے ہاتھ پر بیعت کریں
ورنہ اوروں کو تو سب ماؤشما کہنے کو ہیں

ہے مسمیٰ ذات واحد نام اُس کے مختلف
گاڈ یا بھگوان یا اللہ خدا کہنے کو ہیں

دین کے بارے میں جو کچھ منھ میں آیا بک دیا
ہم اِس آزادی کو مالی خولیا کہنے کو ہیں

اب نہیں باقی مسلمانوں میں عقلِ حق شناس
یہ تو جو کچھ مولوی کہہ دیں بجا کہنے کو ہیں

عالمانِ دین کہ از روئے حدیثِ معتبر
پیشوا و مقتدا و رہنما کہنے کو ہیں

نام بھی دُنیا کا سُن پائیں تو بس بالاتفاق
ارتداد و کفر و حرفِ ناسزا کہنے کو ہیں

سود بے سرمایہ ہے سرتا بسر اُن کی معاش
دوسروں سے حَرَّمَ اللّٰہُ الرِّبٰوا کہنے کو ہیں

اے فلک دیکھ اب سنبھل جانا کہ آخر کار ہم
زندگی سے تنگ آ کر یا خدا کہنے کو ہیں

گر مدینے جائیو تو ہم سے مِل کر جائیو !
ہم بھی کچھ پیغام اے بادِ صبا کہنے کو ہیں

وہ رسولِ ہاشمی جو اُس جگہ مدفون ہیں
اُن کی روحِ پاک کو صلِّ علیٰ کہنے کو ہیں

پھر بصد عجز و ادب تیری زبانی اے صبا
اُن کی خدمت میں یہ عرض و التجا کہنے کو ہیں

اتنا کہہ دینا کہ گو ہم تیرے کہنے میں نہیں
پھر بھی ہم تیرے امامِ اتقیا کہنے کو ہیں

دولت اور عزت حکومت شان و شوکت سلطنت — کھو کے سب کچھ زندہ اب ہم بے حیا کہنے کو ہیں

یہ تو حالت ہو اور اس پر دشمن از راہِ حسد — یا بُرا کرنے کو ہیں اور یا بُرا کہنے کو ہیں

رحمۃ للعالمین کیجیے دعا بہرِ خدا — حاملانِ عرش آمینِ دعا کہنے کو ہیں

کتنی چیزیں ہیں کہ خارج میں نہیں اُن کا وجود — جیسے عنقا و ہما و کیمیا کہنے کو ہیں

آدمی کی عادتوں میں بھی علیٰ ہذا القیاس — اتحاد و الفت و مہر و وفا کہنے کو ہیں

مدعی بن کر گواہی دیں گے منھ پر صاف صاف — پس یہ دست و پا ہمارے دست و پا کہنے کو ہیں

نظمِ قومی کی تو کچھ ہوتی نہیں لوگوں میں قدر — ہم بھی کوئی دن کو اک اندر سبھا کہنے کو ہیں

اُس میں شوقِ وصل کی بے تابیاں لکھنے کو ہیں — اُس میں وصفِ غمزۂ ناز و ادا کہنے کو ہیں

جب چھپ جائے گی یاروں میں غزل تب دیکھنا — جتنے مُنھ ہیں اُن میں کتنے واہ وا کہنے کو ہیں

کوئی لے بھی جائے ہم سے دل کہ قصہ پاک ہو — یہ حسینانِ جہاں بھی دل رُبا کہنے کو ہیں

نظم تنگی کر چکی اشعار بن چھپتے نہیں — اور ابھی ہم کو بہت سے مدعا کہنے کو ہیں

سید احمد خاں کو اُن کے ضبط و استقلال پر — آفریں و حبذا و مرحبا کہنے کو ہیں

عقل کو اُن کی سلیم اور رائے کو اُن کی صواب — اُن کی غور و فکر کو دور از خطا کہنے کو ہیں

گر مسلمانوں کو کشتی فرض کر لو فی المثل — اِن کو کشتی کا مبارک ناخدا کہنے کو ہیں

وہ جو کالج ہے علی گڈھ میں اُسے از راہِ فخر — ہم مسلمانوں کا قومی مدرسہ کہنے کو ہیں

علم کی ٹکسال ہے یہ جس نے لی اس کی سند — ہم اُسی کو رائج الوقت اور کھرا کہنے کو ہیں

کوئی حاسد ہو اگر در پردہ اُس کے برخلاف — اُس کو ہم اسلام کا دشمن کُھلا کہنے کو ہیں

لوگ سنتے سنتے عاجز آ گئے بس کہہ چکو — کب تلک کہنے کو ہیں اور تا کجا کہنے کو ہیں

سترھویں نظم

یہ نظم بھی میرٹھ کانفرنس میں پڑھی گئی ؎

عزت نہیں ہنر نہیں پلّے ٹکا نہیں
دنیا میں اب تو جینے کا مطلق مزا نہیں

جن کی عمارتیں بہ فلک سرکشیدہ تھیں
نسلوں میں اُن کی رہنے کا اب جھوپڑا نہیں

جن کے گھروں میں مخملِ رومی کے فرش تھے
اب اُن کے پاس بیٹھنے کو بوریا نہیں

تنور گرم رہتے تھے جن کے شبانہ روز
نوبت یہ ہے کہ چولھے پر اُن کے توا نہیں

دادا کو دیکھا عالم و فاضل تھے مستند
پوتے سے پوچھتے ہیں تو حرف آشنا نہیں

باوا فقیر تھے کہ انھیں پوجتے تھے لوگ
بیٹا فقیر ہے کہ کوئی پوچھتا نہیں

پشتینی زبردست کریں بد دماغیاں
اے قوم تجھ میں غیرت و شرم و حیا نہیں

اول سے ہوتے آئے ہیں دنیا میں انقلاب
اک طرح پر کسی کا زمانہ رہا نہیں

ہم بھی اگر زمانے کی گردش میں آگئے
تقدیر و بخت و چرخ سے کوئی گلا نہیں

برسوں رہے ہیں ہم پہ کرم ہائے روزگار
اک بے رخی پہ روٹھنا شرطِ وفا نہیں

یہ اتفاق وقت نہیں نادر الوقوع
یہ ماجرا عجیب کوئی ماجرا نہیں

مایوس کس لیے رہیں ہوں نا اُمید کیوں
کوئی مرض نہیں ہے کہ جس کی دوا نہیں

گر سلطنت گئی تو گئی کیا مضائقہ
کیا اس بغیر کوئی جہاں میں جیا نہیں

ہمت خدا اگر نہ ہرائے کہ یہ رہے
اور جائے سب تو جانو ابھی کچھ گیا نہیں

جو برسرِ عروج ہیں اب فی زمانت
ان میں بھی جملہ فردِ بشر بادشا نہیں

معمور ہیں خزائنِ انعامِ کردگار
پر کیا کریں کہ ہاتھ ہی اپنا رسا نہیں

خلعت گر اُس کی اپنے بدن پر نہ ٹھیک آئے / ہی جسم کی خطا یہ قصورِ قبا نہیں

جو واقعہ ہی اُس کا سبب ہی کوئی ضرور / لوٹا کسی مقام سے یہ سلسلہ نہیں

محنت بغیر مُزد کسی کو نہیں ملا / بے جوتے بوئے کھیت کسی کا پھلا نہیں

پھر یہ جو ہم سبھوں پہ گزرتی ہیں سختیاں / کیا اپنی نالیاقتیوں کی سزا نہیں

فرما دیا ہی صاف کلامِ مجید میں / قسمت میں آدمی کی بجز ماسعیٰ نہیں

کیا رویئے کہ غور سے دیکھا تو واقعی / اپنا ہی ہی قصور کسی کی خطا نہیں

ہم آپ جمنے دیتے نہیں نقشِ مدعا / ورنہ ہمارے ہاتھ میں سب کچھ ہی کیا نہیں

ہم اہل ہوں تو خوانِ کرم اُس کا ہی وسیع / اوروں کا وہ خدا ہی ہمارا خدا نہیں

جو جس نے مانگا اُس نے دیا سب کو بے دریغ / محروم اُس کے فیض سے کوئی رہا نہیں

کیا اُن کو آفتاب نہیں ہی جہاں فروز / یا شب کے وقت نورِ قمر کی ضیا نہیں

دیکھا کسی نے پھانک کے اوپر سے سنگ کو / اور وہ کبھی زمین پہ آخر گرا نہیں

یا آگ کی کمی ہی ہمارے دیار میں / پانی نہیں زمین نہیں یا ہوا نہیں

ہندوستاں میں قوتِ برقی کا قحط ہی / یا یاں ٹنوں[۵۱] سٹیم[۵۲] بنا اور اُڑا نہیں

یا ہم خدانخواستہ معذورِ بخت ہیں / یعنی کہ چشم و گوش نہیں دست و پا نہیں

معلوم ہی کہ علم پر اب ہی مدارِ کار / اور جس کو یہ نہیں اُسے جینا روا نہیں

پر علم وہ کہ جس سے ہی یورپ کو امتیاز / اس سے مراد شاعریِ ایشیا نہیں

کرتا ہی ایک افسرِ تعلیم یوں رپورٹ / ڈھونڈے سے جب کوئی سبب اُس کو ملا نہیں

ہوتے ہیں یوں جو فیل مسلمان بالعموم / اُن میں مگر مناسبتِ ہندسہ نہیں

۵۱ (۲۸) من کا ایک ٹن ہوتا ہی ۱۲۔ ۵۲ بھاپ ۱۲۔

ہے بات یہ کہ جزوِ بدن کس طرح سے ہو
رغبت کے ساتھ کھائی گئی جو غذا نہیں

صدہا برس سے بگڑے ہوئے ہیں مذاقِ قوم
آخر رواج و رسم کوئی شے ہے یا نہیں

چھٹتے ہی چھٹتے چھوٹے گی عادت پڑی ہوئی
دو چار دن کا کام تو یہ مشفقا نہیں

ہاں اک سبیل ہے کہ علی گڈھ چلے چلو
اس وقت اس سے ہند میں بہتر جگہ نہیں

وہ آکسفورڈ و کیمبرج کا جواب ہے
بس اتنا فرق ہے کہ وہ آب و ہوا نہیں

واں قدردانیاں ہیں تو یاں بدگمانیاں
اور تہمتیں کہ جن کی کوئی انتہا نہیں

واں مدرسوں کے واسطے چندوں کی ریل پیل
یاں یہ سبق کوئی متنفس پڑھا نہیں

واں ہمتیں کہ بامِ فلک پر ہیں عروج
یاں بیٹھے بیٹھے اٹھنے کا بھی حوصلہ نہیں

وہ مستعد کہ چل کے کریں سیر بحر و بر
ہم ہیں گھروں کی قید سے کوئی رہا نہیں

واں وقت کی یہ قدر کہ ضائع نہ ہو منٹ
یاں روز و ماہ و سال کی پروا ذرا نہیں

وہ منہمک کہ کام میں ہر وقت مشتغل
ہم اینڈتے اس لئے کہ کوئی مشغلہ نہیں

اک ہم کہ ہم کو سو میں سے ننانوے میں عار
اک وہ کہ کوئی کام ہو ہرگز ابا نہیں

عیسائیوں میں ساری مسلماں کی خصلتیں
اسلامیوں میں ان کی سی کوئی ادا نہیں

واں اتحاد و یکدلی و الفت و وفاق
یاں ایسے اختلاف کہ کہنے کی جا نہیں

یاں چھوٹی چھوٹی باتوں میں مذہب کی روک ٹوک
واں ایسے معاملات کا کچھ تذکرہ نہیں

پالو نہ پالو ہم کہ رستے ہیں صاف صاف
جس رنگ میں ہو وقت کا یہ اقتضا نہیں

انگلینڈ میں دو مشہور یونیورسٹیاں ہیں ۱۲

اٹھارویں نظم

یہ نظم مولانا نے انجمن حمایت اسلام لاہور کے بارھویں سالانہ جلسے میں ۱۸۹۷ء میں پڑھی تھی۔ نظم پڑھنے سے پہلے مولانا نے ارشاد فرمایا تھا کہ ”جس طرح وہ شب زندہ دار بزرگ[1] مریدوں کے بھرّے میں آکر ہزار پانسو نفلیں پڑھنے لگے تھے۔ میں بھی لوگوں کے کہے میں آکر شعر کہنے لگا۔ مگر جیسی اُن کی نفلیں ہوتی ہوں گی۔ ویسے ہی میرے شعر ہوتے ہیں۔ پچھلے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس میں بڑی شد و مد کے ساتھ اعتراضات ہوئے کہ کانفرنس عملاً کچھ نہیں کرتا بلکہ لوگوں نے اس کو مشاعرے کی محفل بنالیا ہے۔ میں تو سمجھا کہ خدا نے شعر گوئی سے پیچھا چھڑایا مگر آپ لوگ تعجب کریں گے کہ جو صاحب[2] بڑی شد و مد کے ساتھ شعر گوئی پر اعتراض کرتے تھے وہی بڑی شد و مد کے ساتھ مجھ سے نظم کی درخواست بھی کرتے تھے۔ ادھر تمھارے ہاں پارسال کسی صاحب نے میرا نام لے کر کہہ دیا کہ وہ ہمیشہ لکچر سے پہلے ضرور نظم پڑھا کرتا ہے ہمیشہ اور ضرور تو نہیں مگر ہاں پڑھا کرتا ہوں۔ اور یہ سمجھتا ہوں کہ جس طرح یونانی طبیبوں کے ہر ایک نسخہ میں شربت ہوتا ہے یا خمیرہ یا مصری کہ شیرینی کے شمول سے طبیعت دوا کو قبول کرے اسی طرح نظم کے شمول سے لوگ لکچر کو رغبت سے سنیں۔ خیر تو جو لکچر میں دینے والا ہوں اُس کی تمہیدی نظم یہ ہے۔ اور اس طرح اسد اللہ خان غالب مجھ سے پہلے اختیار کر چکے ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں ؎

[1] ان بزرگ کی نقل دیباچہ میں دیکھو ۱۲ [2] غالباً نواب محسن الملک کی طرف اشارہ ہے ۱۲۔

زندگی اپنی جو اس طرح سے گزری غالب
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

ہائے وہ دورِ موافق کہ مسلمان کبھی
حشمت و سلطنت و کِبر و غنا رکھتے تھے

حاکمِ وقت تھے اور ملک سے لیتے تھے خراج
تاجِ شاہنشہی و چتر و لوا رکھتے تھے

رعب دیتا تھا اُنھیں لشکرِ جرّار کا کام
کہ زمانہ میں بندھی اپنی ہوا رکھتے تھے

فتح آغا دمہ تھی اُن کی اور اقبال غلام
مختصر یہ ہے کہ پلّے پہ خدا رکھتے تھے

وہ بھی انسان تھے ہمارے ہی طرح کے انساں
یہی صورت تھی اور ایسے ہی قُویٰ رکھتے تھے

ہاتھ پاؤں اُن کے بھی دو دو ہی ہوا کرتے تھے
وہ بھی دو آنکھیں دو گوشِ شنوا رکھتے تھے

وہ بھی تھے عالمِ اسباب میں محکومِ قضا
نہ کوئی قاعدہ قانون نیا رکھتے تھے

بین ستین و سبعین[۱] تھی مقدارِ حیات
اور یہی ضابطۂ صبح و مسا رکھتے تھے

مشکلیں اُن کو بھی پیش آتی تھیں وقتاً وقتاً
وہ بھی احساسِ تکالیف و عنا[۲] رکھتے تھے

پھر وہ کیا نقص ہے جو ہم میں ہے اور اُن میں نہ تھا
کون سا وصف وہ اپنے میں سوا رکھتے تھے

غیر ازیں ہم کو دکھائی نہ دیا فرق کہ وہ
دل جدا دل کے خیالات جدا رکھتے تھے

دلِ آئینہ تھے صاف تجلّی شفاف
نورِ ایمان کی صیقل کی ضیا رکھتے تھے

دین و دنیا کو برتتے تھے مگر عدل کے ساتھ
دونوں پلّوں کو ترازو کے تُلا رکھتے تھے

متوکّل تھے مگر کوشش و تدبیر کے ساتھ
اونٹ کو تھان پہ کھونٹی سے بندھا رکھتے تھے

طالبِ عزتِ دنیا تھے فقط دیں کے لیے
ورنہ دنیا کو وہ نظروں سے گرا رکھتے تھے

۱ه ۔ ستر و اسی یعنی یہی عمریں ستّر و اسّی کے درمیان جواب ہوتی ہیں اُن لوگوں کی بھی یہی ہوا کرتی تھیں ۱۲

۲ه ۔ رنج ۱۲ ۔

کارِ دنیا میں تھے مشغول بظاہر ہمہ تن — دل مگر یادِ الٰہی میں لگا رکھتے تھے
وعدہ کرتے تھے تو بات اُن کی تھی پتھر کی لکیر — قول کے مرد تھے اور پاسِ وفا رکھتے تھے
امن دیتے تھے تو ہو جاتے تھے آپ اُس کی سپر — نہ کہ کہہ دیتے تھے اور دل میں دغا رکھتے تھے
مستحقِ حق کی ضرورت اگر آ پڑتی تھی — کہہ گزرتے تھے نہ کچھ باک ذرا رکھتے تھے
ڈانٹ بتلائی ہے بڑھیوں نے بلا خوف و خطر — بادشاہوں کو اگر قصدِ خطا رکھتے تھے
جنتری میں سے شریعت کی وہ نکلے تھے قویم[۵۱] — عادت و طور طریقِ صُلحا رکھتے تھے
اُن کے انفاق[۵۲] تھے ایثار کہ دیکھے نہ سنے — گرچہ دنیا میں بہت جود و سخا رکھتے تھے
آپ سو رہتے تھے مہماں کی خاطر بھوکے — بلکہ بچوں کو بھی فاقے سے سلا رکھتے تھے
سر بکف رہتے تھے اسلام کی خاطر ہمہ وقت — الغرض قوم پہ اپنے کو فدا رکھتے تھے
ایک کر ڈالا تھا یاروں نے پسینا اور خون — تب کہیں دین کے گلشن کو ہرا رکھتے تھے
فتنہ پرداز کوئی قوم کے حق میں ہووے — خلل انداز وہ کب اُس کو روا رکھتے تھے
فقر و فاقہ کے وہ خوگر تھے بلا استکراہ — پیٹ کو بھوک کی شدت میں کسا رکھتے تھے
بے تکلف تھے سپاہی منش آزاد مزاج — دین دارانہ ہر ایک آن و ادا رکھتے تھے
ایک درجے میں گنے جاتے تھے آقا و غلام — نہ کم و بیش نہ چھوٹا نہ بڑا رکھتے تھے
جتنی باتیں ہیں فضیلت کی شرف کی اُن میں — سب سے اپنا قدم آگے کو بڑھا رکھتے تھے
جھٹ اُڑا لیتے نئی چیز اگر دیکھ پڑیں — عار رکھتے نہ تھے اور ذہن رسا رکھتے تھے
پس وہ ممتاز تھے ممتاز تھے بااستحقاق — لاجرم مسندِ عزت پہ جگہ رکھتے تھے

۵۱ راست و مضبوط ۱۲ ۵۲ انفاق۔ روزی دینا خرچ کرنا۔ ایثار دوسروں کی منفعت کو اپنی مصلحت پر مقدم رکھنا کہ یہ کمال درجہ سخاوت کا ہے ۱۲ —

کاش وہ دن ہو کہ ہم بھی کہیں ہم رکھتے ہیں
اِس قدر بے سر و ساماں ہیں کہ آئے نہ یقین

کیا ہوا اس سے کہ سو بار کہا رکھتے تھے
کہیئے کس منہ سے کہ ہم بھی کبھی کیا رکھتے تھے

اُنیسویں نظم

یہ نظم مولانا نے مدرسۂ طبیہ دہلی کے آٹھویں سالانہ جلسے میں ۲۷ - مارچ سنہ ۱۸۹۷ء کو پڑھی تھی ۔

اگرچہ دیر سے ہیں مجتمع خواص و عوام
پر اِس میں شک نہیں جلسہ ہے اب کا بے ہنگام

کسی طرف سے بھی آوازِ خوش نہیں آتی
کچھ ایسا بگڑا ہی نظمِ لیالی و ایام

وہ بمبئی کہ جو تھا مرکزِ تجارتِ ہند
وبا نے کر دیا گویا کہ اُس کا کام تمام

مکان - رت جگے رہتے تھے جن میں ساری رات
وہ کر رہے ہیں پڑے بھائیں بھائیں اول شام

حکایتیں جو مصائب کی اُن کی سُنتے ہیں
تو دونوں ہاتھوں سے لیتے ہیں ہم کلیجہ تھام

خدا ہی جانے ہوئیں کتنی عورتیں بیوہ
خدا ہی جانے ہوئے بچے کس قدر ایتام[1]

جلاوطن ہوئے کتنے کہ جو نہ ٹھہر سکے
کوئی سِلُون[2] کو بھاگا کوئی گیا آسام

مگر پناہ نہیں آ ہوئے حرم کو بھی
کہیں - جہاں ہیں جس دم قضا بچھائے دام

ہر اتو کرتے ہیں لیکن نہ یوں مفاجاۃً
تب آئی صبح کو دن چڑھتے ہو گیا سرسام

ہوئی دوپہر تو دنیا سے ہو گئے رخصت
کہ تب کے ساتھ ہی آیا تھا مرگ کا پیغام

[1] یتیم کی جمع ۱۲ [2] سیلون یعنی لنکا ۱۲

ہزاروں آدمی گرجاں بحق ہوئے تو ہوئے
یہ کیا غضب ہی ہوئی طب رہی سہی بدنام

علاج جتنے کیئے سب کے سب گئے بے سود
بتائیں جتنی تدابیر سب رہیں ناکام

بس اب کھُلا کہ طبابت کی اتنی ہستی ہی
کہ جھٹ سے لکھ دیا خیسانده از برائے زکام

سکنجبین کو فرمایا قاطعِ صفرا
مریضِ تپ کو بتلایا روغنِ بادام

بنی جب آن کے جانوں پہ ور رہی عاجز
تو ایسی طب کو سلام اور سلام اور سلام

دوا کا حیلہ ہی گر وقت ابھی نہیں آیا
تو ہوتے دیکھا ہی چٹکی سے خاک کی آرام

اور آن پہنچا ہی وعدہ تو بس سمجھ رکھو
دعا دوا کوئی تدبیر بھی نہ آئے کام

اِدھر وبا تھیں پر قحط اور گرانی سے
مچا ہوا ہی ہر اک گھر میں رات دن کہرام

غلط کہ عید ہوئی ہم کو کوئی سمجھا دے
یہ فاقے کیسے اگر ہو چکا ہی ماہِ صیام

ہمیں تو بے زری اور مفلسی نے مار دیا
وگرنہ کیا تھا جو ہوتے گرہ میں اپنے دام

وبا و قحط سے باقی تھا کیا اُجڑنے میں
مگر بھلے کو نگہبانِ خلق تھے حکّام

کجا فراغ۔ خوشی کیسی۔ کس کا اطمینان
اِن آفتوں کے سبب ہو رہی ہی زیست حرام

یہ قحط دور ہو تب کچھ دن کی بات سو بات
سنا تو ہو گا کہ اول طعام بعد کلام

پھری ہوئی ہی خدا کی نظر کچھ اِن روزوں
کہ ہم نے توڑے ہیں اُس کے ضوابط و احکام

بساط یہ ہی اور اُس پر گناہ کی جرارت
نمونہ یہ ہی اور اُس پر قصور کا اقدام

کیا ہی دین و شریعت کا ہم نے استخفاف
مگر خدا کو بھی سمجھا ہی داخلِ اوہام

اُسی سے ہو سکے ہم سے بدوں کے ہاتھ سلوک
اُسی سے بن پڑے نالائقوں کو دے انعام

سوائے توبہ نہیں کچھ علاج قہرِ خدا
طبیب ہو کہ طبابت کسی پہ کیا الزام

وہ چاہے مار دے ہم سب کو بے وبا بے قحط
بقا تجھی کو ہی اے ذوالجلال والاکرام

گناہ گار ہیں پر معترف قصور کے ہیں
وسیع ہی تری رحمت کرم ہی تیرا عام
جئیں تو خوش جئیں اور امن و عافیت سے جئیں
جب آئے موت تو سب کا بخیر ہو انجام

بیسویں نظم

یہ نظم ڈائمنڈ جوبلی شصت سالہ حضور ملکہ معظمہ قیصر ہند پر دہلی کے جلسۂ عام میں پڑھی گئی تھی ؎

بعد مدت ہوئی خوشی غم میں
کہ پڑی جوبلی محرّم میں
ایسی تقریب میں نہ خوش ہوں تو پھر
کیا تفاوت دوابؔ میں ہم میں
ہیں مسلمان رعیتِ انگریز
ایک طرح پر حروف مدغم میں
روے ایک آنکھ اور ہنسے اک آنکھ
رقص کی شان نکلے ماتم میں
دل میں ہو آہ منھ سے نکلے واہ
نفی و اثبات دونوں اک دم میں
زمزمے سے اگر ہو شادیِ مرگ
ڈوب جائیں گے آبِ زمزم میں
قحط ہو یا وبا ہو یا افلاس
جائیں سب ایک دم جہنم میں
اٹھو گت بھر کے ہم کو دکھلاؤ
وہ نہیں ہم کہ شاد ہوں کم میں
پر رعایت اصول کی رکھنا
زیر میں بم میں تال میں سم میں
ملکہ کو دعائیں دو دل سے
کہ رہیں تا بدیر عالم میں

؎ چوپایے ۱۲-

آفتاب اِن کے عدل کا تاباں
جیسے پورپ میں ویسے پچھم میں
پرورش پائے اُن کی ہیبت سے
بُرّہ بُز کنارِ ضیغم میں
وہ شہنشاہِ روم کی ہوں رفیق
بحرِ مواج و برِّ اعظم میں
اور کبھی کشمکش نہ ہو واقع
دونوں کے ارتباطِ باہم میں
کاش اُڑتا ہوا دکھائی دے
یونین جیک[۱] جیش اوہم میں

اکیسویں نظم

ایک دوسری نظم جو ڈائمنڈ جیوبلی کے جلسے میں بمقام دہلی پڑھی گئی

عجب زمانے کی حالت ہی اندنوں ابتر
کہ کوئی خیر نہیں جس میں شر نہ ہو مضمر
کیا ہی روم پہ یورپ نے اس طرح نرغہ
کہ دسترس ہو تو کر ڈالیں اُس کو زیر و زبر
بایں قصور کہ اس سلطنت کے صوبے چند
یہ چاہتے ہیں کہ ہو جائیں حاکم خود سر
وہ دیکھتے ہیں کہ اور اُن کے بھائی عیسائی
ہوئے ہیں مالکِ روئے زمین چہ بحر و چہ بر
انھیں کے ہاتھ میں ہی مدعا چہ نیک و چہ بد
انھیں کے قبضۂ قدرت میں ہی چہ خشک و چہ تر
اب اِن سے اُٹھ نہیں سکتا جو احکومت کا
علی الخصوص مسلّط ہو غیر گر اِن پر
خراج مانگیں تو چلا اُٹھیں کہ لوٹ لیا
ہی اِن سے بات کا کہنا بھی مارنا پتھر
یہ اُونٹ دیکھیے اب بیٹھتا ہی کس کروٹ
کہ بات آن پڑی اختلافِ مذہب پر

[۱] انگریزوں کا جھنڈا ۱۲

ادھر عساکرِ مصری ہیں عازمِ خرطوم — مقابلے میں ہیں درویش ہو کے سینہ سپر
رُکے یہ وہ نہیں طوفان کسی کے روکے سے — بجھے کسی کے بجھائے یہ وہ نہیں اخگر
بہائے خون کے دریا یہ سیل ملکوں میں — یہ آگ کر دے علاقے جلا کے خاکستر
ہو جب مخاصمتِ مذہبی فریقوں میں — تو صلح کیسے ہو اور التیام ہو کیوں کر
نہ وہ مسیح کے قائل کہ تھے وہ ابن اللہ — نہ یہ رسولِ عرب کا کہا کریں باور
وہ اِن کو سمجھیں بد و بدترینِ مخلوقات — یہ اُن کو جانیں ملاعین مستحقِ سقر
عجیب کشمکشوں میں ہے ملکِ افریقہ — لٹک رہا ہے پڑا بیچ میں اِدھر نہ اُدھر
اٹالئیر[ف۱] ہیں شاہِ حبش سے برسرِ کیں — ہے دو فریق میں دائر شکست فتح و ظفر
ابھی بھی چین سے رہنا اسے نصیب نہیں — اگرچہ چین نے جاپاں سے صلح کی دب کر
وہی مثل ہے جو پڑھتے ہوئے سنی ہوگی — کسی سکول کے لڑکے کو آپ نے ریڈر
شکار گرگ نے مارا اور اُس پہ ٹوٹ پڑے — براہِ حرص شغال و پلنگ و شیرِ ببر
اگر نہ ہو خبرِ خوش تو کیا کرے مخبر — توقعات یہ بدنام ہے عبث رویٹر[ف۲]
جدھر نگاہ اٹھاؤ اُدھر فساد فساد — مگر نظامِ تمدن ہے کُل یوم بتر
نہیں کہ ہند ہے آفات دہر سے محفوظ — بلائے قحط ہے اور مرگ بے اماں فیور[ف۳]
صفائی ہوتی گئی جس قدر صفائی کی — تھے آدمی خس و خاشاک موت تھی مہتر
ڈرے بلا سے ہماری بلا کہ ہم کو نہیں — کسی گزند سے بیم و ہراس خوف و خطر
ہمیں پناہ ہے وکٹوریہ کی شفقت کی — ہم اُس کے بچے وہ ہم سب کی مہرباں مادر
گر آسمان نے کیا بخل اور نہ برسا مینھ — کی اُس کے فیض نے باران سے بڑھ کے بارشِ زر

ف۱ ملک اطالیہ کے رہنے والے ۱۲ ف۲ ولایت کی اُس مشہور ایجنسی کا نام ہے جو ہر ملک میں تار پر خبریں دوڑاتی ہے ۱۲

ف۳ بخار تپ ۱۲

جہاں کہیں ہی کوئی شئ ز قسم ماکولات — ہمارے پاس چلی آرہی لدلد کر
پلیگ آتے تو آئی پر اُس نے کیا دیکھا — کہ اُس کے دفع کی خاطر ہی مستعد لشکر
ہی ایک محکمہ حفظانِ تندرستی کا — ہزاروں آدمی از زیر دست تا افسر
جہان دیکھے ہوئے ڈاکٹر گروہ گروہ — یہ کرکے چھوڑیں گے طاعون کو کوئی دن میں بدر
غرض کہ جو ہوا جو ہو رہا ہی اس سے سوا — جہاں میں کر نہیں سکتا ہی کوئی فردِ بشر
دعائیں کیسے نہ دیں شرطِ آدمیت ہی — کبھی ہوا ہی کہیں ایسا شاہِ نیک سیر
کوئین[1] زندہ سلامت بخیر و با اقبال — یہی دُعا ہی ہماری خدا سے آٹھ پہر
وہ ہم نہیں کہ شکایت زبان پر لائیں — اگرچہ سیلِ بلا سر سے کیوں نہ جائے گزر
ہمارا شیوۂ دین ہی اطاعتِ حاکم — یہی ملا ہمیں حکمِ خدا و پیغمبر
جُز امتثال نہیں کوئی ہم کو چارۂ کار — جُز انقیاد نہیں ہم کو کچھ گریز و مفر
کریں خلاف تو اسلام سے ہوے خارج — کریں عدول تو جانو کہ ہو گئے کافر
پر اپنا حال نہ تم سے کہیں تو کس سے کہیں — کہ تم ہو اہلِ دول ہم فقیرِ دست نگر
ہوئے ہیں ہم ہدفِ حادثات مدت سے — تمھیں پناہ ہماری تمھیں ہماری سپر
ہمارا حال ہی ازبسکہ قابلِ عبرت — بیان کیجیے تو بہ جائے خون ہو کے جگر
وہی ہیں ہم کہ کبھی افسریِ کے شایاں تھے — وہی ہیں ہم نہیں رکھتا ہمیں کوئی نوکر
وہی تو ہم ہیں کہ ہیں کوڑیوں کو اب محتاج — وہی تو ہم ہیں کہ تھے مالکِ زر و گوہر
وہی تو ہم ہیں کہ تھے بانیِ حصون[2] و قصور — وہی تو ہم ہیں کہ چھپریل بھی نہیں چھپّر
وہی تو ہم ہیں کہ تھے مسندوں پہ جاگزیں — وہی تو ہم ہیں کہ اب فرشِ خاک ہی بستر

[1] ملکہ ۱۲۔ [2] قلعے اور محلات ۱۲۔

وہی تو ہم ہیں کہ باغ جہاں کی رونق تھے　　وہی ہیں ہم خس و خاشاک سے کہیں بدتر
وہی تو ہم ہیں کہ اب سب سے ہیں گئے گزرے　　وہی تو ہم ہیں کہ اپنا نہ تھا کوئی ہمسر
وہی تو ہم ہیں کہ تھے مالکِ رقابِ[۵۱] امم　　وہی تو ہم ہیں کہ اب سب کے ہیں خریدۂ زر
وہی تو ہم ہیں کہ ہیں جاہلوں میں اپنا شمار　　وہی تو ہم ہیں کہ تھے سب علوم مستحضر
وہی تو ہم ہیں کہ اب پاشکستہ بیٹھے ہیں　　وہی تو ہم ہیں کہ سیر و سفر کے تھے خوگر
وہی تو ہم ہیں کہ سب ایک سمجھے جاتے تھے　　وہی تو ہم ہیں کہ ستّر[۵۲] ہیں بلکہ دو اُوپر
وہی تو ہم ہیں کبھی ملک داریاں کی ہیں　　وہی ہیں ہم کہ سنبھالے نہیں سنبھلتا گھر
وہی تو ہم ہیں کہ اپنا بھی کچھ شعور نہیں　　وہی تو ہم ہیں کہ رکھتے تھے غیب تک کی خبر
وہی تو ہم ہیں کہ جادو اُتارے کتنوں کے　　وہی تو ہم ہیں کہ اب ہم کو کھا گئی ہی نظر
وہی تو ہم ہیں کہ جس امتحاں میں دیکھو فیل　　وہی تو ہم ہیں کہ تھے پاس اولیں نمبر
لیئے بہت مگر ایسے بھی کم لیئے ہوں گے　　کہ جن کے پاس نہ دولت رہی نہ علم و ہنر
ہم اپنے منھ سے کہیں کیا کہ این ہکن آن کن　　جو جی میں آئے کرو رکھّو پر کرم کی نظر

بائیسویں نظم

(قطعہ)

جس کو مولوی صاحب موصوف نے طلائی کاغذ پر لکھوا کر اور سنہری چوکھٹے میں نصب کرا کر مع ایک جلد قرآن مجید مترجمہ خود جناب سر میکورتھ ینگ بہادر لفٹنٹ گورنر پنجاب کی خدمت میں پیش کیا اور ۱۸۹۷ء میں اور قطعہ خود پڑھ کر سنایا ہز اکسلنسی نے بڑی خوشی کے ساتھ مولوی صاحب کے تحفہ کو قبول فرمایا

[۵۱] امتوں (قوموں) کی گردن ۱۲۔ [۵۲] یعنی بہتّر فرقے ۱۲۔

بدلے گا اب بہار سے قطعاً خزاں کا رنگ
حاکم ہوئے ہیں صوبہ کے سرمیکورتھ ینگ

کیا حسنِ انتظام ہی بسمارک[۵۱] بھی اگر
جرمن سے آکے دیکھے تو ہو جائے عقل دنگ

ایک نصف درجن آنکھوں سے گزری ہیں لفٹنٹ
پر ان کے انتظام کے بالکل نئے ہیں ڈھنگ

انصاف اس کو کہتے ہیں عدل اس کا نام ہی
ایک گھاٹ پانی پیتے ہیں بزغالہ و پلنگ

ہیبت تمھاری لشکرِ اعدا کو دے شکست
ظاہر کا ایک حیلہ ہی کیا توپ کیا تفنگ

منظور ہو جسے کہ ہو ہر طرح کامیاب
بس تم سے آکے سیکھ لے تدبیرِ صلح و جنگ

قائل نہ تھے کسی کے مگر تم کو دیکھ کر
ہم ہوگئے ہیں معتقدِ دانشِ فرنگ

اب سن کے تم کو حاکمِ پنجاب خوش ہوئے
تھے اس سے پہلے اہلِ ہنر زندگی سے تنگ

مجکو ملا خطاب تو ہی مجکو اس سے فخر
گو ہی خطاب کو میری نسبت سے عار و ننگ

ہر چند ہوں کمال و فضیلت سے بے نصیب
پر شکر ہی کہ طبع میں جودت ہی اور اُمنگ

کہتا نہیں مگر مجھے قدرت ہی نظم پر
لیکن نہیں ہی دوسروں کی طرح سے دبنگ

لوہا نہیں ہی ذہن کی تلوار کا خراب
ہاں بے مہارتی کے سبب سے چڑھا ہی زنگ

الماس ہی نتیجۂ فیضانِ تربیت
ہی ورنہ اصل وضع میں اس کی سرشت سنگ

تم پرورش کرو تو کرے مات برق کو
عند السباق[۵۲] سرعتِ رفتار اسپ لنگ

عہدِ حکومت آپ کا یوں ہو مفیدِ ملک
سیراب جیسے کرتا ہی کھیتوں کو آب گنگ

۵۱۔ جرمنی کا مشہور وزیر اعظم ۱۲۔

۵۲۔ چلنے کے وقت دوڑنے میں سبقت لے جانا۔ آگے بڑھ جانا ۱۲۔

تیئیسویں نظم

خلعت اور خطاب شمس العلماء یہ دو نوچیزیں منیوسپل ہال دہلی کے دربارِ عام منعقدہ ۲۲ جون سنہ ۱۸۹۷ء میں کپتان ڈلیوس صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر کے ہاتھ سے ملیں اُس وقت اشعار ذیل پڑھے گئے۔

کیوں کر کہیں کسی سے کہیں ہم کون ہیں کیا ہیں
ایک ذرہ ہیں اور نام کے شمس العلما ہیں

انسان کو کہتے ہیں کہ ہے بندۂ احساں
یعنی کہ ہم آوازۂ گنبد کی صدا ہیں

گر شاہ کرے لطف وعنایت تو رعایا
تسلیم واطاعت میں غلاموں سے سوا ہیں

خود تم کو نہیں مال وزر وسیم کی پروا
اور ہم بھی ادھر مفلس و بے برگ ونوا ہیں

لیکن دل وجاں رکھتے ہیں اور دونوں کے دونوں
سچ مانو قربان ہیں تم پہ سے فدا ہیں

کیا ہو سکے احسانِ گورمنٹ کا بدلہ
بس عہدِ مقبل یہ ہے کہ مصروفِ دعا ہیں

جس عہد میں ہم امن سے بیٹھے ہیں الٰہی
قایم رہے جس وقت تلک ارض وسما ہیں

ڈلیوس کو خدا لاٹ کرے سب کہو آمین
اس کشتیِ طوفان زدہ کے ناخدا ہیں

متفرق نظمیں

چوبیسویں نظم[1]

اغیار اگر ہم سے ہوں ناخوش تو عجب کیا
مدت ہوئی ہم آپ ہی اپنے سے خفا ہیں

[1] پتہ نہیں چلتا کہ یہ نظم کب اور کہاں پڑھی گئی تھی مگر مضمون کے لحاظ سے سرسید کی موجودگی ثابت ہے ۱۲۔

کرنے کے لیئے قالب بیجان ہیں ولیکن — گر کہنے پہ آجائیں تو آندھی سے سوا ہیں
ہفتاد و دو ملت میں کسی سے نہیں ملتے — اسلام میں شامل ہیں اور اِن سب سے جدا ہیں
ڈیڑھ اینٹ کی مسجد ہی امام اُس کے ہیں ہم آپ — ہم آپ ہی آواز ہیں اپنی صدا ہیں
ہر مرتبہ شرمندہ ہیں ماہِ رمضاں سے — اور ہائے نمازیں ہیں کہ ہر روز قضا ہیں
دنیا ہمہ تن درد ہو ہونے دو ہمیں کیا — ایسا بھی مرض ہے کوئی ہم جس کی دوا ہیں
یوں دیکھنے میں ایک نہیں آنکھیں ہیں دو دو — اور پھر بھی پسِ پردۂ کوری و عمی[51] ہیں
ہونا متعرض نہ مسلمان سے کہ یہ لوگ — دُردی کشِ میخانۂ تسلیم و رضا ہیں
پس پھونچ چکی منزلِ مقصود کو وہ قوم — جن میں وہی گمراہ ہیں جو راہ نما ہیں
معلوم و مسلم ہے کہ اسباب تکلف — اکثر سبب زحمت و تکلیف و عنا[52] ہیں
بے اِن کے بھی جی سکتے ہیں اور جیتے ہیں کتنے — دُنیا میں غنی کم ہیں اور اکثر غُربا ہیں
ہستی بھی ہے اک قید مسلمان کے حق میں — فرمانِ اجل آتے ہی مجلس سے رہا ہیں
کس دن کے لیئے دردِ سرِ جمع زر و سیم — سب ہیچ ہے جب ہم ہی سرِ راہِ فنا ہیں
تقدیر پہ شاکر ہیں توکّل پہ ہیں قانع — کاہل کے سبھی کار حوالت بخدا ہیں
سید کے عقائد کی تو کہتے نہیں لیکن — اُمت پہ محمدؐ کی دل و جاں سے فدا ہیں
یہ عمر کہ ہی بیٹھ کے اُٹھنا متعذّر — اور قوم کی خدمت میں لگے صبح و مسا ہیں
بد سنتے ہیں اور کرتے چلے جاتے ہیں نیکی — گویا بشر از صنفِ ملک زیرِ سما ہیں
سادات کی عادات ہیں عادات کے سادات — یہ لوگ مجسم کرم و جود و سخا ہیں
قوم اِن کے بزرگوں نے بنائی تھی اور اب بھی — سادات ہی تسکین دہ اُمید و رجا ہیں

[51] اندھا پنا ۱۲ — [52] رنج ۱۲ —

گر ان کو نہ ہو درد ہمارا تو کسے ہو
چند ان کے حواری ہیں مگر ساتھ ہیں وہ بھی
ایک قوم کی قسمت ہی بُری ہو تو کریں کیا
بیمار ہے اور اُس کے معالج بھی ہیں حاذق
لیکن یہ مصیبت ہے کہ بیمار ہے ضدی
جو چیز ہے کہ اُس کے لیے ہیں زہر ہلاہل
بس اس کا تو مرنا متیقن ہے عزیزو

آخر تو یہ اولادِ شہِ ہر دوسرا ہیں
مطعون ہیں بدنام ہیں انگشت نما ہیں
یاں جتنی تدابیر ہیں محکومِ قضا ہیں
اور نسخے بھی تاثیر میں معجونِ شفا ہیں
جس سے کہ طبیبوں کے بھی اوسان خطا ہیں
اس کو وہی مرغوب ہیں اور اس کی غذا ہیں
اب صبر کریں صبر جو اُس کے ورثا ہیں

پچیسویں نظم[۱]

نکل جائے ارمان گُل کی ہوس کا
مگر موت سے ابن آدم ہے عاجز
ہوا نان کیا ایسی ہستی پہ نازاں
کس آہستگی سے رواں ہیں قوافل
الٰہی وہ کیا ہو گیا زورِ بازو
اگر اس کا فیضانِ حکمت ہو شامل

جو ہو جائے قسمت سے وا در قفس کا
وگرنہ تھا یہ کسی کے بھی بس کا
کہ مہماں ہے دنیا میں چندیں نفس کا
نہ بانگِ حدٰی[۲] ہی ہے نہ نالہ جرس کا
کہ ہم میں کا ایک ایک مقابل تھا دس کا
تو ہو شہدِ صافی اُگال ایک مگس کا

[۱] معلوم نہیں ہوتا کہ یہ نظم کس موقع پر پڑھی گئی تھی لیکن عبارت سے انجمن حمایت اسلام لاہور کے یتیموں کے کسی جلسے میں پڑھنا معلوم ہوتا ہے ۱۲۔ [۲] وہ گیت جو شتربان اونٹ کے ہانکتے وقت گاتے ہیں ۱۲۔

جو کچھ تم کو کرنا ہی کر لو عزیزو! — کہ اب وقت باقی نہیں پیش و پس کا
بچاتے رہو مَیں سے دامانِ تقویٰ — نہ لگ جائے دھبّہ کہیں اِس نجس کا
عجب کس تھا جو منّ و سلویٰ کے ہوتے — تھا مشتاق قثّا [51] و فوم و عدس کا
وہ ہم ہیں اُٹھا لائے بارِ امانت — یہ زہرہ نہیں ہی کسی بوالہوس کا
ہنر ہو تو عزت کو پوچھو ہی پوچھو — مُلا کیا نہ ہوگا کبھی عطرِ خس کا
نہ کرنا مساکین سے بد دماغی — سُنا کیا نہیں تم نے مضمون عبس [52] کا
فراغ و سبک دوشی و بے نوائی — نہ درباں کی منت نہ احسان عس [53] کا
اب آگے کو جینے کا ہی منھ چڑانا — ہوا جب کہ سن ساٹھ اکسٹھ برس کا
کھڑا کھائے آر اور جگھ سے نہ کھسکے — قدم اُٹھ چکا راہ میں ایسے ٹھس [54] کا
تمدن میں داخل ہوئی وضعِ یورپ — چلن ہو چلا سکۂ ملتبس [55] کا
کہیں اب کے جلسے میں ایسا نہ کرنا — کہ ناغہ ہو معمول ہر سال برس کا

چھبیسویں نظم [56]

عزیزو! کبھی تم نے یہ بات سوچی — رہے کیوں مسلمان موچی کے موچی
عجب لے کر آئے تھے قسمت خدا سے — سرِ چشمۂ آبِ حیواں پیاسے
زمانے کے آخر میں پیدا کیا تھا — خدا نے مگر اِن کو سب کچھ دیا تھا

[51] ککڑی۔ گیہوں اور مسور ۱۲۔ [52] اشارہ ہی عَبَسَ وَتَوَلّٰی کی طرف یعنی چین بجبیں ہونا ۱۲۔
[53] کوتوال۔ محافظِ شہر ۱۲۔ [54] کھوٹا ۱۲ [55] بطی الفہم ۱۲۔ [56] کچھ پتہ نہیں چلتا کہ یہ نظم کس موقع پر پڑھی گئی تھی ۱۲۔

موقّر تھے مقبول تھے محترم تھے
وہ مذہب ہی قدرت سے ایسا ملا تھا
تھے اسلام سے پہلے بدتر سے بدتر
اسی واسطے اُس زمانے کے کافر
شیاطین کی یک لخت گدّی اُلٹ دی
ادب قاعدہ سب کچھ اُن کو سکھایا

بہر کیف ہر طرح خیر الامم تھے
کہ فتح و ظفر اس کا عاجل صلہ تھا
مسلمان ہوئے ہو گئے خلقِ آخر
جناب پیمبر کو کہتے تھے ساحرؔ
جسے چھو گئے اُس کی کایا پلٹ دی
بہائم کو انسان و آدم بنایا

ستائیسویں نظم

جو سینٹ سٹیفنز کالج دہلی کے کسی جلسے میں پڑھی گئی تھی ؎

آؤ دیکھو مشن کے لڑکوں نے
سب کو جلسے میں کھینچ بلوایا
یعنی بچھڑوں میں کتنے بوڑھے بیل
یہ جو لکچر ہی۔ اپنے گھر جا کر

جھوٹے جھوٹے بڑھائی پینگ
اس کو شیخی قرار دو یا ڈینگ
آن شامل ہوئے کٹا کر سینگ
اس کو چاٹا کرو لگا کر ہینگ

اٹھائیسویں نظم

یہ رقعہ حسب فرمایش منشی احمد حسین صاحب بنام زلف خود

بہ تقریب شادی محمدؐ انور حسین ۱۳۰۹ھ میں برجستہ لکھا گیا تھا

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست / آخر آمد زپس پردۂ تقدیر پدید

نقدِ مطلب سے ہوئی جیبِ تمنا معمور / پُر ہی گلہائے فرح بخش سے دامانِ امید

شکر صد شکر کہ جی کھول کے نکلے ارماں / شکر صد شکر ملی قفلِ مسرت کی کلید

یعنی فرزندِ جگر بندِ عزیز دلہا / غازۂ روئے خرد خالِ رخِ بختِ رشید

اُن کی عادات ستودہ ہمہ خوبی و صلاح / اُن کے اطوار پسندیدہ و اوصاف حمید

چشمِ بد دور ہی نام اُن کا محمد انور / جب کہ ہو نام ہمایون حسین اُس میں مزید

سبح اتوار کو عقد اُن کا ہو ماشاءاللہ / اس مہینے کی ہی چوبیسویں اور روزِ سعید

ہمہ داں حامیِ دیں مولوی ابو المنصور[51] / جن کے افضال سے آگاہ ہیں نزدیک و بعید

اُن کا دولت کدہ ہی بزم گہِ عقدِ نکاح / کہ وہ خود جائے مبارک ہی مگر قابلِ دید

نہ مزامیر نہ باجا نہ سرود اور نہ رقص / اور نہ بدعت کے مراسم سے کوئی امرِ جدید

سربسر خالصۃً حکمِ خدا کی تعمیل / موبمو قاطبۃً شرعِ نبی کی تقلید

عقد کے دوسرے دن ہوگا ولیمے کا طعام / جو میسّر ہو زنان و نمک و آش و ثرید[52]

آپ اگر لائیں گے تشریف براہِ شفقت / میں یہ سمجھوں گا کہ بے دام لیا مجکو خرید

---

۵۱ دہلی کے ایک مشہور مولوی جو امام فنِ مناظرہ کہلاتے تھے اور جنھوں نے سرسید کی تفسیر کا رد لکھا تھا اور متعدد مذہبی کتب کے مصنّف اور نصرت المطابع کے مالک تھے ۱۲۔

۵۲ روٹی کے ٹکڑے شوربے میں بھیگے ہوئے ۱۲۔

اُنتیسویں نظم

یہ نظم مولانا نے مدرسۂ طبیہ دہلی کے نویں سالانہ جلسے منعقدہ ۱۸- اپریل ۹۸ء میں پڑھی تھی مگر بادلِ ناخواستہ۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ "لکچرار ہوئے۔ پبلک اسپیکر ہوئے مرثیہ خواں ہوئے قوّال ہوئے۔ گویّے ہوئے کہ ہیں یہ سب ایک ہی تھیلی کے چٹّے بٹّے اِن کا اکثر قاعدہ ہوتا ہی کہ لکچر یا اسپیچ یا مرثیہ یا راگ شروع کرنے سے پہلے ادبدا کر عذر کرلیا کرتے ہیں کہ تحریک نزلے کی وجہ سے میرے گلے میں خراش ہی یا رات ایک دوست کے ہاں دعوت تھی دیر تک جاگنا پڑا بدخوابی کے سبب دردِ سر ہی یا فرصت نہیں ملی اور میں لکچر یا اسپیچ کے لیئے تیار ہو کر نہیں آیا..... اب رہی خطابت کرنے پر آؤں تو کر بھی لوں۔ مگر تصنیف و تالیف کو جس میں میں مشغول رہتا ہوں لوگوں کے لیئے زیادہ مفید پاتا ہوں۔ اس لیئے خطابت کو پیشہ نہیں بناتا اور نہ پیشہ ور خطیبوں کی طرح لکچر سے پہلے عذر کرتا ہوں کہ میری آواز بیٹھی ہوئی ہی۔ میرا سر دُکھتا ہی۔ مگر ہاں خلافِ عادت ایک عذر تو آج میں بھی کرتا ہوں کہ عَلٰی رَغمِ اَنفِ الاَطِبَّاءِ وَ طَلَبَۃِ المَدرَسَۃِ الطِّبِّیَّۃِ وَ اَسَاتِذَتِھِم وَ مُعَلِّمِیھِم مَاشَاءَ اللّٰہُ۔ سٹّا کٹّا ہوں مگر خوش دلی نہیں اور نہ صرف میں اکیلا خوش دل نہیں اوٹنیس خوش دل نہیں پنجاب اونس خوش دل نہیں برٹش انڈیا خوش نہیں ؎

در عالم بے وفا کسے خورم نیست	شادی و نشاط در بنی آدم نیست
آن کس کہ دریں زمانہ او را غم نیست	یا آدم نیست یا دریں عالم نیست

..... خدا کا برتاؤ تو دنیا میں لوگوں کے ساتھ ایک ہی طرح کا دکھائی دیتا ہی قحط تھا تو

ہندو مسلمان یہودی عیسائی سب ہی کے لیئے تھا۔ طاعون ہی تو سب ہی پر ہی زلزلے آئے تو سب ہی پر آئے۔ مگر میں ایک تازہ مصیبت کی باسی خبر دیتا ہوں جو خاص مسلمانوں کے حصّے کی ہی۔ ڈاکٹر سر سید احمد خاں صاحب بہادر کے سی۔ ایس۔ آئی۔ آل۔ آل۔ ڈی۔ کا انتقالِ پُر ملال..... وہ انقباضِ خاطر جس کا میں نے عذر کیا۔ اُس کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب سید احمد خاں کی وفات بھی ہی کہ اُن کو میں نے اپنے اِن ہاتھوں سے مٹّی دی ہی۔ وہ مٹّی تو میں نے اُسی وقت دُھو ڈالی تھی مگر اُن کے غم و الم کا دل سے دُھلنا مشکل ہی۔ تو آج میں لکچر کے عوض انقباضِ خاطر کا عذر پیش کرنے آیا ہوں

گیا ہو جب اپنا ہی جیوڑا نکل
کہاں کی رباعی کہاں کی غزل

کسی شان میں گرچہ قاصر نہیں
مگر یاں طبیعت ہی حاضر نہیں

سفر دور اور لوگ ہارے ہوئے
کہ ہیں خشک سالی کے مارے ہوئے

پہنچنے نہیں پائے تھے کال سے
کہ طاعوں آ دھمکی پاتال سے

ہزاروں کے گھر کر دیئے بے چراغ
نہیں اب دلِ زار میں جائے داغ

اب آگے تحمل کا یارا نہیں
کہ دل ہی تو ہی سنگ خارا نہیں

جو طاعون سے قحط سے تھے معاف
وہاں زلزلوں نے کیا ہاتھ صاف

غرض موت کا گرم بازار ہی
زمین پر مگر آدمی بار ہی

پھر آخر کو سرحد کی جنگ و جدال
اک آندھی چلی کر گئی پائمال

بہ افراط مُلکی خزانوں کا خرچ
اور اس پر گراں قدر جانوں کا خرچ

گورمنٹ کا گر نہوتا کرم
قیامت کے سامان تھے سب بہم

ہمارا انھیں ہر گھڑی دھیان تھا
کیا بس کے کرنے کا امکان تھا

بچایا جِلایا بسایا ہمیں
اِلٰہی یہ شاہِ رعیت نواز
خلایق پہ دائم رہے مہربان
ہو توفیق خیر اُس کے حکّام کو
اور اک یہ کہ مَیں خود بھی جیتا ہوں

رکھا اِن کی رعایا خدایا ہمیں
کہ عمر ش باقبال و دولت دراز
تہِ دل سے آمین کہو یک زبان
کہ آرام دیں خاص کو عام کو
کہ ہر سال یاں آکے لکچر کہوں

عدالت رہے مجھ سے کوسوں پرے
کہ اس طرح کا زندہ دل کیوں مرے

تیسویں نظم

۲۷- اپریل سنہ ۱۸۹۸ء کو دلّی والوں نے سید احمد خاں مرحوم کی وفات پر رنج و الم ظاہر کرنے کے لیے ٹون ہال میں جلسہ کیا۔ صاحب کمشنر جلسے کے پریزیڈنٹ تھے۔ اُس موقع پر جو لکچر مولانا نے دیا اس میں چند شعر یہ تھے ؎

کیا کہیں مشغلہ لکچر کا اجی چھوٹ گیا
صبر رخصت ہوا سنتے ہی ترا عزم سفر
نہ سہی پر تجھے دکھلاؤں گا اپنی پرواز

ہم سے اک یار چھٹا ایسا کہ جی چھوٹ گیا
تم تو کل جاؤ گے یہ ہم سے ابھی چھوٹ گیا
گر قفس سے ترے صیاد کبھی چھوٹ گیا

اکتیسویں نظم

یہ نظم حکیم عبدالمجید خاں صاحب کے عطائے خطاب "حاذق الملک" کی تقریب پر جلسۂ تہنیت میں ۱۸۹۸ء میں جو ٹون ہال دہلی میں منعقد ہوا تھا پڑھی گئی ۔

ہوتی ہی یوں تو اوروں کو عزت خطاب سے
لیکن ہوئی خطاب کو عزت جناب سے

تم نے ہی اس کو پھر سے جمایا وگرنہ لوگ
خارج ہی کر چکے تھے طبابت حساب سے

ایک تہلکہ ہی ملک میں طاعوں کے خوف سے
ڈرنا ہی سب کو چاہیئے اُس کے عذاب سے

حاذق ہیں آپ فرضِ حذاقت نہ ہو قضا
خالی نہیں رہی کوئی طاعت ثواب سے

آنے نہ پائے شہر میں طاعونِ نابکار
ایسا نکالیئے کوئی نسخہ کتاب سے

یعنی بیاضِ خاص جو پونچی ہی آپ کو
محمود خاں صاحبِ غفران مآب سے

اور ابھی جائے خیر تو کوئی نہ ہو ہلاک
طفلِ رضیع و مرد و زن شیخ و شاب سے

طاعونیوں کو زحمتِ نقلِ مکاں نہ ہو
عورات گھر میں بیٹھی رہیں احتجاب سے

اور یہ نہیں تو موہم سوادب نہ ہو
واقف نہیں طبیب حقیقت کے باب سے

بتیسویں نظم

یہ نظم سر سید کی وفات پر ایک مرثیہ ہی جو دسمبر ۱۸۹۸ء کی ایجوکیشنل کانفرنس منعقدۂ لاہور میں لکچر سے پہلے پڑھی گئی پڑھنے کے قبل نواب محسن الملک مرحوم

اپنی کرسی سے اُٹھے اور لکچر ایسے مخاطب ہو کر کہا ع بادہ در جوش است و یاراں منتظر۔
جس کے بعد مولانا نے لکچر کے بعد یہ مرثیہ پڑھا :۔

ہر اک جان دار کی بے شبہ اک دن جان جانی ہے
نہیں معلوم بعد از مرگ کیا کچھ پیش آنی ہے
خدا کی ذاتِ واحد کے سوا ہر چیز فانی ہے
مگر مدحِ خلائق مغفرت کی اک نشانی ہے

مرے پر اپنے اور بیگانے سرسیّد کو روتے ہیں
خدا کے نیک اور مقبول بندے ایسے ہوتے ہیں

وہ اپنے وقت کا اک فردِ کامل بلکہ اکمل تھا
خردمندوں کی صف میں سب سے موخر تھے وہ اول تھا
کہ ہم میں کا ہر اک علی سے اعلیٰ اُس اسفل تھا
غرض اسلامیوں کی فوج کا لیڈر تھا جنرل تھا

اب اُس کے بعد لشکر ہے مگر افسر نہیں کوئی
بھٹکتا پھر رہا ہے قافلہ رہبر نہیں کوئی

ہمیں سر سید احمد سے بڑی بھاری شکایت ہے
رہے دھوکے میں ہم کو آپ کے دم کی حمایت ہے
بیاں ہو کس زباں سے خوں چکاں اپنی حکایت ہے
نہ سمجھے مَنْ عَلَیْہَا فَان بھی قرآں کی آیت ہے

یکایک ہو کے بے رخ چل دیئے ہم کو دغا دے کر
نہ چھینے دشمنوں سے بھی کوئی نعمت خدا دے کر

مسلمانوں کی حالت میں تو مدت سے تنزل تھا
مدارِ زیست تقدیرِ الٰہی تھی توکل تھا
کبھی کامل چکا تھا خاک میں جو کچھ تجمل تھا
نہ خواہش تھی ترقی کی نہ حاکم سے توسل تھا

ہمارے سر پہ بجتے ڈھول تھے [illegible]
مگر ہم ہیں کہ بسم اللہ کے گنبد میں سوتے تھے

نہ جانا ہم نے جاگ کر رات کب کا دن نکل آیا
ہوئیں بدنظمیاں سب دور انگریزی عمل آیا

عجب آیا باستحقاق آیا بر محل آیا | بساطِ کہنہ کا تقدیر سے نعم البدل آیا

پر از خود رفتگانِ خوابِ غفلت کو خبر کیا ہو
شبِ تاریک ہم سے تیرہ بختوں کی سحر کیا ہو

ہمیں احساس ہی باقی نہ تھا اپنی تباہی کا | نہ ہو زنگی کو جیسے علم اپنی روسیاہی کا
گدائی میں بھی ہم رکھتے تھے غرّہ بادشاہی کا | بنا دانستگی دعویٰ فضیلت دستگاہی کا

عروجِ اہلِ انگلستان کو ہم کیا سمجھتے تھے
خدا جانے کہ اپنی شان کو ہم کیا سمجھتے تھے

زمانہ حسبِ عادت اپنی دھیمی چال چلتا تھا | نہ تھمتا تھا نہ رُکتا تھا نہ اپنا رُخ بدلتا تھا
مگر جو کوئی اس کا ساتھ دینے سے مچلتا تھا | یہی دیکھا کہ آخر کو کفِ افسوس ملتا تھا

زمانے سے لڑے ٹکر کسی میں ہے سنبھال اتنی
خدا سے بیر باندھے کس نے پائی ہے مجال اتنی

ہم اس پر بھی باطمینان بیٹھے تھے نہ تھا کھٹکا | نہ پوچھے تھے جھکولے اور نہ کھایا تھا کبھی جھٹکا
یکایک زلزلے نے غدر کے اک دم سے آ پٹکا | نہ اُٹھے جس سے کُھیا اُس کے سر پر دھر دیا مٹکا

مسلمانوں کے مٹ جانے میں ہرگز کچھ نہ تھا باقی
مگر وہ کیا مٹے رکھے جسے فضلِ خدا باقی

خدا نے سید احمد خاں کو دی توفیقِ غم خواری | عطا کی عقلِ صائب جامعِ دنیا و دین داری
اُسی کی سخت حاجت مند تھی یہ قوم بیچاری | علاج آسان ہے جب ہو گئی تشخیص بیماری

اسی نے سب سے پہلے عزت اور دولت کا گُر سمجھا
خزف کو اُس نے گردانا خزف اور دُر کو دُر سمجھا

اُسی نے علم کو اُسی کی حقیقی شان میں دیکھا | اور اُس کی طاقت اور قوت کو انگلستان میں دیکھا
جو برسوں میں نہ ہوتا تھا ہوا اک آن میں دیکھا | محال و ممتنع کو حیّزِ امکان میں دیکھا

جنوں ہے خبط ہے تقدیر سے ناحق جھگڑتے ہیں
ہم آپ ہی اپنے ہی کئے سے بنتے اور بگڑتے ہیں

حصولِ علم ہی انسان کو انساں بناتا ہے | یہی تو بادشاہ اور کنگ اور سلطاں بناتا ہے
یہی فرمانروا و حاکمِ دوراں بناتا ہے | یہی مفلس کو دولت مند باساماں بناتا ہے

ہنر کو کہتے ہیں اور ٹھیک کہتے ہیں کہ دولت ہے
کہ دولت بھی تو دنیا میں ہنر ہی کی بدولت ہے

کہاں ہندوستان اور اُس سے جا کر کہاں لندن | بایں بُعدِ مسافت بیچ میں دریاے برہم زن
چلے اور آکے قابض ہو گئے سب مُلک پر فوراً | بھلا کیا تاب ان کی حکمتوں کی لا سکے دشمن

ہماری قوتیں سب منحصر ہیں گاؤزوری میں
بھری ہے صنعت و ایجاد ان کی پوری پوری میں

رہے مصروف ہم تو سب کے سب باتیں بنانے میں | کہ یورپ ہم سے آ کودا خدائی کارخانے میں
یہ ہم سے بھی گئے گزرے ہوئے تھے اک زمانے میں | پر اب دنیا کی دولت پھٹ پڑی اُن کے خزانے میں

خدا ہی نے کچھ اُن کو راز دار اپنا بنایا ہے
کہ اُن کی قوم نے نیچر کا رستہ دیکھ پایا ہے

رہی ہم میں نہ باقی جب لیاقت ملک داری کی | فلک سے جا کے ٹکرائیں صدائیں آہ و زاری کی
پس از اتمامِ حجت حق نے عادت اپنی جاری کی | کہ آخر ایک حد ہوتی ہے حلم و بردباری کی

دیا ملک اُن کو جو اس نعمتِ عظمیٰ کے شایاں تھے

کہ اِن کے رُشد کے آثار ظاہر تھے نمایاں تھے

زوالِ سلطنت تھا گو بظاہر موت سے بدتر
ولیکن درحقیقت قہر میں بھی رحم تھا مضمر
کہ ہم کو امن و آسایش ہی اپنے عہد سے بڑھ کر
ہوا ہی علم ارزاں جیسے بُھٹّے مولی اور گاجر

یہ آزادی جو حاصل ہی کسی کو کب میسر تھی
اگر سچ پوچھیئے تو زندگی لوگوں پہ دوبھر تھی

برائے نام انگریزوں کو کہنے کو رعیت ہیں
کہ حاکم رحم دل منصف مزاج اور نیک نیت ہیں
لیاقت دوست ہیں جوہر شناسِ قابلیت ہیں
اور اس پر بھی نہ پنپے ہم تو پورے بے حمیت ہیں

نہیں اس عہد میں تخصیص قوم و ملک و مذہب کی
اگر ہم اہل ہوں تو سلطنت بھی ہی ہمیں سب کی

مگر کیا ظلم ہی ہم بدگماں ہیں اس قدر ان سے
کہ ہر اک بات میں رکھتے ہیں ہم پرہیز اور حذر ان سے
الٰہی کب وہ دن ہوگا کہ ہوں شیر و شکر ان سے
تو پھر جی کھول کر حاصل کریں علم و ہنر ان سے

بطوع و خوش دلی ایک ایک کی عادت کو سہ جائے
یوں ہی کچھ تفرقہ مذہب کا رہ جائے تو رہ جائے

نہیں ممکن کہ دنیا میں ہو عزت بے اِس کے
نہیں ممکن کہ عظمت ہو کسی ملت کو بے اس کے
نہیں ممکن کہ ہوں ہاتھ آشنا دولت سے بے اِس کے
نہیں ممکن کہ نکلو فقر کی ذلت سے بے اِس کے

رہو گھُل مِل کے اور سیدھی طرح گر تم کو رہنا ہی
عزیزو تم سے آخر میں ہمیں اتنا ہی کہنا ہی

یہ باتیں ہیں جو ہم نے اخذ کیں مرحوم سیّد سے
نہ سید بلکہ قومی رہنما و پیر و مرشد سے
وہ سمجھاتا رہا ہر طرح پر ہزل سے جِدّ سے
ولیکن ہم رہے محروم اپنی غفلت اور ضد سے

وہ ہم پر جان دیتا تھا اُسے دشنام ملتے تھے
یہ اپنی قوم سے اُس کے تئیں انعام ملتے تھے

مگر وہ درمسندِ قوم اک کوہِ تحمل تھا
مخالف پارٹی کا گو بہت سا شور تھا غل تھا
جو اُس کے حق میں کانٹے تھے وہ اُن کے واسطے گل تھا
ولے اُس کے ارادے میں نہ کچھ مطلق تزلزل تھا

کسی مطلب پہ کوئی دل نہادہ ہو تو ایسا ہو
بوہمت ہو تو ایسی ہی ارادہ ہو تو ایسا ہو

تعلق قوم سے اور قوم کے چھوٹے بڑے دشمن
شب تاریک بتلائیں اگر وہ دن کہے روشن
اُسے سمجھا کیے دین کا عدو ایمان کا رہزن
اُنھیں خوٹانے کی اور وہ مستعجل کہ ہو فوراً

کوئی اس کشمکش کے پھیر میں کچھ کر کے دکھلائے
جیئے اُس کی طرح اس کام نامر کے دکھلائے

علی گڈھ میں غرض اُس مرد نے کالج بنا چھوڑا
تعصب سنگرہ تھا اُس کو رستے سے ہٹا چھوڑا
مسلمانوں سے انگریزوں کو بالآخر ملا چھوڑا
مگر افسوس کیوں اُس کو نہ اے دستِ قضا چھوڑا

یہ کالج بام یونیورسٹی کی نردباں ہوتا
تو اُس کا بھی دلِ مایوس کیسا شادماں ہوتا

مسلمانوں کا عاشق مر گیا اور ہم کو مرنا ہی
خدا کے آگے جا کر کیا کہیں کہہ کر مکرنا ہی
ہمارا کام سچائی سے حق کا کہہ گزرنا ہی
پھر اب مانو نہ مانو اپنا کرنا اپنا بھرنا ہی

نہ مانوگے تو ساری عمر تقدیروں کو روؤگے
بگڑ جاؤگے مٹ جاؤگے پچھتاؤگے اپنا ہی کھوؤگے

الٰہی تو تو دانا ہے نہان و آشکارا ہی
نہیں پوشیدہ تجھ سے جس طرح اپنا گزارہ ہی

نہ آمد ہی تجارت کی نہ خدمت کا سہارا ہی
نہ معتد بہ زمینداری میں کچھ حصہ ہمارا ہی

ہماری کاہلی ہر چند کچھ کرنے نہیں دیتی
یہ رزّاقی ہی تیری جو ہمیں مرنے نہیں دیتی

تری نعمت کی قدر اور اُس کی خدمت جب نہ آئی
توہم نے حَورُ بَعدَ الکَور کی واجب سزا پائی
مگر اب حد سے افزوں ہو گئی ہی اپنی رسوائی
لگے ایذائیں دینے اور ستانے ہم وطن بھائی

ہمارے ساختہ پرداختہ ہم کو بناتے ہیں
جو ہر دم مُنھ تکا کرتے تھے اب مُنھ چڑاتے ہیں

اگر بے حرمتی سے پیٹ پالا بھی تو کیا پالا
کسی ڈھب سے قضا کو ایک وقتِ خاص تک ٹالا
ہوئے بدنام اور غیروں کے آگے مُنھ ہوا کالا
بزرگوں کی نمود اور آبرو کا خون کر ڈالا

اگر [illegible]ت تو ایسے کھانے اور پینے پہ لعنت ہی
اسی کا نام جینا ہی تو اس جینے پہ لعنت ہی

اگرچہ رزق کی جانب سے اطمینان رکھتے ہیں
وَمَا مِن دَابَّۃٍ پر بالوثوق ایمان رکھتے ہیں
مگر اک مفلسی کا دردِ بے درماں رکھتے ہیں
کہ آخر ہم بھی تھوڑی یا بہت کچھ آن رکھتے ہیں

الٰہی گرچہ ہم نا اہل ہیں اور پست ہمّت ہیں
مگر بندے ہیں تیرے تیرے پیغمبر کی اُمت ہیں

الٰہی سیّدِ عالم شہِ لولاک کا صدقہ
اور اُن کی خُلّت اور توحیدِ بے اشراک کا صدقہ
پڑے ہوں جس جگہ اُن کے قدم اُس خاک کا صدقہ
جہاں مدفون ہیں اُس سرزمین پاک کا صدقہ

کہ ہم سب درپئے اجرائے کارِ نیک ہو جائیں
تکلف برطرف سارے کے سارے ایک ہو جائیں

نہیں مطلب کہ ہم کو تخت ہو یا تاجِ شاہی ہو
نہیں حاجت کہ اپنا شہرہ ازمہ تا بماہی ہو

نہیں خواہش کہ ہم کو سلطنت خواہی نخواہی ہو
فقط بس ایک یونیورسٹی کی سربراہی ہو

اگر یہ ہو تو ہم نے کُل مطالب اپنے بھر پائے
وگرنہ حکم دے اک دم سے ساری قوم مر جائے

تینتیسویں نظم

مندرجۂ ذیل نظم مولنا نے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے پندرھویں سالانہ جلسے میں دسمبر ۱۸۹۹ء میں بمقام کلکتہ اس تمہید کے بعد پڑھی تھی۔

کوئی کیسا ہی بے دھڑک بولنے والا کیوں نہ ہو کلکتے کے عام مجامع میں اور خاص کر ایسے باوقار تعلیمی مجمع میں جس کو اس وقت میں اپنے گرد اگرد دیکھتا ہوں گفتگو کرتے ہوئے تھوڑا بہت ضرور ہچکچائے گا۔ کلکتے کو خدا نے ایک خاص شرف دیا ہے کہ اس وقت مملکتِ ہند کا دارالسلطنت ہے وکفیٰ بہ فخراً۔ دارالسلطنت ہونے کی وجہ سے کلکتہ کی ہر ایک چیز کو ایک عظمت لازم ہو گئی ہے حتیٰ کہ اس کا مجرد نام ہر فرد بشر کے مرعوب کرنے کے لئے بس کرتا ہے۔ اللہ اللہ کبھی یہ عظمت یا اس کے مماثل ہماری دلی کو بھی تھی۔ میری عمر کے ابتدائی میں اگرچہ وہ دلی کے انحطاط کا زمانہ تھا پھر بھی ہر فن کا فرد کامل دلی میں موجود تھا لوگ نہ صرف دلی والوں کی زبان کا لوہا مانتے تھے بلکہ اُن کی وضع کا اُن کی تہذیب کا اُن کی لیاقت کا اُن کی متانت کا اُن کے علم و ہنر کا اُن کی حرفت وصنعت کا یعنی ہر چیز کا جو دلی کی ہو یا دلی کو چھو گئی ہو۔

گرچہ خردیم نسبتیست بزرگ	ذرّہ آفتاب تابانیم

یا اب یہ حال ہے کہ بجائے دارالسلطنت ہونے کے وہ ایک ضلع رہ گیا ہے من مضافات لاہور۔ فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ۔ بس اس نسبت سے دلّی کے تمام محامد تمام فضائل میں کمی ہے اِنَّ الْمُلُوْکَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْیَۃً اَفْسَدُوْھَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّۃَ اَھْلِھَآ اَذِلَّۃً وَکَذٰلِکَ یَفْعَلُوْنَ ۵

خاک ہوئے پامال ہوئے برباد ہوئے سب کچھ ہوئے
اور شدایدِ عشق کی رہ کے کیوں کر ہم ہموار کریں

غرض جب میں نے خیال کیا کہ مجھکو بھی کلکتے کی تعلیمی کانفرنس میں جانا پڑے گا وہ طفل نی رزو دلے بر بندش ہے اور جانے کے علاوہ کچھ کہنا بھی پڑے گا تو بات کہوں صاف میں بھی ہچکچایا تو تھا اور اب عزرا ور باوقار اڈرینس کو دیکھ کر ثابت ہوا کہ میرا ہچکچانا بجا تھا۔ ......اور میں کلکتے کی کانفرنس میں شریک ہوتے ہوئے ڈرتا تھا۔ مگر نواب محسن الملک بہادر اصرار کرتے تھے۔ نہ اس پر کہ میں کانفرنس میں شریک ہوں بلکہ اس پر بھی کہ کچھ کہوں اور جو کچھ کہوں اس میں نظم بھی ضرور ہو...... غرض کچھ دنوں حیص بیص میں رہا۔ آخر میں نے اس خیال سے کانفرنس میں آنے کی اور کہنے کی اور بادلِ نخواستہ نظم کی بھی ٹھان لی۔ ...... یہ ہے تمہید اُس منظوم لکچر کی جس کے لیے میں نواب محسن الملک بہادر کی طرف سے مجبور کیا گیا ہوں۔ شاعری کی حیثیت سے اس نظم پر بہت سے اعتراض ہوں گے۔ سو ہوں۔ میں نہ شاعر ہوں نہ شاعری جتانے آیا ہوں۔ بلکہ میں ہند کے مسلمانوں کی طرف سے آپ صاحبوں کی خدمت میں فریاد لے کر آیا ہوں اور فریاد کی نسبت اسد اللہ خان غالب فرما گئے ہیں ۵۔

فریاد کی کوئی لَے نہیں ہے	نالہ پابند نَے نہیں ہے

نفس مطلب اور شاعری کے اعتبار سے میں اپنے حق میں لکھ سکتا ہوں ؎

شعر می گویم بہ از آبِ حیات	من ندانم فاعلاتُن فاعلات
عزیزو سمجھتے ہو اسلام کیا ہے	وہ شے جس کا اسلام ہے نام کیا ہے
جو اس رمزِ معنی کو سمجھیں وہ کم ہیں	ولیکن بحمد اللہ ایک اُن میں ہم ہیں
غرض اس سے کچھ خودستائی نہیں ہے	مگر ضبط کی اب سمائی نہیں ہے
ادھر آؤ تم کو مسلماں بنائیں	تمہیں دین و مذہب کی غایت بتائیں
یہ غایت ہے یکسو کُنِ حق و باطل	میانِ صحیح و غلط حدِّ فاصل
یہ غایت ہے پہچان خالی بھرے کی	یہ غایت کسوٹی ہے کھوٹے کھرے کی
خدا نے جو یہ کارخانہ بنایا	اور آدم کو اس سرزمین پر بسایا
اُسے ساری مخلوق پر برتری دی	اور افواجِ عالم کی کُل افسری دی
قوی تر ہیں مخلوق کی کتنی قسمیں	مگر اُس کی سی عقل و دانش ہے کس میں
بظاہر یہ کم زور ہے ناتواں ہے	ولے اس کا منقاد سارا جہاں ہے
ازل میں جو علمی شرافت ملی ہے	اسی پر سے اس کو خلافت ملی ہے
طلب ہو اور اس پر سے توفیق رہبر	تو ہر ایک خرابے میں ہے گنج مضمر
الٰہی ہمیں جست و جو اور طلب دے	خلافت کے جتنے لوازم ہیں سب دے
ہزاروں برس عمرِ دنیا کی آئی	کسی نے نہ کچھ تھاہ قدرت کی پائی
زمین فی المثل اک خدا ساز گھر ہے	مزیں ہے آراستہ سر بسر ہے
ضرورت کے کُل ساز و ساماں ہیں اس میں	ہم اُترے ہوئے مثلِ مہماں ہیں اس میں

بجز اپنے کس کی شکایت کریں ہم ۔۔۔ خدا میزبان اور بھوکوں مریں ہم
بہم اُس نے الوانِ نعمت کیئے ہیں ۔۔۔ یہاں بدنصیبی نے مُنھ سی دیئے ہیں
اُدھر سے کُلُوا واشْرَبُوا[۵۱] کی صلا ہی ۔۔۔ مگر اپنی قسمت میں فاقہ لکھا ہی
کچھ اس طرح کے ہضم بگڑے ہوئے ہیں ۔۔۔ کہ فاقے نہیں ہیں تو تخمے[۵۲] ہوئے ہیں
خدا جو نقائص سے پاک اور بری ہی ۔۔۔ ہر اک کام میں اُس کی دانش وری ہی
وہ چیزیں ہمیں جن کی ہی سخت حاجت ۔۔۔ مہیّا و موجود ہیں بے مشقت
ہوا سانس لینے کو پینے کو پانی ۔۔۔ مگر ہم نے کچھ قدر ان کی نہ جانی
تجمل تکلف کے اسباب سارے ۔۔۔ کسی کو نہیں ملتے بے مُنھ پسارے[۵۳]
سرِ میز اقسام کھانے لگائے ۔۔۔ اجازت ہوئی جس کو جو بھائے کھائے
اگر ہی کوئی دال دلیئے پہ قانع ۔۔۔ وہ جانے نہیں میزبان اُس کا مانع
مگر اُس نے نعمت کو نعمت نہ جانا ۔۔۔ نہ منت اُٹھائی نہ احسان مانا
رہا مبتذل اور وقار اپنا کھویا ۔۔۔ غرض اُس نے نامِ خلافت ڈبویا
نہ کچھ انتہا پائی عقلِ رسا نے ۔۔۔ خدا ہی خود اپنے خزانوں کو جانے
مگر آدمی زاد تعلیم پاکر ۔۔۔ پھونچتا ہی اُن تک سرنگیں لگاکر
تو وہ زندگی میں مزے کر رہا ہی ۔۔۔ زمانے کو جو وہ کہے کر رہا ہی
سلیمان ہی اور ہوا اُس کے بس میں ۔۔۔ عناصر کے جنات اُس کے قفس میں
وہ تا صحیّت عرض و جوہر سے واقف ۔۔۔ ہی فی الجملہ اسرارِ نیچر سے واقف
خلافت اُسے وہ خلافت کو شایاں ۔۔۔ قیافے سے آثارِ دولت نمایاں

۵۱ کھاؤ پیو - ۵۲ بدہضمہ ۱۲ - ۵۳ پھیلائے ۱۲ -

جہاں میں نہیں ذرہ بے کار کوئی | غلط گر کرے اس سے انکار کوئی
جسے جس غرض سے بنایا ہی اُس نے | اُسے اُس کا رستہ دکھایا ہی اُس نے
زمین آسمان چاند سورج ستارے | کمر بستہ مصروف خدمت ہیں سارے
ہر اک کا طریقِ اطاعت یہی ہی | نہیں بلکہ تسبیح و طاعت یہی ہی
ہمارے بنانے سے مقصود کیا تھا | وہ انکارِ شیطانِ مردود کیا تھا
ہماری خلافت کو اُس نے نہ مانا | ہمیں اس حکومت کے قابل نہ جانا
یہ گستاخی اُس کی خدا کو نہ بھائی | اکارت گئی اُس کی ساری کمائی
خدا کے ارادے میں حارج ہوا وہ | گروہِ ملائک سے خارج ہوا وہ
خدا کی مشیت کی تکمیل کرنا | اور اس میں جہاں تک ہو تعجیل کرنا
بہر حال بندوں کو شایاں یہی ہی | ہمارا تو اس دین و ایمان یہی ہی
جب اگلوں کا طرزِ عمل دیکھتے ہیں | عقائد میں اپنے خلل دیکھتے ہیں
بتاؤ تو کس کس سے بیٹھے رہے وہ | اگر پاؤں پھیلا کے لیٹے رہے وہ
مناتے اگر خیر ہنڈیا کی اپنی | نہ ہنڈیا ہی رہتی نہ ڈوئی نہ چینی
جدا گر ہر اک اپنی مسجد بناتے | دوا کو مسلمان ڈھونڈے نہ پاتے
کیا جو کچھ اُس وقت کرنا تھا ممکن | مگر اب نہ راتیں رہیں وہ نہ وہ دن
رخِ خوب سے اپنے پردہ اُٹھایا | ہر ایک چیز میں علم نے دخل پایا
قفس ہی تو ہو شکر ہی پر کھلے ہیں | ہوا ایک در بند سو در کھلے ہیں
خلافت کا پوچھو تو اب گر ملا ہی | بہت غوطے مارے ہیں تب دُر ملا ہی
مگر کہنے سننے سکھانے سے کیا ہو | نہ جب تک کہ توفیقِ حق رہنما ہو

نمونے بہ افراط بیشِ نظر ہیں — مگر چوں کہ دل کور ہیں بے بصر ہیں
نہ جانیں حدیث اور نہ قرآن سمجھیں — ہوی النفس کو عین ایمان سمجھیں
شرابِ تعصب ملی اُن کو سستی — بہت پی گئے لگ گئی فاقہ مستی
نکالا نیا دین دنیا کا دشمن — لڑیں دونو جس طرح سوکن سے سوکن
اگر تم کو دنیا میں رہنا ہی یارو — تو اپنی جگہ دل میں سوچو بچارو
کہ تم کیا تھے اور کیا سے کیا ہو گئے ہو — فلک پر سے تحت الثریٰ ہو گئے ہو
کوئی کب تلک یہ مصیبت سہے گا — مگر مچھ سے دریا میں لڑ کر رہے گا
بھلا یہ بھی جینے کی کوئی ادا ہی — کہ محتاج ہی کوئی۔ کوئی گدا ہی
کسی کو ہی مقدور اگر شاذ و نادر — نہیں ضبط کرتے یہ خواہش کے قادر
وہ مصروف ہی عیش و تن پروری میں — پڑا چین کرتا ہی بارہ دری میں
اُسے قوم کے حال کی کیا خبر ہو — کہ دو دو بجے دن سے اُس کی سحر ہو
غرض اُس کو اسباب صارف بہت ہیں — کہ خود اُس کے اپنے مصارف بہت ہیں
بلا سے گرانی ہی یا خشک سالی — کنھیّا نے برسات اپنی منالی
ہر اک سمت اور جا بجا جھمگڑے ہیں — درختوں پہ ریشم کے جھولے پڑے ہیں
حسینوں کی چاروں طرف ٹولیاں ہیں — برابر کی عمریں ہیں ہمجولیاں ہیں
ہنسی ہی کہیں اور کہیں قہقہے ہیں — عنادل ہیں اور باغ میں چہچہے ہیں
ہی آہوئے رم خوردہ ہر رانڈ گویا — یہ چھوٹا ہوا اُن میں اک سانڈ گویا
جہاں دولت اس طرح کی بد بلا ہی — تو ہونے سے اُس کے نہ ہونا بھلا ہی
وہ اُمت ہوں جس کے امیر اکثر ایسے — بھلا اُس کی روداد بہتر ہو کیسے

اگر بہتری ہو تو تعلیم سے ہو
سو تعلیم گنجِ زر و سیم سے ہو

مگر گنج آئے تو آئے کہاں سے
الٰہی برس جائے ہُن آسمان سے

پر اس عرض کی استجابت نہیں ہی
کہ اللہ کی ایسی عادت نہیں ہی

مجھے اس جگہ اک مثل یاد آئی
کہ کانوں میں آوازِ فریاد آئی

مسافر کوئی اُترا مہمان سرا میں
بچھائی الگ چارپائی ہوا میں

نہ سونے دیا رات بھر کھٹملوں نے
رکھا مضطرب صبح تک کروٹوں نے

بہت دق ہوا اور دعا کی خدا سے
کسی طرح مجھکو بچا اس بلا سے

ولیکن تھے کھٹمل کئی دن کے بھوکے
ستانے سے اور کاٹنے سے نہ چوکے

مسافر سے جب بات کچھ بن نہ آئی
لگا کہنے بس دیکھی تیری خدائی

کوئی ہاتفِ غیب فرطِ غضب سے
مخاطب ہوا آکے اُس بے ادب سے

کہ ناشکر بیہودہ کیا بک رہا ہی
عبث آسمان کی طرف تک رہا ہی

تجھے دفعِ موذی کی قدرت ہی حاصل
کر اپنی حفاظت نہ ہو اتنا کاہل

یہ دار العمل جائے حیرت نہیں ہی
مگر تجھ کو کچھ شرم و غیرت نہیں ہی

یہ دستور از روزِ اول رہا ہی
یوں ہی کاروبارِ جہاں چل رہا ہی

نیالیش سے ہوگا نہ لوزش سے ہوگا
جو کچھ ہوگا اپنی ہی کوشش سے ہوگا

تہی دستی اور مفلسی کے بہانے
جسے کچھ بھی ہی عقل ہرگز نہ مانے

کہیں سے تو کھاتے ہو پیتے ہو آخر
بھلی یا بُری طرح جیتے ہو آخر

اگر ہاتھ اُٹھا کر ہمیں دوگے پیسا
اُسے عار سمجھے کوئی ایسا تیسا

جو کچھ ہم کو مل جائے دستِ کرم سے
نہیں بحث اپنے تئیں بیش و کم سے

توہّم تنفّر تعصب کو چھوڑ دو — یہ بت ہیں مسلمان ہو ان کو توڑ دو

علی گڈھ کا مشہور و ممتاز کالج — وہ امراضِ قومی کا حکمی معالج

بتائیں کہ کیوں کر تھا آغاز اُس کا — ہوا جمع ساماں خدا ساز اُس کا

ہمیں تو بہت شرم آتی ہے کہتے — ولیکن نہیں بنتی خاموش رہتے

خدا جانے سچ مچ ہے یا زور[۵۱] ہے یہ — کتابوں میں البتہ مسطور ہے یہ

کہ چھ سو برس تک کئی خانداں کے — مسلمان حاکم تھے ہندوستاں کے

بزرگوں پہ نازاں ہو کیا سب کے سب تم — سُنا کیا نہ ہوگا لکم[۵۲] ما کسبتم

گزرگاہِ دنیا تماشے کی جا ہے — اگر ہست کو نیست کہیے بجا ہے

نہیں مستقر[۵۳] کوئی حالت یہاں کی — ہے یا در ہوا کل عمارت جہاں کی

اگر آج ہے اک جگہ بزمِ شادی — تو کل ہے وہیں ماتمِ نامرادی

حکومت ملی سلطنت گھر میں آئی — نہ تھی ظرفِ عالی میں اتنی سمائی

نہ سوچے توسط کی حد سے گزر کر — بہت کھا گئے مر گئے پیٹ اپھر کر

تھی یورپ کو شہ طالعِ برہنوں کی — لگائے تھے سب تاک صیدِ زبوں کی

سمندر کے اندر سے رستہ نکالا — تو پھر ملک تھا جیسے منھ کا نوالا

گئی سلطنت چھن گئی کوتوالی — وہی پھر سے کھرپا ہی پھر سے جالی

حکومت کے جانے کا اک کوہِ غم ہے — اُسے روئیں گے جب تلک دم میں دم ہے

ہمیں مرنا اس حال میں کیا بُرا ہے — وُلے ساتھ مرتے کے کوئی مرا ہے

مثل ہے کہ کھوٹا ہو اپنا ہی پیسا — تو غیروں پہ ناحق کا الزام کیسا

۵۱ مرو جھوٹ ۵۲ اپنی اپنی کمائی اپنے اپنے ساتھ ۵۳ یعنی کسی حالت کو دوام نہیں ۱۲

کچھ ایسے ردی تھے خیالات سب کے ۔۔۔ کہ ہم خود بخود مٹ گئے ہوتے کب کے

نہ گنجایشِ دخلِ چون و چرا ہی ۔۔۔ خدا کا ہمارا عجب ماجرا ہی

زوالِ حکومت بظاہر سزا تھی ۔۔۔ مگر اُس کی رحمت کی یہ اک ادا تھی

ہمیں ناتوان اور ضعیف اُس نے پایا ۔۔۔ سروں پر سے بارِ حکومت اُٹھایا

حکومت بھی اک طرح کا دردِ سر ہی ۔۔۔ بشرطے کہ انجام کا دل میں ڈر ہی

تم اِس درد کو تاجداروں سے پوچھو ۔۔۔ محبت کو ہم دل فگاروں سے پوچھو

حکومت تھی اک وہم کو محوّل ۔۔۔ جسے ٹال رکھا تھا ہم نے معطل

حکومت ہی سچی حکومت قلم کی ۔۔۔ نہ بندوق و سیف و سنانِ علم کی

خدائی خزانوں کی کنجی قلم ہی ۔۔۔ کہ جو حرف لکھتا ہی وہ اک رقم ہی

قلم کا قلم رو قدامت سے جاری ۔۔۔ اُسی کی حکومت کو ہی پایداری

اگر اس حکومت سے ہم کام لیتے ۔۔۔ تو شاہنشہی مفت بے دام لیتے

گئی سلطنت اُس کے جانے کا غم کیا ۔۔۔ نہیں پاس کاغذ دوات اور قلم کیا؟

مگر علم کی ہم نے طاقت نہ جانی ۔۔۔ نہ جانی لیاقت لیاقت نہ جانی

گو اُستادِ منثور و منظوم ہیں ہم ۔۔۔ وے علمِ نافع سے محروم ہیں ہم

کھلا اہلِ یورپ پہ یہ راز پہلے ۔۔۔ بتاؤ تھے کس کے یہ انداز پہلے

غرض مُلک میں آخر انگریز آئے ۔۔۔ بزورِ لیاقت جلوریز آئے

پھر آئے تو ہر طرح سے غیر تھے ہی ۔۔۔ علاوہ بریں مذہبی بیر تھے ہی

خدا نے تو دو اک جگہ لا بسائے ۔۔۔ مگر ایک سے ایک ملنے نہ پائے

اگر اُن سے شیر و شکر ہو کے رہتے ۔۔۔ تو کیوں آج کو۔ یہ تکالیف سہتے

ہنر سیکھتے خوب دولت کماتے　　مزے کرتے گھر بیٹھے بغلیں بجاتے
مسلمان اوہام میں مبتلا تھے　　رہ و رسم دنیا سے ناآشنا تھے
تعصب کی گہری گھٹا چھا رہی تھی　　تباہی پڑی سر پہ منڈلا رہی تھی
کہ دریائے رحمت کو پھر جوش آیا　　ہمیں میں سے اک شخص کو ہوش آیا
تو دیکھا کہ بیٹا ہی یا کوئی باوا　　ہی بگڑا ہوا سارا آوے کا آوا
نہ پہلے ہی ہشیار تھے اور نہ اب ہیں　　شراب تغافل سے بدمست سب ہیں
جگر جل گیا دل میں اک درد اُٹھا　　کمر باندھ کر با دمِ سرد اُٹھا
علی گڑھ میں آخر کو کالج بنایا　　سماجت سے روٹھے ہوؤں کو منایا
بہت ڈوبتوں کو لگا یا سہارا　　بدیر آیا افسوس جلدی سدھارا
ہو سید پہ رحمت پہ رحمت خدا کی　　کہ اسلام کی شرطِ خدمت ادا کی
بہت کچھ ہوا پر ضرورت سے کم ہی　　اسی کا تو سید کے چیلوں کو غم ہی
ہی ہر اک کے آگے دستِ گدائی　　یہاں تک کہ نوبت تمہاری بھی آئی
اگر تم تک آکر نہ ہو کام پورا　　ہو دنیا میں اسلام بدنام پورا
یہ پودھا ابھی اس کا نشو و نما ہی　　اُسے آب یاری کی حاجت سوا ہی
بس اب کہنے سننے کا قصہ چکاؤ　　جو کچھ ہو سکے ہم کو دو اور دلاؤ

چونتیسویں نظم

انجمن حمایت اسلام کے پندرھویں سالانہ جلسہ میں سنہ ۱۹۰۰ء میں مندرجہ

ذیل کی نظم اپنے لکچر سے پہلے حسبِ معمول پڑھی گئی تھی ؎

ابتدا کے ساتھ کچھ نسبت نہیں انجام کو
دیکھتے ہی دیکھتے کیا ہو گیا اسلام کو

اپنے ہی ہاتھوں بگڑتے اور بنا کرتے ہیں لوگ
کوسنا بے جا ہے ناحق گردشِ ایام کو

پھر بھی اس کے روبراہ ہونے کی کچھ امید ہے
صبح کو بھولا ہوا گر لوٹ آئے شام کو

عمر گزری ہے مصیبت جھیلتے کیا جانیں ہم
لذتِ عیش و فراغ و راحت و آرام کو

دور ہو اس سے وصولِ منزلِ مقصود جو
آنکھ اٹھائے اور نہ سرکائے جگہ سے گام کو

دیکھتے ہیں اور نمونے سامنے موجود ہیں
پر نہیں ہرگز جگہ دی اُن کے دلوں میں نام کو

دل نہیں پتھر ہیں یا پتھر سے بڑھ کر ہیں وہ سخت
جن کے کانٹے اڑ نہ جائیں دیکھ کر اتمام کو

عاجز و بیکس کی آنکھیں کھول کر دیکھا نہیں
باپ کو دادا کو نانا ماموں اور اعمام کو

دام میں دامِ ہوا و حرص کا جمع و خرچ
دل کے سمجھانا پڑے گا قادرِ علّام کو

راہِ حق میں خرچ کرنے سے کیا ہے گریز
اور کہا یا جمع دولت کے خیالِ خام کو

آتشِ دوزخ میں زر کو گرم کر کے بالیقین
داغ دیں گے رو و پشت و پہلوئے اجسام کو

ہم مسلمانوں سے یورپ نے لیا تھا علم قرض
کیوں نہیں کھینچ لیتے واپس اُن سے اپنے دام کو

یہ بھی کوئی زندگی ہے زندگی ہوتا ہے کر
صبح کو مل بھی گیا گر کچھ تو فاقہ شام کو

ہو مشقت پر عبارت سے کہیں چلتے ہیں کام
جانتا ہے کوئی نام بانیٔ اہرام کو

ہو نہیں سکتا کہ دنیا کی ترقی ہو نصیب
ہاں مگر دل سے مٹا دو مذہبی اوہام کو

دولت و حشمت تو پا ہو اور علم اُس کی نردبان
نردباں شرطِ ضروری ہے وصولِ بام کو

آدمی بے علم گو باصورت ہے بے جان ہے
کیا ہوا گر آنکھ سے تشبیہ دی بادام کو

آپ اپنے دین کو کرتے ہیں رسوا اور ذلیل
جو بجا لاتے نہیں خود شرع کے احکام کو

جب نہ سمجھیں قوم کے لکھّے پڑھے باعقل و ہوش
دیجیے الزام کیا جہالِ کالانعام کو

سلطنت سے روم کی کر کر کے اظہارِ خلوص
بدگماں کرتے ہیں بے مطلب دلِ حکّام کو

سہل نسخہ ہی ہلا کر اک ٹکے بھر کی زبان
گرم جولاں کرکے سرپٹ توسنِ اقدام کو

الغرض باتیں خوشامد کی بنا کر جھوٹ موٹ
معتقد کر لیجیے فی الجملہ خاص و عام کو

پر ٹکوں سے گر مدد کرنے کا وقت آئے تو پھر
خوف سے دینے کے بھاگیں نوک دُم آسام کو

سچ کہا ہی [illegible] الاشتباہ
بے کیے مجرم بنا دیتے ہیں سب بدنام کو

پھینک مت کنکر نہیں گر تجھکو پتھر کی سہار
سخت مت کہہ سُن نہیں سکتا اگر دشنام کو

نامور رہتے ہیں دائم طعنِ مردم کے ہدف
کیوں لگا کہنے کوئی اچھا برا گم نام کو

کیا تعجب ہی گر اپنا [illegible] زباں [illegible]
کوٹ پتلوں قطع کرکے جامۂ احرام کو

دین و دنیا انجمن نے ٹھیک کر دکھا دیے
ہم نے اب سمجھا محل و موقعِ ادغام کو

انجمن نے ابتدا تو کی ہی کارِ نیک کی
ہمت اے مرداں کہ یونہیں مدعا اتمام کو

اجر نقدِ وقت ہی جاتے نہ پائے ہاتھ سے
ورنہ جس کا کام ہی کرتا ہی اپنے کام کو

پینتیسویں نظم

یہ نظم محمدن ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ جلسے منعقدہ دسمبر ۱۹۰۰ء میں بمقام رام پور پڑھی گئی۔ تمہید نظم یہ تھی "پارسال ان ہی دنوں کلکتے کی کانفرنس میں بھی میں نے اپنا لکچر نظم سے شروع کیا تھا۔ میں اس طرح کے مجامع میں پکارے کہہ دیتا ہوں کہ میں شاعر نہیں ہوں یہاں تک کہ میں نے اِلٰی سَاعَتِنَا هٰذِہٖ کوئی تخلص بھی اپنے لیے نامزد

نہیں کیا نہ مجھ کو شعر گوئی کا شوق ہی اور سلیقہ مگر وہ جو کہتے ہیں کہ "رانڈ تو بیٹھنا چاہتی ہی مگر رنڈوے نہیں بیٹھنے دیتے" جب جب کوئی صاحب مجھے لکچر دینے کے لیئے بلاتے ہیں اور بلانے والے تو بہت ہیں۔ اس لیئے کہ انجمنوں اور سالانہ جلسوں اور لکچروں کا تو ڈربا کھُل پڑا ہی۔ مگر میں اپنے لکچروں کی ہوا نہیں اُکھڑنے دیتا گلیوں گلیوں کام بڑھئی کام بڑھئی پکارتا پڑا پھروں۔ گنتی کے چند مقامات ہیں جن میں چار و ناچار شریک ہونا پڑتا ہی۔ ان میں سب سے زیادہ سخت گیر اور شدید التقاضی یہ کانفرنس ہی ؎

رشتۂ درگردنم افگندہ دوست	می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

غرض جب کوئی صاحب لکچر دینے کے لیئے بلاتے ہیں اد بدا کر نظم کی فرمایش ضرور کرتے ہیں۔ خدا جانے اِن کو شاعری کا منھ چڑھانے میں کیا مزہ ملتا ہی۔ اگرچہ دوستوں کے جبر سے میں نظم کہہ لاتا ہوں لیکن ؎

راست میگویم و یزداں نہ پسندد جز راست	حرف ناراست سرودن روش اہرمن است

میری طبیعت نظم کی طرف سے ہرگز صاف نہیں۔ اور میں اس مشغلے کو صمیم قلب سے ناپسند کرتا ہوں ؎

الٰہی دے مسلمانوں کو توفیق مسلمانی	کہ پھر آجائے کِشتِ مُردۂ اسلام میں پانی
دروں میں اُن کے اپنی مہر سے ایسا تصرف کر	وہی جیسا کیا تھا وقتِ قرنِ اول و ثانی
عرب کے دو قبیلے اوس و خزرج کتنی مدت تک	رہے اک دوسرے کے تشنۂ خون دشمنِ جانی
پڑھائی جب اُنھیں اسلام نے پٹی اخوت کی	تمامی رنجشیں تھیں در پسِ دیوارِ نسیانی
عناصر جو تھے ضدِّ یک دگر از ہم جدا ہو کر	بنے قومی جسد کے واسطے اعضائے انسانی
بظاہر منفرد ہیں دست و پا و چشم و سر لیکن	تمام اعضا میں ہر اک اندرونی ربطِ پنہانی
اگر اک رونگٹا بھی مبتلائے درد ہوتا ہی	تو ہی سارے بدن کو بے قراری اور پریشانی

ولیکن ہم کو تم کو قوم و قومیت سے نسبت کیا
مسلمان گور میں ہیں اور کتابوں میں مسلمانی

بایں نا اتفاقی جو مسلمانوں میں واقع ہی
انھیں اک قوم کہنا ہی سراسر جہل و نادانی

غرض ہوتی ہی کوئی مشترک تب قوم بنتی ہی
یہاں اغراض اگر ہیں بھی تو ہیں اہواے نفسانی

لغت والوں نے انساں کو لکھا ہی اُنس سے مشتق
محبت ہی تقاضاے سرشتِ طبعِ انسانی

نہیں انسان پر موقوف اُس خلّاقِ اکبر نے
اسی منہج پہ رکھی ہی اساسِ عالمِ فانی

تمام اجسام ارضی اور سماوی خلقتہً کیا ہیں؟
بس اک جا مجتمع ہیں چند اجزاے حیوانی

اسی سے ہی ثباتِ بندشِ شیرازۂ دنیا
یہی ہی زندگانی اور یہی ہی روحِ حیوانی

بدن سے باد و خاک و آب و آتش کا جدا ہونا
اسی کا نام مرنا ہی بہ سختی یا بآسانی

عناصر قوم کے ما و شما جب کشمکش میں ہوں
حیاتِ قوم کی کس طرح ممکن ہی نگہبانی

مسلمانوں کی بھی اک قوم تھی سو مر مٹی کب کی
اب اُس کا ذکر کرنا بھی ہی گویا مرثیہ خوانی

پڑھے ہیں بس کہ حالات اُن کے تاریخی کتابوں میں
مگر آنکھوں میں پھرتی ہیں وہ شکلیں اُن کی نورانی

خدا رحمت کرے انسانِ کامل کے نمونے تھے
فضائل اُن کے ثابت ہیں ز روے نصِ قرآنی

یہی مشتے ضعیفان قوی دل متفق ہو کر
ہوے تھے چار دانگِ سطوتِ اسلام کے بانی

نہیں امکاں کسی سے ہو سکے ایثار اُن کا سا +
کیے ہیں آپ فاقے بھائیوں کی کر کے مہمانی

جنابِ مرتضیٰؓ اکبار روزوں کے مہینے میں
طعامِ شب پہ بیٹھے تھے کہ آیا کوئی زندانی

پکارا یا علیؓ بھوکا ہوں دلواؤ جو حاضر ہو
کھلا کر اُس کو بھوکے سو رہے با خندہ پیشانی

پھر ایسا ہی ہوا ہی دوسرے اور تیسرے دن بھی
یتیم آیا ہی یا مسکین براے لقمۂ نانی

کیے شیرِ خدا نے تین فاقے متصل باہم
اگر خواہی بگردِ او رسی زنہار نتوانی

سنی ہی حضرتِ صدیقؓ اکبر کی یہ کیفیت
بہت خوشحال اور مال کی بھی تھی فراوانی

دیے راہِ خدا میں خرچ کرتے کرتے آخر کو
بجائے تکمہ تھے ملبوس میں خارِ مغیلانی

غرض رنگین بہ رنگ صبغۃ اللہ سب کی وردی تھی
عقائد میں ارادوں میں نیتوں میں سب کے یکسانی

ہمارے علم میں اُن کی ترقی کا یہی گُر تھا
شجاعت اس کو سمجھو یا اُسے تائیدِ ربّانی

ہر اک فردِ بشر ان میں تھا اپنی قوم پر قربان
سمجھ رکھا تھا سب القوم کو اک جزوِ انسانی

مگر جب دخل پایا قوم میں نا اتفاقی نے
گئی گزری ہوئی ساری جہانگیری جہانبانی

اب اُن باتوں کو کر کے یاد کیوں آزردہ خاطر ہو
مقدر [illegible] پشیمانی

تسلی کو دلِ غم دیدہ کی یہ نکتہ کیا کم ہے
کہ وہ [illegible] کی ہے آنی اور جانی

مبارک ہیں وہ دل تسکین [illegible]
نہ ان کو فرصت [illegible] رنجِ نقصانی

مگر ہم کس طرح سمجھائیں اپنے سرپھری دل کو
ملی ہے [illegible] اسبابِ عقل کی حق سے نگرانی

پڑھا ہے لیس للانسان الا ما سعیٰ جب سے
نہیں ہوتا ہے [illegible] اطمینانِ روحانی

دیئے ہیں دست و پا کوشش کو اور کسبِ معیشت کو
نہ پھر [illegible] کے پیچھے سبحہ گردانی

جسے ہے تقویت لا تقنطوا من رحمۃ اللہ کی
وہ کیوں [illegible] یاس و حرمانی

یہ مانا بجھ گئے پانی وہ اسلامی سمندر کے
کہ جن کی [illegible] ہر وقت اس میں طغیانی

محالِ عقل ہے اسلام میں اگلی سی رونق ہو
بلا سے گر مقدر [illegible] پنپے بریانی

پر اس کے واسطے چندیں شرائط ہیں کہ بے اُن کے
توقع کامیابی کی ہے اک بے صرفہ حیرانی

گروہ موقوف ہیں کشمکش غیروں سے اپنوں سے
کہ [illegible] اغوائے شیطانی

کسی کے دین و مذہب سے غرض کیا ہم کو مطلب کیا
یہودی ہو کوئی [illegible] طرف سے یا کہ نصرانی

تعصب ہے مگر طاعونِ عالمگیر بے درماں
کہ اس کے پیچھے [illegible] رہی سب کی دیوانی

بہ فکرِ دیگراں ہیں احتسابِ نفس سے فارغ
کہ گویا ہو چکا جنت کا ٹھیکہ ان کو ارزانی

تعصب کی بدولت ہی ہم اس نوبت کو پہنچے ہیں
تڑپتے تشنہ لب ہیں بر کنارِ آبِ حیوانی

بچھے الوانِ نعمت کے ہیں خوان اور عام دعوت ہے
مسلمانوں نے خود اپنے گنوں سے لی مگس رانی

خدا نے جن کو دی ہیں نعمتیں دولت کی عزت کی
انھیں اب تک ہے ان سے اجنبیت اور گریزانی

ہوا رنگِ تعصب دور جب آئینۂ دل سے
تو پھر شرطِ وجودِ قوم ہے ترکِ تن آسانی

اگر افراد میں ہو قوم کے یوں یک دلی پیدا
انا السلطان پکار اٹھے فلانی اور بہمانی

غرض جس کے لیے قومی جماعت کی ضرورت ہے
ہے ان وقتوں میں تعلیمِ علومِ انگلستانی

نہ سیکھا جس نے ان کو زندگی کا کیا مزا پایا
نہ جانا جس نے ان کو اس نے قدرِ علم کیا جانی

کہاں تک روئیے اور کس کے آگے روئیے دکھڑا
کہ فرصت کم اور اپنی داستانِ غم ہے طولانی

سنیں جب تک سنانا ہو نہ پہنچیں اصل مطلب کو
طبیعت کیا دکھائے خاک پھر اپنی جولانی

تم اپنی نثر اور نظم کو چھوڑو شیدا احمد
کہ اس کے واسطے موضوع ہیں حالیؔ[1] و نعمانی[2]

چھبیسویں نظم

یہ نظم مولانا نے دہلی دربار کے زمانے میں جب وہاں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا سالانہ جلسہ سنہ ۱۹۰۲ء میں منعقد ہوا لکھی تھی ۔

آتے دکھائی دیتے اپنے بھی دن بھلے ہیں
یعنی کہ اب مسلمان کچھ کچھ سمجھ چلے ہیں

کچھ کچھ سے لیکن ان کو ٹھنڈک پڑے تو کیوں کر
جو دل کہ مدتوں تک ان کے لیے جلے ہیں

گر علم کی طلب ہو صادق انھیں تو جانیں
ورنہ نمائشی یہ سب جوش و ولولے ہیں

۱ و ۲ شمس العلماء مولوی الطاف حسین صاحب حالی۔ اور شمس العلماء مولانا مولوی شبلی نعمانی مراد ہیں ۱۲

روباہ ناتواں ہیں بس خوردہ خوار اور اُس پر
شیروں کے ساتھ آکر ٹھہرے مقابلے ہیں

یورپ نے خشک و تر کو دُنیا کے کھُوند مارا
اُن کی ہی ہمتیں ہیں اُن کے ہی حوصلے ہیں

اک باغ ہے یہ کالج اور نونہال بچے
دیکھو تو کیسے پھولے اور کس قدر پھلے ہیں

اب وقت وہ نہیں ہیں جو ہو چکے ہیں پہلے
بدلے ہوئے جہاں میں سارے معاملے ہیں

حقّا کہ دردِ سر ہے دُنیا میں مُلک داری
کیا سلطنت کریں گے بھونروں میں جو پلے ہیں

کیا پیش لائے دیکھیں تقلیدِ وضعِ یورپ
کوّے ہیں چال ساری ہم ہنس کی چلے ہیں

منزل پر آں پہنچے جو چل پڑے سویرے
ہم رہ گئے پھسڈّی[۵۱] جو دن ڈھلے چلے ہیں

گھر بار سب لٹا دیں تن پروری کے پیچھے
دینے کے نام خالی آئے ہیں اور بلے[۵۲] ہیں

ہے اختلافِ مذہب اک سینہ کا سا کانٹا
اول مناظرے ہیں آخر مجادلے ہیں

عزت کے ساتھ روزی بس ہو چکی مُیسر
گر ایسی غفلتیں ہیں اور یہ تساہلے[۵۳] ہیں

اعمالِ زشت اپنے آخر یہ رنگ لائے
بگڑے ہوئے سمے ہیں طاعون و زلزلے ہیں

دے دو خوشی سے ورنہ ہم لیں گے دے کے دھرنا[۵۴]
تم پوچھو تو کہیں سے ہم بے لیئے ٹلے ہیں

غفلت ہے اور مسلماں جس حال میں جہاں ہیں
گویا کہ ایک سانچے میں سب کے سب ڈھلے ہیں

صوفی و شیخ و زاہد عالم ادیب ناصح
اپنی جگہ بڑے ہیں پر تیل میں تلے ہیں

کُل آدمی ہیں کُندن گر علم و معرفت ہے
اور یہ نہیں تو یارو مٹی کے سب ڈلے ہیں

دُنیا سے زہد و نفرت اک شانِ خودکشی ہے
یہ منع وہ عبادت کیا خوب مسئلے ہیں

بی اے کے امتحاں کو اک پاترا ب سمجھو
پھر اس کے بعد کتنے دشوار مرحلے ہیں

۵۱ سب سے پیچھے ۱۲ ۵۲ ہاں اور ہاں ۱۲ ۵۳ سستی کاہلی ۱۲ ۵۴ کسی کے گھر پر کچھ لینے کے لیئے جم کر بیٹھ جانا اور بے لیئے نہ ٹلنا ۱۲

پڑھنے کی کس کو فرصت مفلس کو فکرِ ناں ہی
اور جو غنی ہیں اُن کو کچھ اور مشغلے ہیں

گاتے تھے چند لڑکے نظمِ نذیر احمد
اِن پاس یا الٰہی ارگن ہیں یا گلے ہیں

رگڑے سے آسمان کے ثابت بچا نہ کوئی
تیری طرح کے دانے اس نے بہت دلے ہیں

یہ اجتماعِ مردم بس دادِ آخری ہی
موقوف جس پہ قومی قسمت کے فیصلے ہیں

سینتیسویں نظم

ذیل کی نظم بھی مذکورۂ بالا کانفرنس میں لکچر کے بعد پڑھی تھی ؎

نگاہِ لطف و عنایت ذرا خدا کے لیے
کہ ہم سب آئے ہیں خدمت میں التجا کے لیے

نہ ہمیں ہی غرض اور نہ ہمیں سے مطلب
اکٹھے ہیں جمع ہم اک خاص مدعا کے لیے

ہماری قوم ہی بیمار [illegible] شکل
اب اس کی زیست ہی بس آخری فنا کے لیے

مگر جو اس کے ہوا خواہ ہیں وہ کہتے ہیں
دوا مرض کے لیے ہی مرض دوا کے لیے

خدا کے فضل سے کوئی نہ ہو کبھی مایوس
سوال و باطل و تشخیص ہی ماسوا کے لیے

اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہی فنا و بقا
بنا ہی عالمِ اسباب ابتلا کے لیے

کوئی بتا نہیں سکتا مآلِ مستقبل
یہ علم خاص ہی بے چون و بے چرا کے لیے

خدا ہی جانے کہ کیا کس کو پیش آنی ہی
کوئی تو سمت مقرر کرے ہوا کے لیے

اگرچہ حال ہی بیمار کا ردی لیکن
ہمارا فرض ہی کوشش کریں شفا کے لیے

نہیں ہی یہ کہ علاجِ مرض نہیں معلوم
نہ یہ کہ بائے ہی تشخیص میں خطا کے لیے

لے قریب المرگ ۱۲ - لے آزمائش ۱۲

علاج وہ جسے یورپ نے آزما دیکھا
تو کیوں مفید نہ ثابت ہو ایشیا کے لیے

دل و دماغ و سر و سینہ جو وہاں سو یہاں
وہی ہی معدہ کی اک دیگچی غذا کے لیے

اگر اُن میں ہم میں تفاوت ہی کچھ تو رنگت کا
وگرنہ ایک سے سانچے ہیں دست و پا کے لیے

سروں میں دونوں کے ہیں تعبیہ[۱] دو چشم و دو گوش
وہ دیکھنے کو یہ شنوائیے صدا کے لیے

کمی ہی ہم میں تو اک علم کی کہ علم مفید
ہماری قوم میں سے اُٹھ گیا سدا کے لیے

شمار میں ہیں کروروں و لیک رمز شناس
جو ڈھونڈیے تو بہت نہیں دوا کے لیے

ہمارا علم ہی الفاظ کا اُتار چڑھاؤ
کہ انتہا نہیں ہی لفظیات کی انتہا کے لیے

کسی کے ذہن میں گر ہی بلند پروازی
تو علم فلسفہ مشغلہ[۲] ہی ارتقا[۳] کے لیے

مگر وہ فلسفہ جو ہی بکار خلق نہیں
[illegible] میں کے لیے اور نہ اُس [illegible] کے لیے

ذلیل ہو گئے ایسے کہ منہ دکھانے کی
جگہ نہیں ہی کسی مرد با حیا کے لیے

ہمیں جو صید[۴] زبوں سب نے دیکھ پایا ہی
ہر ایک بے سبب آمادہ ہی جفا کے لیے

کبھی تو چین ہو کیا ای تداول[۵] ایام
ہمیں ہی پیسنے کو گردوں کی آسیا[۶] کے لیے

دوا ہوئی بھی تو کیا جب وہ اتنی مہنگی ہی
کہ گنج چاہیے قارون کا بہا[۷] کے لیے

جو ہم میں شاد کوئی ہی امیر دولت مند
تو اس کا مال ہی مصرف ناروا کے لیے

اُسے کسی کی مصیبت کی ہو چکی پروا
جو معتقد ہی کہ ہی عیش اغنیا کے لیے

کبھی سنا نہیں اس نے کہ کیا بلا ہی قوم
نہ یہ کہ اس کا تمول ہی [illegible] کے لیے

اگرچہ قوم میں ہیں نسبتہً غریب بہت
کہ دن کو فاقہ ہی اور کچھ نہیں عشا[۸] کے لیے

---

۱ بھرنا آراستہ کرنا ۱۲ ۲ شغل نردبان جو بیں کی سیڑھی ۱۲ ۳ [illegible] عروج ۱۲ ۴ [illegible] آسمانی سا جز شکار جو بے محنت مل جائے ۱۲ ۵ گردش ۱۲ ۶ چکی ۱۲ ۷ قیمت ۱۲ ۸ طعام شب ۱۲

لباسِ موسمِ گرما میں گو نہیں درکار
مگر ہے لازمۂ زندگی شتا[1] کے لیے

وہ بدنصیب کہاں پائے رختِ سرمائی
کہ جس کے پاس نہیں چھپرا[2] کے لیے

پر اتفاق بجائے خود ہی دولت و ملک
یہ بن پڑے تو بس اکسیر ہے غنا کے لیے

مگر یہاں تو کسی کو نہیں کسی سے لگاؤ
کہاں سے آئیں خزائن جدا جدا کے لیے

غرض نظر نہیں آتی کوئی سبیلِ فلاح
تو آؤ مل کے اٹھیں ہاتھ سب دعا کے لیے

الٰہی ہم تو ہیں نااہل و ہیچ کارۂ محض
تو ہی ہے مرجعِ حاجات ہر گدا کے لیے

ہماری کوتہیوں پر نظر نہ کر یا رب
نہ دیکھ کردہ و ناکردہ مصطفیٰ کے لیے

یہ عہدِ عافیت و عدل و امن و آزادی
صلائے[3] عام ہے ہر کوشش آزما کے لیے

اسے ثبات ہو اور ہم کو جہد کی توفیق
کہ اجر و مزد ہے موعود ماسعیٰ کے لیے

ہمارے قبضۂ قدرت میں ہوں خزائنِ ارض
نہیں ہمارے لیے ہم فقط خدا کے لیے

اڑتیسویں نظم

اشعارِ ذیل لکچر چھپنے کے بعد سفرِ بمبئی کے وقت تصنیف فرمائے تھے اور سنہ ۱۹۰۳ء کے کانفرنس بمبئی میں لکچر دینے سے پہلے پڑھے تھے۔

دوست غمخواری میں میری سعی فرمائیں گے کیا
زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھ جائیں گے کیا

بے نیازی حد سے گزری بندہ پرور کب تلک
ہم کہیں گے حالِ دل اور آپ فرمائیں گے کیا

[1] جاڑا ۱۲ [2] چادر ۱۲ [3] آوازۂ بخشش ۱۲

کہتے ہو ہی بمبئی مشتاق لکچر دیر سے
آئے ہیں لینے تو دھن اُن دے کے لیں گے صاحبو
ہاں یہ پوچھو بن گئی گر اپنی یونیورسٹی
اُن کو پڑھوائیں گے اسلامی اُخوت کا سبق
رحمت ای دستِ جنوں جس نے فارغ کر دیا
عام دعوت ہی مگر لوگوں کا ہی آنا ہجوم
حضرتِ ناصح جو آئیں دیدہ و دل فرشِ راہ
کاہلی جہل اور تعصب ذلت ادبے غیرتی
جی کو جائیں سر کے بل لیکن یہ آتا ہی حجاب
اُن کو تحفہ سوادِ قوم پر تھا فخر و ناز

طاعۃ - پر یہ تو فرماؤ کہ کھٹوائیں گے کیا
اب تو سر ہیں بمبئی کے بے لیئے جائیں گے کیا
اُس میں رکھ کر طالب العلموں کو پڑھوائیں گے کیا
بے اُخوت قوم کو یہ نفع پہنچائیں گے کیا
جیب و داماں دونوں غائب ہیں تو سلوائیں گے کیا
گر گئے بھی ہم تو دھکوں کے سوا کھائیں گے کیا
کوئی ہم کو یہ تو سمجھائے کہ سمجھائیں گے کیا
وعظ کے صیقل سے یہ سب زنگ چھٹ جائیں گے کیا
اُس رسولِ پاک کو مُنہ اپنا دکھلائیں گے کیا
فخر کرتے وقت ہم جیبوں کو ٹٹولائیں گے کیا

اُنتالیسویں نظم

ذیل کے اشعار بھی بمبئی کانفرنس کے لیئے ارشاد فرمائے تھے جو ۱۹۰۳ء کی محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس میں لکچر کے ختم پر پڑھے تھے۔

سُن اے بمبئی تجھ پہ پیروں کا سایا
عرب کا ذرا ہاشمی کی سرزمیں میں
بھرے تجھ میں پیوں مال و زر کے خزانے

تجھے جیسا سنتے تھے ویسا ہی پایا
تو گویا کہ برزخ ہی دنیا و دیں میں
شرف تجکو بخشے ہیں کتنے خدا نے

۱ ... بمبئی کا محاورہ ہی یعنی یہ تو بتلاؤ کہ دلوا کر گیر کیا ؟ ... قوم کی ... تو فیر ۱۲-

تجارت کا تجکو عجب گُر ملا ہی ‏ سمندر سے اک بے بہا دُر ملا ہی
تو گُل دستۂ علم و فضل و ہنر ہی ‏ حکومت کا صوبے کی ہڈکوارٹر[1] ہی
غرض تیری ہر ایک ادا ہم کو بھائی ‏ خصوصاً تری رفتگی اور صفائی
ہیں شہر اور بھی پر ہی کیا بات تیری ‏ مکانات تیرے عمارات تیری
سمندر کا ساحل ترا مستقر ہی ‏ حکومت تری بر سرِ بحر و بر ہی
تہی دستی اور مفلسی بد بلا ہی ‏ مگر دیکھ کر تجکو جی خوش ہوا ہی
نہ ہوں گر میامن[2] بواہر نمایاں ‏ مسلمان رہ جائیں مثلِ گدایاں
نہیں یہ کہ اوڑھے ہوئے شال سب ہیں ‏ ولیکن بہر حال خوش حال سب ہیں
مگر ہم کو تم سے شکایت بڑی ہی ‏ ہمیں قوم کی تم کو اپنی پڑی ہی
قدم رنجہ فرماؤ چل کر تو دیکھو ‏ ذرا گھر سے باہر نکل کر تو دیکھو
مسلمان کس رنگ کس حال میں ہیں ‏ تمام اِن کی خر مستیاں کھال میں ہیں
یہ[3] مانا کہ تمکو ذرا غم نہیں ہی ‏ غمِ قوم سمجھو تو کچھ کم نہیں ہی
بُرا اگر نہ مانو تو اک بات پوچھیں ‏ سبب پوچھیں اور وجہِ مافات پوچھیں
فقط ہند میں ہیں مسلمان کتنے ‏ کہو چھ کروڑ اور اوپر سے اتنے
تو کیا تم سب آپس میں بھائی[4] نہیں ہو ‏ اُسی ایک دیں کے فدائی نہیں ہو
اگر مختلف فیہ ہیں چند باتیں ‏ تو کیوں اُن پہ کُٹتے چلیں اور لاتیں

؎۱ مستقر ۱۲ ؎۲ میمن اور بوہرے کی جمع ۱۲ ؎۳ ای آں کہ باقبال تو در عالم نیست ÷ گیرم کہ غمت نیست غمِ باہم نیست ۱۲ ؎۴ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ (مسلمان تو بس آپس میں بھائی بھائی ہیں ۱۲-

جو کرنا ہی تم کو کرو ایک بن کر[1] — بدی کو دباتے رہو نیک بن کر[2]

زمانے میں ہر ایک کی حالت جدا ہی — شہنشاہ ہی کوئی کوئی گدا ہی

مبذّر[3] رہی مسرف ہی خرّاج کوئی — رہے کوڑی کوڑی کو محتاج کوئی

کسی کو نہیں امتلا[4] سے افاقہ — کسی کو ہی ناچار دو دن کا فاقہ

پہنتا ہی پشمینہ یک لخت کوئی — سسکتا ہی جاڑے میں کمبخت کوئی

نہ پیارا[5] خدا کا ہی وہ جو غنی ہی — نہ مفلس سے اللہ کو دشمنی ہی

مگر جو ہی جس حال میں ہی جہاں ہی — ہر اک کا لیا جا[6] رہا امتحاں ہی

[1] وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا۔ اور سب (مل کر) مضبوطی سے اللہ (کے دین) کی رسی کو پکڑے رہو اور ایک سے الگ نہ ہونا ۱۲ [2] اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ الخ۔ برائی کا دفعیہ ایسے برتاؤ کرو کہ وہ بہت ہی اچھا ہو (اگر ایسا کروگے) تو (تم دیکھ لوگے کہ) تم میں اور کسی شخص میں عداوت تھی تو ایکدم سے اب گویا وہ (تمہارا) دل سوز دوست ہی ۱۲ [3] بے جا خرچ کرنے والا ۱۲ [4] ضرورت سے زیادہ پیٹ بھر جانا۔ اپھرنا ۱۲ [5] وَلَوْلَآ اَنْ یَّکُوْنَ النَّاسُ اُمَّۃً الخ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سب لوگ ایک ہی طریقے کے ہو جائیں گے تو (ساز و سامان دنیا ہمارے ہاں ایسی قدر حقیر ہی کہ) جو لوگ منکر (خدائے) رحمٰن ہیں ان کے لئے گھروں کی چھتیں ہم چاندی کی کرا دیتے اور (چھتوں کے علاوہ چاندی کے) زینے کہ ان پر چڑھتے (اترتے) اور (چاندی ہی کے) ان کے گھروں کے دروازے (کر دیتے) اور (چاندی ہی کے) تخت کہ ان پر (مزے سے) تکیے لگا لگا کر بیٹھتے اور (چاندی ہی نہیں بلکہ) سونے کے (بھی) اور (پھر بھی یہ تمام (ساز و سامان) دنیا کی زندگی کے (چند روزہ) فائدے ہیں اور (اس کے بمقابلہ مفاد) آخرت تمہارے پروردگار کے ہاں پرہیزگاروں (ہی) کے لئے ہی ۱۲ [6] لِیَبْلُوَکُمْ فِیْمَآ اٰتٰکُمْ۔ تاکہ جو نعمتیں تم کو دیں ہیں ان میں تمہاری (شکر گزاری اور فرماں برداری کی) آزمائش کرے ۱۲

امیروں سے کیا چاہتے ہیں سخاوت؟
غریبوں سے صبر و شکیب و قناعت

تو اے صاحبو دل میں انصاف کر لو
سمجھ لو اگر شبہہ ہو صاف کر لو

کہ جو کچھ ہو اُس کو تم اپنا نہ جانو
خدا کی امانت اِسے کر کے مانو

کفایت[1] شعاری سے اِس کو اُٹھاؤ
ضرورت سے زاید نہ پہنو نہ کھاؤ

اگر ایک کوڑی بھی کی صرفِ بے جا
کیا جائے گا پلپلا سر کا بھیجا

پس انداز ہو خرچ سے جو کمائی
کر و اُس سے لوگوں کی حاجت[2] روائی

سو یہ مسئلہ ہو چکا ہے مُسلّم
ہی تعلیم سب حاجتوں میں مقدم

سب اغراض کو بر ہدف تیر ہے یہ
کُل امراض کے حق میں اکسیر ہے یہ

تو اِس فنڈ کے اہل مہدی علی ہیں
اگر ہم مسلمان ہیں یہ دلی ہیں

اگر قوم تعلیم سے بہرہ ور ہو
تو ہم بخش دیں سلطنت بھی اگر ہو

اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دلِ مارا
بخالِ ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

یہ چندے پھر آخر کو واپس ملیں گے
وہاں ایک کے اک کے دس دس ملیں گے

اگر اس سے بڑھ کر کسی کو ہو ہمّت[4]
تو قرآن میں وعدہ ہے سات سو کا[5]

[1] وَلَا تَجْعَلْ یَدَكَ الخ اور (اے پیغمبر) اپنا ہاتھ نہ تو اتنا سکیڑو کہ (گویا) گردن میں باندھا ہے اور نہ بالکل اس کو پھیلا ہی دو (ایسا کروگے) تو تم ایسے بیٹھے رہ جاؤگے کہ لوگ تم پر ملامت بھی کریں گے (اور) تم تہی دست بھی ہو گے ۱۲ [2] ایسی خواہش جس سے طبیعت سیر نہ ہو ۱۲ [3] مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ الخ جو لوگ اپنے مال خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اُن کی (خیرات کی) مثال اُس دانے کی سی ہے کہ جس سے سات بالیں پیدا ہوئیں۔ ہر بال میں سو دانے۔ اور اللہ برکت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور اللہ (بڑی) گنجائش والا اور ہر ایک چیز (کے حال سے) واقف ہے

جنابِ الٰہی میں اب ہاتھ اُٹھا کر | نذیر احمد ان سب کے حق میں دعا کر

جہاں میں خوش و خورم و شاد رہنا
بفضلِ خدا دیر آباد رہنا

چالیسویں نظم

مندرجہ ذیل نظم ایک طولانی مگر ضروری اور مفید تمہید کے بعد مولانا نے انجمن حمایت اسلام لاہور کے انیسویں اجلاس ۱۹۰۴ء میں پڑھی تھی تمہید یہ ہے۔

باندھتے ہیں سرد کو آزاد اور دہ پا بگل
کیسی آزادی کہاں یہ حال ہے آزاد کا

سامعین میں چند صاحب ایسے بھی ضرور ہوں گے جنھوں نے اس پلیٹ فارم پر مجھے شاعری کی مذمت کرتے سنا ہوگا۔ میں شاعری کی مذمت اَلنَّاسُ اَعْدَاءٌ لِمَا جَهِلُوا کی وجہ سے کرتا ہوں۔ ایسا کروں تو میری مثال اُس لومڑی کی سی ہو جو انگور کے خوشوں پر دسترس پا کر یہ کہتی ہوئی گزر گئی تھی کہ انگور کھٹے ہیں۔ نہیں میں شاعری کی مذمت اس وجہ سے کرتا ہوں کہ خود اللہ تعالیٰ جل شانہ نے باستثناء بعض قرآن پاک میں شاعروں کی مذمت فرمائی ہے۔ . . . . مدتوں تک میری یہ رائے رہی کہ مروجہ شاعری قوم کے اخلاق قوم کے مذاق کو خراب کرنے والی ہے مگر اب سے

یہ الٰہی سال این معنی محقق شد بخاقانی
کہ یورانی است بادنجان بادنجان ست بورانی

میرا خیال یہ ہی کہ پہلے قومی مذاق بگڑا ہی اور مذاق بگڑا ہی مذہبی لاپروائی سے جو ایک طرح کی آزادی ہی اور مذہبی لاپروائی پیدا ہوئی ہی اُس غفلت سے جو مسلمانوں نے قرآن کی طرف سے کی ہی اور کر رہے ہیں۔ شاعروں کا مقصود اصلی یہ ہوتا ہی کہ اُن کا کلام عام پسند ہو۔ جیسے عام تھے جیسے اُن کے مذاق تھے۔ شاعروں نے عام کے خوش کرنے کو ویسے ہی سانچے میں اپنے کلام کو ڈھالا۔ یوں شاعری کی مٹّی پلید ہوئی۔ اسی مذاق کی گندگی نے خواجہ حافظ شیراز جیسے پاک نفس صوفی کو مجبور کیا کہ انھوں نے شراب اور ساقی کے پیرائے میں تصوف کے مسائل بیان کیے۔ عوام شراب و ساقی کے نام پر لٹّو ہوے۔ اور خواص نے شراب سے عشق آلٰہی مراد لی اور ساقی سے شیخ و مرشد۔ خواص خواجہ حافظ کے کلام کے ایسے گرویدہ ہوے کہ انھوں نے خواجہ کو لِسانُ الغَیب کا خطاب دیا۔ کہتے ہیں کہ عالمگیر جیسا متشرع ہمہ وقت دیوانِ حافظ پاس رکھتا اور بات بات میں استخارے کے طور پر اُس سے تفاول کرتا میں نے بچشمِ خود ایک صاحبِ دل کے پاس قرآن اور مثنوی مولنا روم اور دیوانِ حافظ کو ایک جلد میں بندھا ہوا دیکھا ہی اور رند لاابالی کو بدمستی کی حالت میں ؎

مطربِ خوش نوا بگو تازہ بتازہ نو بہ نو

گاتے بھی سنا ہی اُردو فارسی کا لٹریچر پیٹ بھر کر بگڑا ہوا تو ہی مگر اُس میں بہت سے اشعار ایسے بھی ہیں کہ خواجہ حافظ کے اشعار کی طرح دو پہلو رکھتے ہیں ایک تہذیب کا دوسرا زندگی کا۔ اب کے جو دل انجمن سے لکھر کے لیے خیالات جمع کرنے کو ہوا تو خود بخود ذوق کا یہ شعر خیال پر چڑھ گیا ؎

باندھتے ہیں سرو کو آزاد اور وہ پابگل	کیسی آزادی کہ یاں یہ حال ہی آزاد کا

اس میں تو بُرائی کا کوئی پہلو نہیں۔ مَیں نے اسی کو اپنے لکچر کا سبجکٹ[۱] بنایا اور یہ شعر مجھکو کچھ ایسا بھایا کہ میں آپ ہی آپ اس کو بار بار پڑھتا رہا۔ اور اسی کے وزن پر خود بھی کچھ شعر کہے تو پہلے میں اپنے شعر پڑھ لوں پھر آزادی پر کچھ کہوں۔ میں نے ان اشعار کے علاوہ پہلے بھی اپنے لکچروں کے ساتھ نظمیں پڑھی ہیں کبھی شروع میں کبھی آخر میں۔ لیکن میں نے جب جب نظم کہی ہی بادلِ ناخواستہ فرمایشی شاعری کی ہی اور میں اتنے کو بھی پسند نہیں کرتا۔ مگر لوگوں کی فرمایش سے مجبور ہو جاتا ہوں۔ قرآنِ پاک میں ایک جگہ ایک امرِ منہی عنہ کے بعد فرمایا ہی تِلْكَ[۲] حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا۔ یعنی حلال و حرام میں ایک حد قرار دے کر فرمایا کہ حد سے تجاوز کرنا کیسا حد کے پاس جانے کی بھی جرأت نہ کرو۔ اور اسی بنا پر صحابہ رضوان اللّٰہ علیہم اجمعین بہ تقاضائے احتیاط مناجات میں بھی توسّع سے پرہیز کرتے تھے۔ پس اگرچہ مولوی الطاف حسین حالی وَ امثالہٖ کی قومی نظموں کے پڑھنے میں کسی طرح کی قباحت نہیں..... مگر شیوۂ احتیاط یہی ہی کہ نوجوان طالب العلموں کی طبائع میں نظم کا مذاق ہی پیدا نہ ہونے دیا جائے اور اُن کی پوری توجہ علمِ نافع کے اکتساب میں مشغول رکھی جائے۔ میں نے علی گڈھ کالج اور انجمن حمایت اسلام کے طلبہ کو کبھی کبھی ہم لوگوں کی دیکھا دیکھی نظم کہتے دیکھا ہی اور اُن کی اس ادا کو پسند نہیں کیا مگر لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ[۳] کی وجہ سے طلبہ جیسا چاہیے متاثر نہیں ہوئے۔ میری اصل رائے تو یہ ہی لیکن وہ جو کہتے ہیں کہ چور چوری سے جاتا ہی تو بھی ہیرا پھیری سے نہیں جاتا۔ نظم کہہ کر لایا ہوں تو بے سنائے نہیں رہا جاتا وہ طرح کا شعر تو سُن چکے ہو اُس پر میرے اشعار یہ ہیں ؎

---

[۱] موضوع ۱۲ [۲] یہ اللّٰہ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں تو ان کے پاس بھی نہ پھٹکنا ۱۲ [۳] کیوں کہہ بیٹھا کرتے ہو جو تم کرکے نہیں دکھاتے ۱۲

ممبرانِ انجمن میں ذکر کیا فرہاد کا	اُس میں ان میں فرق ہی شاگرد اور اُستاد کا
جلبِ چندہ کم نہیں لانے سے جوئے شیر کے	بے تکلف ہی تفاوت سنگ اور فولاد کا

یہ دونوں شعر ظاہرا بے مناسبت سے معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن میں ان کی تھوڑی سی تشریح کروں تو بے مناسبتی دور نہیں تو کم ضرور ہو جائے گی۔ اول سمجھنا چاہیے کہ عشق کیا چیز ہی؟ حد سے بڑھی ہوئی محبت کا نام ہی عشق! مطلق محبت تو انسان کے خمیر میں داخل ہی۔ یہاں تک کہ انسان کی وجہ تسمیہ یہی بیان کی جاتی ہی کہ لفظ انسان نکلا ہی اُنس سے اور دیکھا بھی جاتا ہی کہ کوئی فردِ بشر اُنس و محبت سے خالی نہیں جس کو جس چیز کا جس بات کا شوق ہو اگر وہ شوق حُبُّكَ الشَّيْءَ يُعْمِي وَيُصِمُّ (کسی چیز کی محبت تجھے اندھا بہرا کر دیتی ہی) کے درجے کو پہنچ گیا ہی۔ تو اسی کو عشق کہیں گے۔ یہ تو لغت کی رو سے ہوا۔ مگر عرف میں عشق ایسی محبت پر بولا جاتا ہی جو آدمی کو اپنے ہم جنس کے ساتھ ہو۔ شاعروں نے ادعائی طور پر جیسی اُن کی عادت ہی [illegible] کا میلان جانوروں میں بھی فرض کرکے پروانے کو شمع کا۔ بلبل اور بھونرے کو گُل کا۔ قُمری کو سرو کا۔ گرگٹ کو آفتاب کا۔ چکور کو چاند کا عاشق قرار دیا ہی۔ نوعِ بشر میں وامق اور عذرا۔ لیلیٰ اور مجنون۔ نل اور دمن۔ غیلان اور مَیّ رامن اور ویس۔ سلیمان اور بلقیس۔ یوسف اور زلیخا۔ فرہاد اور شیرین کا عشق مثل زد ہی۔ میں نے فرہاد کو اس لیئے خاص کیا کہ اس کی معشوقہ شیرین نے تعلیق المحال بالمحال پہاڑ میں سے جوئے شیر لانے کی فرمایش کی فرہاد نے جنونِ عشق کے جوش میں کہ اَلْعِشْقُ نَوْعٌ مِنَ الْجُنُوْنِ۔ ممکن و محال پر نظر کی نہیں لگا پہاڑ کو کھودنے۔ پہاڑ سے جوئے شیر تو کیا لا سکتا تھا۔ مگر اُس نے دنیا پر اپنا سچا عشق تو ثابت کر دیا جس کا افسانہ

سلہ دشوار سے دشوار ۱۲۔

آج تک زبان زدِ شعرا ہی۔ میں انجمن اسلام لاہور کے حال پر نظر کرتا ہوں تو ممبرانِ انجمن کو فرہاد سے بھی بڑھا ہوا پاتا ہوں۔ کاہے میں؟ اُسی جنون میں جو فرہاد کو تھا ممبرانِ انجمن لفظ جنون کے استعمال کو معاف فرمائیں گے کیوں کہ اَلْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ۔ میں بُری نیت سے ان کے حق میں اِس لفظ کا استعمال نہیں کرتا۔ ممبرانِ انجمن اور فرہاد میں مشابہت اور مماثلت بھی ہی اور پھر اُن کو فرہاد پر فضیلت بھی ہی مماثلت اور مشابہت تو عشق میں ہی۔ فرہاد شیریں کا عاشق تھا۔ ممبرانِ انجمن قوم کے عاشق ہیں۔ فرہاد نے جوئے شیر کے لانے میں قصدِ محال کیا تھا۔ ممبرانِ انجمن نظر بحالاتِ زمانہ قوم کی تعلیم میں قصدِ محال کر رہے ہیں۔ ممبرانِ انجمن کو فرہاد پر برتری اور فضیلت اِس بات میں ہی کہ فرہاد پہاڑ سے جوئے شیر لانا چاہتا تھا ممبرانِ انجمن مفلس اور قدر شناس قوم کی جیب دل سے ابیضِ[1] منقوش اصفرِ ضیاح کے نکالنے کی فکر میں ہیں ؎

چاہیئے زر ممبرانِ انجمن کے واسطے سیم و زر مفلسوں کے پاس کہاں	قوم مفلس ہاں نہیں کوڑی کفن کے واسطے جیل کے گھونسلے میں مانس کہاں

افلاس کے علاوہ اُحْضِرَتِ[2] الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ؎

گر جاں طلبی مضائقہ نیست	زر می طلبی سخن دریں ست

اسی لحاظ سے میں نے فرہادِ کوہ کن کے مقابلے میں ممبرانِ انجمن کو فولاد شکن سمجھا کیوں کہ فولاد پتھر سے بہت زیادہ سخت ہی۔۔۔۔ پس بقاعدہ علی حسب قَدْرُ الْمَرْءِ تَأْتِيْ الْعَزَائِمُ جن کے رتبے میں سوا اُن کو سوا مشکل ہی۔ فرہاد پر ممبرانِ انجمن کی فضیلت ثابت۔ خدا خدا کرکے میرے، شروع کے دو شعر تو ہوئے اب آور لو۔

[1] روپیہ اشرفی ۱۲ [2] تھوڑا بہت بخل تو سب ہی کی طبیعت میں ہوتا ہی ۱۲ ہر شخص اپنے مرتبے کے موافق قصد کرتا ہی ۱۲

کچھ تو ایسی ہی مصیبت آ بنی ہی قوم پر
انجمن میں آج اک ہنگامہ ہی فریاد کا

مٹ گئیں قومیں کی قومیں اپنے ہی کرتوت سے
کیا سُنا تم نے نہیں قصہ ثمود و عاد کا

اک ثمود و عاد کیا قومِ شعیب اخوانِ لوط
لشکرِ اصحابِ فیل و فوجِ ذی الاوتاد کا

نوحؑ کی امّت کو جب غارت کیا طوفان نے
سطح پر پانی کے اک انبار تھا اجساد کا

ڈوب کر پانی میں جب نکلے تو نی التنار الجحیم
پر نتیجہ اُن کے حق میں ایک تھا اضداد کا

کھا کے گندم بوالبشر آدم نے نقصاں کر لیا
اپنا اور اولاد کا اولاد کی اولاد کا

ایک سجدے کے نہ کرنے سے ہوا شیطاں رجیم
بس نہیں اپنے گناہوں کو شمار اعداد کا

سنتُ اللہ ہی کبھی بدلی کسی کے واسطے
کچھ لحاظ اس نے کیا نمرود کا شداد کا

رافت و رحمت خدا کی عام ہی بندوں کے ساتھ
کفر اور کفران ہی اُس پہ گماں بے داد کا

ہاں مگر بندے خود اوپر اپنے لاتے ہیں بلا
خونِ فاسد گویا مشتاق ہی فصاد کا

منزلِ ہستی کو ہم سب کر رہے ہیں طی مگر
مفلسی سے حال ہی وا ماندہ بے زاد کا

بھیک منگوا کر تمھیں چھوڑے گا یورپ ایک دن
یا نکالو سوچ کر رستہ کوئی ایجاد کا

گنجِ قاروں سرزمینِ ہند میں مدفون ہی
اک اشارہ چاہیے سائنس کی امداد کا

کب سے قایم ہی جہاں اور اتنے استحکام پر
ہر بشر شاکی ہی اس کی سستیِ بنیاد کا

خضر نے کھیے کر ڈبوئی ہم مسلمانوں کی ناؤ
گمرہانِ چند نے منصب لیا ارشاد کا

نام انگریزی کے پڑھنے کا اگر لیتا کوئی
مولوی دیتے تھے فتویٰ کفر کا الحاد کا

مدتِ بعدِ جنگ اب آخر پسیجے بعض بعض
کھو چکا جب کھو چکے ہر خانمان برباد کا

قل ہو اللہ پڑھ رہی ہیں انتہا یاس شخص کی
اور یہ پڑھواتے ہیں اوپر سے سبق اوراد کا

آنکھ اندھی ہو تو شاید بن سکے تدبیر سے
چارہ ناممکن ہی دل کے کورِ مادر زاد کا

حیف ہم خوشیاں منائیں اپنے عزیزوں کے ساتھ	اور نہ خیال آئے یتیموں کے دلِ ناشاد کا
وقت ازبس تنگ ہی دینا ہی جو کچھ دے چکو	ہو نہیں سکتا تحمل وعدہ و میعاد کا
میں کہاں اور شاعری کا مشغلہ بے سودِ محض	یہ وہ کرتا ہی جو محفل سے ہو خواہاں داد کا
انجمن کے واسطے میں بھی ہوں خواہاں داد کا	دادِ تحسین کا نہیں دادو دہش کی داد کا

یہ جو کچھ میں نے کہا لکچر کے بعد ہوتا تو میں اِس کو روکھن کہتا۔ مگر لکچر سے پہلے ہی تو میں اِس کو بانگی کہہ سکتا ہوں۔ اِس نظم میں جن لوگوں کا مذکور ہی کہ ان پر نَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنْ غَضَبِ اللّٰہِ خدا کا عتاب ہوا ایک نظر دیکھنے کے لیئے میں نے اُن کا ایک نقشہ بنا لیا ہی اس نقشے میں لوگوں کے نام ہیں اُن کی نافرمانیاں ہیں اور نافرمانیوں کی سزائیں ہیں اور اِس سے غرض یہ ہی کہ گزشتگان کے حالات سے ہم لوگ عبرت پکڑیں۔ پند پذیر ہوں اور خدا کی نافرمانی سے محترز رہیں۔

نام	نافرمانی	سزائے نافرمانی
قومِ ثمود	یہ قوم بت پرست تھی اور پہاڑوں کو تراش کر بڑی بڑی عالی شان عمارتیں بنانے میں فخر کرتی تھی پیغمبر صالح کی نافرمانی کی معجزے کی اونٹنی کو ذبح کر ڈالا۔	آسمانی چیخ سے ہلاک ہوگئی۔
قومِ عاد	یہ بھی بت پرستی میں منہمک تھی اور بے ضرورت بڑی بڑی اونچی یادگاریں بنانے اور صنعت کے محل تعمیر کرنے میں فخر کرتی تھی	ہوا کے تیز و تند جھکڑ سے ہلاک ہوئی جو برابر سات رات اور آٹھ دن چلا۔
قومِ شعیب	یہ لوگ مشرک تو تھے ہی ماپ تول میں بھی کمی کیا کرتے تھے اور قزاقی اور رہزنی اِن کا عام پیشہ تھا۔	زمین کی طرف سے زلزلہ آیا آسمان کی جانب سے بجلی گری سب ہلاک ہوگئے۔

نام	نام نافرمانی	سزاے نافرمانی
اخوان لوط	یہ لوگ بھی بت پرست تھے اور بت پرستی کے علاوہ مرتکب فواحش بھی۔	آسمان سے پتھر برسے اور جبرئیل فرشتے نے اِن کی بستیوں کو اُلٹ دیا۔
اصحاب فیل	خانۂ خدا کی ہتک حرمت کے ارادے سے بہت سا لشکر لے کر بیت اللہ پر چڑھائی کی۔	پرندوں نے اوپر سے کنکر پھینکے اور سب ہلاک ہو گئے
ذی الاوتاد یعنی فرعون	خدائی کا دعویٰ کیا اور بنی اسرائیل کو یہاں تک تکلیف پہنچائی کہ اُن کے ہزارہا معصوم بچوں کو قتل کر ڈالا۔ اور مرد و عورتوں سے ذلیل ذلیل خدمتیں لیں۔	وہ اور اُس کا لشکر دریا میں ڈبو دیا گیا۔
اُمت نوح	یہ لوگ بت پرستی کرتے اور بت پرستی کے علاوہ پیغمبر وقت کی سخت نافرمانی کرتے تھے۔	پانی کا طوفان آیا اور سب غرق ہو گئے۔
ابوالبشر حضرت آدم	خدا نے منع کیا تھا کہ گیہوں کے درخت کے پاس جاکر بھی نہ پھٹکنا اُنھوں نے اُسے کھا لیا۔	جنّت اور آسمانوں سے اُتار دیے گئے۔
شیطان	خدا نے آدم کے لیے سجدہ کرنے کا حکم دیا اس نے خدا کی حکم عدولی کی آدم کو سجدہ نہیں کیا۔	ملاءِ اعلیٰ سے نکال باہر کیا گیا اور ہمیشہ کے لیے جہنمی اور ملعون ہوا۔

میں نے اِس نقشے میں نمرود اور شداد کا ذکر نہیں کیا اگرچہ نظم میں یہ دونوں نام مذکور ہیں۔ نقشے میں نہیں ذکر کیا اِس لیے کہ قرآن مجید میں اِن کا بالتصریح ذکر نہیں ہے لیکن مشہور یہ ہے کہ نمرود اور اُس کی قوم ستارہ پرست تھی۔ اور یہی وہ شخص ہے جس نے ابراہیم علیہ السلام سے

حیف ہم خوشیاں منائیں اپنے فرزندوں کے ساتھ — اور نہ خیال آئے یتیموں کے دلِ ناشاد کا
وقت از بس تنگ ہی دینا ہی جو کچھ دے چکو — ہو نہیں سکتا تحمل وعدہ و میعاد کا
میں کہاں اور شاعری کا مشغلہ بے سودِ محض — یہ وہ کرتا ہی جو محفل سے ہو خواہاں داد کا
انجمن کے واسطے میں بھی ہوں خواہاں داد کا — دادِ تحسین کا نہیں داد و دہش کی داد کا

یہ جو کچھ میں نے کہا لکچر کے بعد ہوتا تو میں اس کو روٹھن کہتا۔ مگر لکچر سے پہلے ہی تو میں اس کو بانگی کہہ سکتا ہوں۔ اِس نظم میں جن لوگوں کا مذکور ہی کہ ان پر نَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنْ غَضَبِ اللّٰہِ خدا کا عتاب ہوا ایک نظر دیکھنے کے لیئے میں نے اُن کا ایک نقشہ بنا لیا ہی اس نقشے میں لوگوں کے نام ہیں اُن کی نافرمانیاں ہیں اور نافرمانیوں کی سزائیں ہیں اور اِس سے غرض یہ ہی کہ گزشتگان کے حالات سے ہم لوگ عبرت پکڑیں۔ پند پذیر ہوں اور خدا کی نافرمانی سے محترز رہیں۔

نام	نافرمانی	سزائے نافرمانی
قوم ثمود	یہ قوم بت پرست تھی اور پہاڑوں کو تراش تراش کر بڑی بڑی عالی شان عمارتیں بنانے میں فخر کرتی تھی پیغمبر صالح کی نافرمانی کی معجزے کی اونٹنی کو ذبح کر ڈالا۔	آسمانی چیخ سے ہلاک ہوگئی۔
قوم عاد	یہ بھی بت پرستی میں منہمک تھی اور بے ضرورت بڑی بڑی اونچی یادگاریں بنانے اور صنعت کے محل تعمیر کرنے میں فخر کرتی تھی	ہوا کے تیز و تند جھکڑ سے ہلاک ہوئی جو برابر سات رات اور آٹھ دن چلا۔
قوم شعیب	یہ لوگ مشرک تو تھے ہی ماپ تول میں بھی کمی کیا کرتے تھے اور قزاقی اور رہزنی ان کا عام پیشہ تھا۔	زمین کی طرف سے زلزلہ آیا آسمان کی جانب سے بجلی گری سب ہلاک ہوگئے۔

نام	نام نافرمانی	سزائے نافرمانی
اخوانِ لوط	یہ لوگ بھی بت پرست تھے اور بت پرستی کے علاوہ مرتکبِ فواحش بھی۔	آسمان سے پتھر برسے اور جبرئیل فرشتے نے اِن کی بسیتوں کو اُلٹ دیا۔
اصحابِ فیل	خانۂ خدا کی ہتک حرمت کے ارادے سے بہت سا لشکر لے کر بیت اللہ پر چڑہائی کی۔	پرندوں نے اوپر سے کنکر پھینکے اور سب ہلاک ہو گئے
ذی الاوتاد یعنی فرعون	خدائی کا دعویٰ کیا اور بنی اسرائیل کو یہاں تک تکلیف پہنچائی کہ اُن کے ہزارہا معصوم بچوں کو قتل کر ڈالا۔ اور مرد عورتوں سے ذلیل ذلیل خدمتیں لیں۔	وہ اور اُس کا لشکر دریا میں ڈُبو دیا گیا۔
اُمتِ نوح	یہ لوگ بت پرستی کرتے اور بت پرستی کے علاوہ پیغمبر وقت کی سخت نافرمانی کرتے تھے۔	پانی کا طوفان آیا اور سب غرق ہو گئے۔
ابو البشر حضرت آدم	خدا نے منع کیا تھا کہ گیہوں کے درخت کے پاس جا کر بھی نہ پھٹکنا اُنھوں نے اُسے کھالیا۔	جنّت اور آسمانوں سے اُتار دیئے گئے۔
شیطان	خدا نے آدم کے لیئے سجدہ کرنے کا حکم دیا اس نے خدا کی حکم عدولی کی آدم کو سجدہ نہیں کیا۔	ملاءِ اعلیٰ سے نکال باہر کیا گیا اور ہمیشہ کے لیئے جہنمی اور ملعون ہوا۔

میں نے اس نقشے میں نمرود اور شداد کا ذکر نہیں کیا اگرچہ نظم میں یہ دونوں نام مذکور ہیں نقشے میں نہیں ذکر کیا اِس لیئے کہ قرآن مجید میں اِن کا بالتصریح ذکر نہیں ہے لیکن مشہور یہ ہے کہ نمرود اور اُس کی قوم ستارہ پرست تھی۔ اور یہی وہ شخص ہے جس نے ابراہیم علیہ السلام سے

خدا کے بارے میں جھگڑا کیا ابراہیم علیہ السلام نے دلائل سے ایسا قائل کیا کہ اُسے کچھ جواب دیتے بن نہ پڑا۔ کہتے ہیں کہ خدا کے حکم سے مچھر مغرور نمرود کے دماغ میں گھسا اور یہی اُس کی ہلاکت کا سبب ہوا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ رہا شدّاد اُس کی نسبت یہ روایت مشہور ہی کہ اُس نے دعویٰ کیا اور سونے چاندی جواہرات کا ایک شہر بنوایا جس کا نام بہشت رکھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ چوں کہ نافرمانی بھی ایک طرح کی آزادی ہی ان لوگوں کے حالات کا خیال کرتے کرتے ذہن خود بخود اُس شعر کی طرف منتقل ہوا جو میں نے اسٹیج[1] پر کھڑے ہوتے ہی پڑھا تھا ؎

باندھتے ہیں سرو کو آزاد اور وہ پا بگل	کیسی آزادی کہ یاں یہ حال ہی آزاد کا

اکتالیسویں نظم

مندرجہ ذیل نظم محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے اٹھارویں اجلاس میں بمقام لکھنؤ دسمبر سنہ ۱۹۰۴ء میں پڑھی گئی ؎

گرچہ ہی شعر و سخن سے مجھے کلّی نفرت	اک مصیبت ہی مگر طبع کی موزونیت
اونگھنے کو ہوا کرتا ہی بہانا جس طرح	ٹھیلتے کا یہی حالت ہی یہی کیفیت
اک تقاضائے طبیعت ہی دوم فرمائش	محسن الملک کا کہنا نہ کروں کیا طاقت
ہاں میں ہاں جو نہ ملائے وہ ٹرسٹی کیسا	نیچری کیا۔ نہ کرے ان کی اگر تبعیت
ایک مشکل ہی بڑی اور۔ کہ اس مجمع میں	نظم کا نام لوں۔ میری نہیں پڑتی ہمت
لکھنؤ ہی یہ اور اس خطّے کے رہنے والے	رکھتے ہیں شاعری و حُسنِ بیاں میں شہرت

[1] اُس پلیٹ فارم یا چبوترے کو کہتے ہیں جس پر کھڑے ہو کر اسپیچ یا لکچر دیا جاتا ہی ۱۲۔

پشتہا پشت سے شغل ان کا ہی تحسینِ بیان
یہی معیارِ فضیلت ہے یہی علمیّت

قابلیت جو تھی سب صرف ہوئی لفظوں میں
اور مضامیں کی اگر پوچھو تو بس خیریت

وہی اک عشق کا رونا ہے ہر اک صورت سے
نہ لگائے کسی بندے کو خدا اس کی لت

اس نے کر دی ہیں بہت سلطنتیں خاک سیاہ
حیف ہے گر نہ ہو اس پر بھی کسی کو عبرت

ڈوب مرنے کی جگہ ہے عرقِ خجلت میں
جتنے ہم جیتے ہیں اس حال میں سب بے غیرت

سلطنت کا نہیں زنہار ہمیں رنج و ملال
ہم تھے نااہل۔ گئی شکرِ خدا والمنّت

سلطنت ہی کا ہے خمیازہ یہ سب رسوائی
سلطنت ہی کا نتیجہ ہے یہ ساری نکبت

سلطنت ہی نے کیا قوم کو سست اور کاہل
سلطنت ہی نے کیا ان کو سراپا غفلت

سلطنت ہی نے خراب ان کے کیے سب اخلاق
سلطنت ہی نے سکھائی ہے انھیں بدعادت

سلطنت ہی سے مٹی صورتِ ظاہر کی تمیز
کس کو کہیے کہ مسلمان ہے یا ہندو مت

سلطنت ہی کا تھا بے قاعدہ اگلا اسلوب
کبھی وہ رحم الٰہی تھی کبھی تھی زحمت

حاکمِ وقت نہ ہو جس پہ مُسَیطَر[۵۱] کوئی
حاکمِ وقت نہ ہو جس کو کسی کی دہشت

وہ جو چاہے سو کہے دے نہ سکے کوئی جواب
وہ جو چاہے سو کرے ہیچ نیارد حجّت

بندۂ حلقہ بگوش اُس کی رعایا ہے تمام
زر خرید اُس کے ہیں گویا بادائے قیمت

خرچ کرتا ہے زر و مال کو بے درد و دریغ
حاصلِ ملک اُسی کا ہے فقط بے شرکت

ایسا آزاد منش جس پہ کوئی روک نہ ٹوک
دیو سفاک ہو یا شاذ فرشتہ خصلت

ادب آموزِ رعایا ہوا کرتا ہے رئیس
دل ہو بیمار تو ہو جسم کو کیوں کر صحت

وہ مثل ہے کہ خدا گنجے کو ناخون نہ دے
کہ کرے گنج کو گنجینۂ درد و کلفت

۵۱۔ نگہبان ۱۲۔

رنج اگر ہی اور اگر رنج کے قابل ہو تو یہ — کہ گئی ہاتھ سے الجنبئ رب العزت[1]
وہ خلافت نہ تھی فی الجملہ خدائی تھی اگر — ہم سے بن آتی کما حقہٗ شرطِ خدمت
دیکھنا دیکھا ہی ہم سا بھی کوئی دشمنِ کام — دیکھنا دیکھا ہی ہم سا بھی کوئی بدقسمت
ہند کا خطۂ زرخیز نہیں جس کی نظیر — فیضِ قدرت نے اسے دی ہی بہت سی برکت
رشکِ یورپ اسے ہونا تھا مگر عند اللہ — اِس کی اصلاح تھی وابستۂ انگریزیّت
شرط یہ بھی ہوئی پوری تو نہیں اب باقی — عذر کوئی مگر اعمال کی اپنی شامت
سر میں دو کان ہیں اور منہ پہ ہیں آنکھیں دو دو — دیکھتے سنتے ہو کاہے کی ہی تم میں قلّت
ہٹے کٹے ہو اپاہج نہیں۔ معذور نہیں — ہاں مگر اُٹھ گئی ہی قوم میں سے قومیّت
پھوٹ نے کر دیئے ہیں قوم کے اعضا مفلوج — جسمِ قومی میں نہیں نام کو حسِّ و حرکت
ہوگی جب ہوگی کبھی حشر میں نفسی نفسی — قوم کے حق میں ابھی سے ہی یہ نفسانیت
ایک کو ایک کا افسوس نہیں درد نہیں — زید عسرت میں ہی اور بکر ہی محوِ عشرت
کس زباں میں انھیں کس طرح کوئی سمجھائے — یہ کہ افراد میں اور قوم میں کیا ہی نسبت
سب مثالوں میں ہی برجستہ وہی ایک مثال — لکھ گئے ہیں جسے سعدی علیہ الرحمت
قوم اک جسم ہی افراد ہیں اُس کے اعضا — جن کے آپس میں ہی اس طرح کا ربطِ الفت
درد کرتا ہی جسد میں سے اگر ایک مسام — سارے ہو جاتے ہیں بے چین ز راہِ شفقت
قوم کے بننے بگڑنے کا یہی ہی معیار — اس سے زاید نہیں تفتیشِ سبب کی حاجت
گر سند چاہتے ہو اس کی تو دیکھو تاریخ — تاکہ ثابت ہو مری بات کی تم کو صحت
کیا کہا میں نے یہ بے سوچے کہ دیکھو تاریخ — عقل کے حق میں یہ کہنا ہی دلیلِ خفت

[1] خلافت۔ نیابت ۱۲

اُن مشاغل سے رہا کرتے ہو جن میں مصروف
مجکو معلوم ہی تم کو نہیں مطلق فرصت

اور اگر ہو بھی تو تاریخ میں ناول کی طرح
نہ تعشق کے مزے اور نہ ہنسی کی لذت

خیر تاریخ بتاتی ہی کہ کیوں کر اسلام
متمکن ہوا اطراف میں با ایں عجلت

سارے اہل عرب آزاد تھے مطلق آزاد
جس زمانے میں کہ مبعوث ہوئے آں حضرت

حکمراں اُن پہ نہ تھا غیر کوئی غیر شیوخ
نہ وہ منقادِ حکومت نہ مطیعِ ملت

ملک میں اُن کے نہ تھی ایسی فراوانی آب
کہ ہو پانی کے سبب کھیتی کی ہر سو کثرت

وہ جو کہتے ہیں کہ خالی سے ہی بیگار بھلی
مشغلے اُن کے تھے بس قتل و نہب[۵۱] و غارت

بطنِ مادر سے وہ ہوتے تھے سپاہی پیدا
اُن کی گھٹی میں تھی جاں بازی و خلقی جرأت

توڑ دے بے خبری میں کوئی تنکا جیسے
اُنکے ہاں جان کی اتنی بھی نہیں تھی وقعت

مول لیتے تھے لڑائی کو لڑائی کے لیئے
نہ لحاظ اِن کو قرابت کا نہ پاسِ قربت

ایک ہابیل تھا اور دوسرا بھائی قابیل
بھائی کے خون میں بھائی کے تھے کپڑے لت پت

دوسرے ملک کے لینے کا وہ کیا کرتے قصد
خانہ جنگی میں فنا ہوتی تھی ساری قوت

آیا اسلام تو جس جس نے کیا اِس کو قبول
اُس کی تعلیم نے دی سب کی بدل کا ہیئت

باپ مارے کا تھا گر بیرِ تو ایسا بھولا
کہ عداوت کی جگہ ہوگئی راسخ خُلت[۵۲]

جمع ہو کر جو چلے فتح ممالک کے لیئے
تو بھڑیں تھیں کہ کریں چھتّے سے اپنی حُلت

مسجدوں میں جو اذاں دیتے تھے وہ بہرِ نماز
پنج وقتی لِمَنِ الْمُلْکُ کی بجتی نوبت

ہوگئے امن کے آتے ہی در در سب دور
برسی آکاش سے اور دھرتی سے اُبلی دولت

بات کی بات میں اِن تنکوں نے جھاڑو بن کر
سُھر دی رومیوں اور فارسیوں کی سطوت

[۵۱] لوٹ مار ۱۲ [۵۲] دوستی ۱۲۔

چھوڑو اُن وقتوں کا مذکور کہ اِن باتوں سے
تازہ ہوتا ہی خیالِ غم و رنج و حسرت

اب وہ وقت نہ وہ لوگ نہ وہ رسم و رواج
نہ وہ مذہب نہ وہ دین اور نہ وہ انسانیت

جن کے ہاتھوں میں حکومت ہی مبارک اُن کو
ہم اگر نام بھی لیں اِس کا تو ہی لغویت

بس غنیمت ہی کہ قرآن سے پیچھے نہ رہیں
دوڑ میں۔ گر نہیں تقدیر میں اپنی سبقت

یہ بھی موقوف ہی تعلیم پہ۔ اعلیٰ تعلیم
بی اے اور ایم اے اسی کی تو ہی بابت حاجت

قوم نادار ہی اور جنس گراں ہی تعلیم
کاش سمجھیں وہ جنھیں دی ہی خدا نے ثروت

شوق دل میں ہی مگر فیس کا مقدور نہیں
بے پڑھے کام نہ دے ذہن کی خالی جودت

کتنے ہیں جوہرِ قابل کہ جِلا پانے سے
جسمِ قومی کے ہوں سرمایۂ زیب و زینت

کر رکھا ہی اُنھیں افلاس نے بدتر زخزف
اب وہ بدرنگ ہیں بدروپ ہیں اور بدہیبت

اک وظیفہ تمھیں بتلاتا ہوں اب بہرِ ثواب
جس کی ظاہر ہو اِسی آن میں مقبولیت

من و تو چھوڑ و وظائف سے کرو ان کی مدد
یہی اک بات مجھے کہنی تھی۔ اچھا رخصت

بیالیسویں نظم

یہ نظم انجمن حمایت اسلام کی بیسویں اجلاس منعقدہ ۱۹۰۵ء میں لکچر موسومہ تعلیم میں پڑھی گئی تھی ٥

خدا نے ہم کو بتائے ہیں پانچ مصرفِ خیر
کہ مستحق کرامت یہ پانچ ہیں لاغیر

ہی والدین کا حق سب حقوق پر غالب
محل جبھی ہی ماں باپ خیر کے طالب

ہو تو سعید تو کیوں ہو سقیم حال اُن کا — اُن ہی کا تو ہی ترا مال بھی ہی مال اُن کا
تو اُن کی فرع ہی اصل وجود ہیں ماں باپ — بڑا ہوا ہی کوئی پل پلا کے آپ سے آپ
اُن ہی سی پایا ہی ہستی نے تیری نشو و نما — بس ایک ذات خدا ہی کہ جس کے باپ نہ ما
اُٹھائے رنج بہت تا کہ تجھ کو راحت ہو — تجھے ہو پہلے کسی اور کو ہو یا مت ہو
تو زیرِ منتِ احسانِ والدین کے ہی — پس اُن کا دینا بجائے ادائے دَین کے ہی
پھر ان کے بعد دوم نمبر اقربین کا ہی — یہی طریق سخاوت میں اہلِ دین کا ہی
پر اقربین کے بھی مختلف مدارج ہیں — نہیں کہ جن سے قرابت نہیں وہ خارج ہیں
کسی کے دل میں اگر اُنس اور مروت ہی — تو پاسِ مذہبِ اسلام بھی اُخوت ہی
گزر کے دین سے پھر داعیہ وطن کا ہی — تو اس حساب سے دُہرا حق انجمن کا ہی
علاوہ اس کے دلیلِ مزید استحقاق — یتیم خانہ ہی ۔ منصوص مصرفِ انفاق
ہی چوتھے درجے میں مسکین پھر مسافر ہی — صنفِ حقوق میں حق اُس کا سب سے آخر ہی
کسی کو دینے دلانے کا ہو اگر مقدور — تو اُس کو چاہیئے ترتیب کا لحاظ ضرور
بعید کا نہیں کچھ حق قریب کے ہوتے — امیر کا نہیں کچھ حق غریب کے ہوتے
گر اپنے دینے میں نامستحق کو دو ترجیح — تو ایسے دینے سے حق دار پر ہی ظلم صریح
ذرا سی بھول میں سب ہو گیا حساب اُلٹا — گئے ثواب کمانے ملا عذاب اُلٹا
خدا کا مال ہی تم اُس کے ہو امانت دار — تو جس کو وہ کہے پونہچاؤ اُس کو بے تکرار

تم اپنی رائے کو دو دخل تم کو حق کیا ہی
پڑھو قرآن کی آیت سرِ ورق کیا ہی

تینتالیسویں نظم

مندرجۂ ذیل دو نظمیں ہمیں مولوی بشیر الدین احمد صاحب خلف الرشید مولانا ممدوح نے عنایت فرمائی ہیں مولانا نے یہ نظمیں محمدن ایجوکیشنل کانفرنس کے لیئے تصنیف فرمائی تھیں مگر پڑھنے کی نوبت نہیں آئی اور اسی وجہ سے اب تک شایع نہیں ہوئیں مولوی بشیر الدین احمد صاحب ایک روز کہنہ کاغذات دیکھ رہے تھے حسن اتفاق سے اُن میں یہ جواہر پارے ملے ان نظموں کے مسودے خاص مولانا کے ہاتھ کے پنسل کے لکھے ہوئے تھے۔ یہ نعمت غیر مرقبہ بھی بڑی خوشی سے نظموں کی سلک میں شریک کی جاتی ہے ۔

اللہ اللہ کیا غضب ہے انقلاب روزگار
یعنی وہ اسلام جو تھا منبع عزّ و وقار

جس کے پیرو تھے محامد میں مقدم پیش پیش
سب میں افضل سب پہ فائق سب سے بہتر کامگار

وا دریغا اب وہی اسلام ہے جن کے خواص
ہیں عوام الناس کی نظروں میں بے توقیر و خوار

عالم اسباب ہے دنیا نہیں اس میں کلام
بے سبب ہرگز نیاید ہیچ شی بر روے کار

پس مسلمانوں کی اس تغیر حالت کا سبب
کچھ تو ہے آخر سمجھتا ہے اسے ہر ہوشیار

بعد تعین سبب پھر سوچنا یہ ہے کہ ہئی
اس سبب پر ہم کو تھوڑا یا بہت کچھ اختیار

یا ہمارے نیک و بد میں ہم کو مدخل کچھ نہیں
جو ہوا جو ہوگا سب کا ہے مقدر پر مدار

یہی دو باتیں ہیں کہ جن پر سید احمد صاف صاف
خلوت و جلوت میں در پردہ بظاہر آشکار — ق

جب تلک جیتا رہا کہتا رہا ایک ایک سے
لیک سر بر قوم کے جن تھا جہالت کا سوار

ایسی باتوں سے تھے کان اُن کے مطلق آشنا
سنتے ہی نکلیں تعصب کی بڑیں سب ایک بار

کچکچا کر ڈنک ایسے زور سے مارے کہ چھید
ہو گئے سینے کے دل کے اور جگر کے آر پار

کفر کے فتوے لکھے جانے لگے بالاتفاق
دھمکیوں اور گالیوں کا ہو گیا مشکل شمار

دفعتہً اسلامیوں میں کھلبلی سی مچ گئی
آگ سی اک لگ گئی پنجاب سے تا بہار

دیکھ کر سید پہ اعدا کا بایں کثرت ہجوم
پھر گئی آنکھوں میں اپنے کربلا کی کارزار

پر وہ نانا کا تھا اپنے واقعی خلفِ رشید
درد سے امت کے ہر دم مضطرب و بے قرار

آخری دم تک وہ اپنی بات پر قایم رہا
تھی وفا اُس کی سرشت اور عہد اُس کا اُستوار

اُس کو اپنی رائے پر تھا کامل اور محکم وثوق
کامیابی اُس کو ہونی تھی۔ ہوئی انجام کار

اُس نے ثابت کر دکھایا روز روشن کی طرح
یہ کہ اب تعلیم پر بہبود کا ہے انحصار

علم دولت علم حشمت علم طاقت علم زور
علم لشکر علم خنجر علم تیغ آبدار

علم ہے فوز و فلاح و دین و دنیا کا کفیل
علم ہی تہذیب اور شایستگی کا ذمہ دار

علم ہی ہے صیقلِ آئینۂ فہم و ذکا
علم ہی ہے گلشن اقبال مندی کی بہار

ہائے وہ سارے مسلمانوں کا سچا خیر خواہ
ہائے وہ سارے مسلمانوں کا پکا دوست دار

ہائے وہ ہم سے مریضوں کا طبیبِ دردمند
ہائے وہ ہم سے ضعیفوں کا رفیقِ غمگسار

ہائے وہ جو تھا غمِ اسلام سے ہر دم ملول
ہائے وہ جو درد سے تھا قوم کے سینہ فگار

ہائے وہ جو تھا رعایا کا وکیلِ مؤتمن
ہائے وہ سرکار میں تھا جس کا پورا اعتبار

اُس نے دیکھا وقت نکلا جا رہا ہے ہاتھ سے
اور نہیں ہے قوم کو احساس اُس کا زینہار

سب کے سب مستِ مئے پندار ہیں پیر و جواں
احمقوں کو مہدیِ موعود کا ہے انتظار

یہ سمجھتے ہیں کہ ہے بیمار اچھا تندرست
اور مریضِ جاں بلب ہے مبتلائے احتضار

کچھ نہیں کرتے نہ کرنا چاہتے ہیں چاؤ سے
چھوڑ بیٹھے ہیں مقدر پر سب اپنا کاروبار

کوئی جوتے کوئی بوئے کوئی پیسے اور پکائے
یہ نگل لیں تھُور لیں چُپ چاپ کر لیں زہر مار

فخر کرتے ہیں بڑوں پر اور خود نااہل ہیں | جیسے ہو سرگین کو نازِ گیاہِ سبزہ زار
سارے الزاموں کی مذہب کو بتاتے ہیں سپر | کرتے ہیں اسلام کو بدنام ناحق نابکار
اِس عمومِ گمرہی میں سید احمد کا ظہور | تھا بظاہر انتعاشِ رحمتِ پروردگار
اولاً اُس پر ہوئے دینی حقایق منکشف | ورنہ تھے اوہامِ باطل راستی کے پردہ دار
کس دیا تھا ظالموں نے دین کا پیچ اس قدر | سخت مشکل تھا کہ ہو دنیا میں کوئی دین دار
ای عجب سمجھا نہ کوئی اصل مطلب گرچہ سب | کرتے ہی رہتے ہیں قرآں کی تلاوت بار بار
اُس کے سمجھانے سے اب سمجھے کہ دین کیا چیز ہی | خواہ اُسے اسلام کہہ اور خواہ اُسے فطرت پکار
خود مرنج و ہم مرنجاں زندگانی تیر کر | یعنی امن و عافیت کے ساتھ وقت اپنا گزار
ہی تلطف اور مدارا دین کا لب اللباب | جس کی ہی تفسیر شرحِ امر و نہی گیر و دار
ترک دنیا رہ کے دنیا میں محالِ عقل ہی | فرق بین ہی میانِ اختیار و اضطرار
گو غلط ہو وہم ہو وسواس ہو مذہب تو ہی | اُٹھ نہیں سکتا کسی صورت سے اس کا اقتدار
پس مسلمانوں سے دنیا کی طلب حق الطلب | تھا بہانہ دور کی ندی درونِ کوہسار
پر علی گڑھ میں کہ ہی ہندوستان کو جس سے فخر | پا چکا ہی نام جس کا ملکوں ملکوں اشتہار
بہ رہا ہی علم کا دریا بہ از شیر و عسل | آب آبِ زندگی شیرین و صاف و خوشگوار
شاہ راہِ منزلِ مقصودِ اصلی مل گئی | اب نہ پھر جانا کہیں سمتِ یمین سوے یسار
دین اور دنیا میں ہی جوں شیر و شکر امتزاج | مُنتجِ اسلام ہی دونوں کا کسر و انکسار
گر مسلمانو تمھیں دنیا میں رہنا ہی بخیر | پس اسی تعلیم کو فی الفور کر لو اختیار
یہ وہی تعلیم ہی جو مقتضاے وقت ہی | کون روکے وقت کو رستم ہو یا اسفندیار
علم کا کعبہ ہی اس میں گھومنا پھرنا طواف | دوڑنا ہی سعی اور فٹ بال ہی رمیِ الجمار[۵۱]

[۵۱] کنکریاں مارنا جو حج کا اک رکن ہی ۱۲

ش

جامۂ احرام ہی نکٹائی اور پتلون کوٹ
سر برہنہ مثلِ مجرم گر نہیں فرزی[1] کی سہار

چوالیسویں نظم

ہمیں تو یاد ہی اچھی طرح وہ روزِ سعید ؛ / جنا تھا مادرِ کالج نے جب ولیدِ رشید

ولید کیا جسے کہتے ہیں لوگ کانفرنس / نصیب یاور و اقبال یار عمرِ مدید

شروع ہی سے تھے آثارِ اوج اس کے عیاں / شروع ہی سے تھے اطوارِ نیک اس کے پدید

جو اس نے دیکھا کہ ماں روٹیوں کو ہی محتاج / غذا نہو تو کہاں سے ہو دودھ کی تولید

نکل کھڑا ہوا بچپن سے بہرِ کسبِ معاش / کہ بے معاش کے کٹتی زیست از قیاس بعید

شریف پیشۂ تعلیم اختیار کیا / کہ علم مخزنِ دنیا و دین کی ہی کلید

بجا ہی اس کو اگر سلطنت کہیں فی الاصل / شہانِ روئے زمین سب کے سب ہیں اس کے عبید

عجیب سحر ہی اس شیخ کی توجہ میں / ہزاروں ہوگئے اور ہورہے ہیں اُس کے مرید

حصولِ علم بھی اک طرح کی خدائی ہی / لِاَنَّہٗ صِفَۃٌ مِّنْ صِفَاتِ ربِّ حمید

اگرچہ علم بہ از جہل ہی زبان زدِ خلق / مگر مُراد مری علم سے ہی علمِ مفید

بس اک کسوٹی پہ کس لو علوم کو اپنے / کہ اک نگاہ میں ہو منکشف سیاہ و سفید

کلیں ہزار ہا اقسام کی کہ جن کی نظیر / بہ چشم و گوش کسی پر نہ دید ہی نہ شنید

قوی ہوئے ہیں ضعیفوں سے اس قدر مرعوب / کہ باز سو سے کبوتر نمی تواند دید

[1] ترکی ٹوپی ۱۲-

وفورِ آب سے نہریں رواں ہیں دیہ بہ دیہ | زمینِ شور میں کیا لہلہا رہی ہو خوید
ثبوت بیّن ہو سائنس کے تفوّق کا | ہیں ریل و تار کے دو معجزے بلا تردید
یہ سب نتائجِ تعلیمِ علمِ نافع ہیں | وگرنہ کون سا ایسا ہو اِن میں وصف مزید
ہو ان کو علم کا بل کس میں اتنی طاقت ہو | کہ اِن کے ہاتھ میں ہو نرم مثلِ موم حدید
بلا مبالغہ ہندوستان ہو رشکِ جناں | اِسی لیے ہو یہ سب اہتمام اور تمہید
عجیب نظم و نسق ہو فرنگ کی ایجاد | نہ اتباع کسی کا نہ غیر کی تقلید
مفادِ خلق میں اپنی بھی منفعت مضمر | معاقدین کو نافع فروخت ہو کہ خرید
کبھی کسی کو میسر ہوا ہو دنیا میں | یہ امن اور یہ آرام اور یہ عیشِ رغید[1]
ہمارے علم میں دنیا سے بے تعلق محض | کہ زندگانیِ دنیا ہو اور علومِ جدید
نہ واقعات میں ہم میں کسی کو عادتِ فکر | تمام قوم کے اذہان ہو گئے ہیں بلید[2]
تمام کام غلط در غلط نہ غور نہ خوض | نہ عقلِ مصلحت اندیش اور نہ رائے سدید
اگر ہو گوشِ نصیحت شنو تو کرتا ہو | زمانہ آپ باصرارِ علم کی تاکید
مگر مجھے تو یقیں ہو کہو گے گھر جا کر | بخور دو مغزِ حریفان و حلقِ خود بدرید

پینتالیسویں نظم (مسدّس)

ناظرین نے "محصنات" یعنی فسانۂ مبتلا پڑھا ہوگا۔ تعددِ ازدواج کے چکر میں مبتلا کی جیسی مٹی خراب ہوئی وہ آپ کو معلوم ہو۔ مندرجۂ ذیل مسدّس مبتلا کے

۱؎ وافر ۱۲۔ ۲؎ کند ۱۲۔

کثرتِ ازواج کا ایک صحیح فوٹو ہی۔ نتیجہ کے لحاظ سے وہ ایک مرثیہ ہی مولوی بشیر الدین احمد صاحب خلف مصنف ممدوح نے بڑا احسان کیا کہ فسانۂ مبتلا کے سوا اِس کو ایک رسالے کی صورت میں اتمامِ حجت کے نام سے چھپوا دیا وہ یہ ہی۔ اس مسدّس کو مولٰنا نے حسب درخواست جناب خان بہادر سردار محمد حیات خان صاحب صدر انجمن و سر سید احمد خان۔ محمدن ایجوکیشنل کانگرس کے سالانہ جلسے منعقدہ (۲۸) دسمبر ۱۸۸۸ء میں بمقام لاہور اپنے لکچر نمبر ۳۔ کے بعد پڑھا تھا۔ چوں کہ یہ مسدّس بالکل ایک جداگانہ چیز تھی جو ۱۸۸۸ء میں کتاب کے ساتھ لکھا گیا تھا۔ لہذا بطور نمونۂ کلام آخر میں درج کیا گیا ٥

دُنیا عجیب مرحلۂ بے ثبات ہی
یاں امن ایک لحظہ نہ دن ہی نہ رات ہی
ہر ایک ذی حیات کو آخر ممات ہی
جس کو فنا نہیں ہی وہی ایک ذات ہی
بیٹھی ہی موت تاک لگا کے کمین میں
لے جائے گی یہ کھینچ کے آخر زمین میں

ایسا مکان بتاؤ کہ بن کر گرا نہ ہو
ہی کوئی حال جس میں تغیر ذرا نہ ہو
پیدا ہوا ہی کوئی بشر جو مرا نہ ہو
حادث نہ ہو تو مدخلِ چوں و چرا نہ ہو
فانی ہر ایک چیز ہی فانی جہان ہی
مقصود اِس فنا سے مگر امتحان ہی

اعمالِ نیک ہیں تو زمرد کے ہیں قصور
ہر طرح کا عیش ہی تو ہر طرح کا سرور
خدمت کو لونڈیوں کی جگہ دست بستہ حور
یعنی خلاصہ یہ ہی کہ راضی ہوئے حضور
خوشنودیِ خدا ہی عبادت کا دام ہی

جنت بھی اک رضائے الٰہی کا نام ہے

اور ہیں عمل بُرے تو ہوئی عاقبت خراب
اور سب سے بڑھ کے خالقِ کونین کا عتاب
ایذائیں طرح طرح کی اقسام کے عذاب
گر پوچھنے پہ آئے تو کیا بن پڑے جواب

حق کو جو ناپسند ہو لعنت ایسے کام پر
مالک ہی خوش نہیں ہے تو لعنت غلام پر

توفیقِ کارِ نیک ہمیں اے کریم دے
شوقِ سلوکِ جادۂ مستقیم دے
دل میں صلاح دے ہمیں طبعِ سلیم دے
ایمان درمیانِ امید و بیم دے

ہم کو نہیں ہو رغبت عذاب و ثواب سے
تیری رضا ہے ہمیں تیری جناب سے

اٹھ جائے دل کی آنکھ سے اسبابِ حجاب
ذرّے میں رونما ہو حقیقت کا آفتاب
دنیا دکھائی دینے لگے نقشِ سطحِ آب
لَا رَیْبَ فِیْهِ[۱] ہو خبرِ ذٰلِکَ الْکِتَابُ

مشکل نہ ہو اصل حیات و ممات کا
ہو ایک حال ماضی و مستقبلات کا

دل لوثِ حبِّ دولتِ دنیا سے پاک ہو
لالچ ہو فائدے کا نہ نقصان کا باک ہو
دے وہ غنا کہ آنکھ میں اکسیر خاک ہو
دین سے شغف[۲] ہو دین میں ہی انہماک[۳] ہو

فرقِ نیاز گو ہو سجدے میں زمین پہ پڑا ہوا
ہمت کا پاؤں عرشِ بریں پہ گڑا ہوا

ہر دم خیالِ موت کا پیشِ نظر رہے
جب تک جیئے جیئے جب اجل آئی مر رہے

۱ یعنی قرآن میں جو کچھ ہے اُس میں شک و شبہہ نہ ہو ۱۲ ۲ شیفتگی ۱۲ ۳ مصروفیت ۱۲

رہ رو ہمیشہ چاہیئے باندھے کمر رہے
دنیا وطن نہیں ہی کہ آ کے بسر رہے

آئے ہیں ہم جہاں میں تو جانا ضرور ہی
سارا ہی قافلہ سرِ راہِ مرور ہی

پھر بعدِ مرگ کیسی بنے کچھ خبر نہیں
پر کیا ہی ڈھیٹ ہم ہیں کہ اس کا بھی ڈر نہیں
یہ وہ خطر ہی جس سے کسی کو مفر نہیں
عقلِ معاد سے ہمیں بہرہ مگر نہیں

ربّ العباد نعمتِ فکرِ معاد دے
فکرِ معاد دے ہمیں ذکرِ معاد دے

کیا جانبِ[51] خدا سے ہدایت ہمیں نہیں
فی الاصل کچھ ضرورت و حاجت ہمیں نہیں
یا سوچنے کو عقل و درایت[52] ہمیں نہیں
پر ہائے غور کرنے کی عادت ہمیں نہیں

ہم دیکھتے نہیں کبھی نظرِ نگاہ سے
سنتے نہیں ہیں بات کوئی انتباہ[53] سے

غفلت کرا رہی ہے یہ ساری شرارتیں
اللہ رے دلیریاں یہ بے جسارتیں[54]
جو ہو رہی ہیں رہنے کو پکّی عمارتیں
دنیا کمائیں دین کی کر کے خسارتیں[55]

غفلت کا کر علاج کہ اصل مرض ہی یہ
تیرا ہی کچھ بھلا ہو ہماری غرض ہی یہ

غفلت نہ ہو تو کینہ و بغض و حسد نہ ہو
بھائی کی پیٹھ پیچھے کبھی ذکرِ بد نہ ہو
جھگڑا نہ ہو لڑائی نہ ہو ردّ و کد نہ ہو
انساں مشارکِ صفتِ وام و دد نہ ہو

۵۱ اس میں اشارہ ہی طرف کہ اللہ منا اینی آدم اور بعثت نبی صلعم و نزول قرآن مجید کے ۱۲ ۵۲ عقل و فہم ۱۲-
۵۳ آگاہی اور بیدار مغزی ۱۲ ۵۴ جسارتیں بفتح دلیری ۱۲ ۵۵ خسارہ بمعنی زیان و نقصان ۱۲-

غفلت سے اِس جہان میں سارا فساد ہی
غفلت کو آؤ مار ہٹائیں جہاد ہی

مخلوق ذی شعور ہی تو ہوشیار رہ
دنیا کا کاروبار کر اور دین دار رہ
مت مستمندِ زندگیِ مستعار رہ
امیدوار رحمتِ پروردگار رہ

کس نے کہا ہی تجھ سے کہ دنیا کو چھوڑ بیٹھ
بس ایسی باتیں اپنی طرف سے نہ جوڑ بیٹھ

کیا حال تھا رسولِ علیہ السلام کا
سرکردہ ہائے امتِ خیر الانام کا
اصحاب کا ائمۂ عالی مقام کا
سکہ بٹھا گئے جو محمدؐ کے نام کا

ان میں سے ایک بھی کبھی راہب[لہ] ہوا کوئی
دنیا کو کھو کے دین کا طالب ہوا کوئی

دنیا بھی کچھ ہماری طرح کی نہیں ذلیل
روٹی کی باہزار مشقت ہوئی سبیل
گر سو گھروں میں دیکھو تو ننانوے رذیل
کپڑے کے واسطے وہی ستا رہی کفیل

گرمی کے دن تو خیر کسی ڈھب گذر گئے
جاڑا جو آیا رات کو سکڑے ٹھٹھر گئے

افلاس سے زیادہ جہاں میں نہیں وبال
افلاس کر ہی دیتا ہی انسان کو پائمال
افلاس ہی مقدمۂ قہر ذی الجلال
ڈرپوک پست ہمت و سست و دنی خیال

مفلس کہ اُس غریب کی دنیا نہیں درست

لہ سردار ۱۲ لہ نصاریٰ میں جو لوگ ہندو جوگیوں سناسیوں کی طرح ترک دنیا کرتے تھے اُن کو راہب کہتے تھے اس طرح کی ترک دنیا کی اسلام میں سخت ممانعت ہی۔ لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ۔ ۱۲

مشکل کہ اُس کے ہاتھ سے ہو کارِ دیں درست

اور شاذ اگر ہوا کوئی محتاج دل غنی
کر دن کی زندگی کے لیئے اتنی سرزنی
سمجھا کہ یہ جہاں ہی جہانِ گزشتنی
اس کو نہ دوستی ہی کسی سے نہ دشمنی

ایسا بزرگ شک نہیں اس میں کہ نیک ہی
پر قوم کو ہوا نہ ہوا دونوں ایک ہی

سوچو تو کچھ بھی نیست کو نسبت ہی ہست سے
کیا خیر ہو سکے گی بھلا تنگ دست سے
تم چاہتے ہو کام بلندی کا پست سے
کوڑی تو لے اُدھار کوئی فاقہ مست سے

کیا اُس سے فیض ہو کہ نہیں آپ جس کے پاس
دنیا میں چیل سے بھی ملا ہی کسی کو ماس

گر مجھ سے پوچھتا ہی حقیقت میں ہم نشین
پر چاہیئے ہی اس کے لیئے نقدِ آستیں
ایصالِ نفع ہی مرے نزدیک اصلِ دین
خرمن بیار خواجہ کہ بسیار خوشہ چیں

دین کے درست کرنے کو دنیا ضرور ہی
دنیا نہیں تو دعویِ دیں مکر و زور ہی

دنیا نہ ہو تو دین کی رونق کہاں سے ہو
ایثار[1] و بذل[2] وجودِ محقق کہاں سے ہو
اعلائے شانِ قادرِ مطلق کہاں سے ہو
مصدر ہی جب نہیں ہی تو مشتق کہاں سے ہو

دنیا کو جب کسی نے عموماً بُرا کہا
میں اُس کے مُنھ کو دیکھنے لگتا ہوں کیا کہا

ممکن نہیں ہی دین میں دنیا نہ ہو دخیل
ایسا خیال کر نہیں سکتا کوئی عقیل

[1] دوسرے کی حاجت کو اپنی حاجت پر مقدم رکھنا ۱۲ [2] خرچ کرنا ۱۲-

پروردگار جس کا نہیں ہے کوئی عدیل
کیوں چاہنے لگا کہ مسلماں رہیں ذلیل

عزت ہے سب خدا کی خدا کے رسول کی
پھر اُس کی جس نے دعوتِ ایماں قبول کی

اس واسطے جو معشرِ خیر القرون[51] تھے
اور کلّہم عمارتِ دین کے ستون تھے
امت کو کالنجوم[52] سبھی رہنمون تھے
اور مرجع ضمیرِ ھُم[53] المُھتَدُون تھے

دُنیا میں رہ کے دیں کا برتنا سکھا گئے
دونوں کو جمع کرنے کا رستہ دکھا گئے

راوی نے یوں لکھا ہے جنابِ عمرؓ کا حال
جن روزوں آپ امیر تھے باہیبت و جلال
اپنے ہی دستِ خاص پاتھا کیے سفال[54]
تاریخ میں دکھائیے ایسی کوئی مثال

شاگرد تھے نبیؐ کے پیمبر کے تھے جلیس
دنیا کو جانتے تھے پرِ پشۂ خسیس

پُسر اُن کا تھا فراغِ عبادت کے واسطے
کی سلطنت فلاحِ رعیت کے واسطے
عزت طلب تھے دین کی عزت کے واسطے
القصہ جو وہ کرتے تھے اُمت کے واسطے

اُن کو کسی طرح طمعِ سیم و زر نہ تھی
ہرگز اُنھیں مفادپر اپنے نظر نہ تھی

فیضانِ صحبتِ نبویؐ سے تھے مستفید
دیکھا اُنھوں نے نورِ رسالت کو چشم دید

[51] اس حدیث میں خَیرُ القُرُونِ قَرنِی کی طرف اشارہ ہے معشر بمعنی گروہ پس معشرِ خیر القرون سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرامؓ مراد ہیں ۱۲ [52] یہ مضمون اُس حدیث مشہور کا ہے اَصحَابِی کَالنُّجُومِ بِاَیِّھِمُ اقتَدَیتُم اِھتَدَیتُم ۱۲ [53] وہی لوگ برسرِ ہدایت ہیں یعنی ھم المھتدون کی ضمیر کا مرجع وہی لوگ تھے ۱۲ [54] کھپرے ۱۲

پیدا ہوئے سعید جیئے اور مرے سعید　　تھی اُن سے خواستگاریِ دنیا بہت بعید

لیکن یہ انتظام الٰہی ہے مہربان
چڑھتا ہے بام پر کوئی بے وضع نردبان[۵۱]

زاہد تھے اور ملک ستانی کا اہتمام　　دیکھو اگر یقین نہ آئے فتوحِ شام
دُنیا میں اُن کی دین تھا کالملحِ فی الطعام[۵۲]　　دونوں کا پاس کرتے تھے قصہ ہوا تمام

بدلا اسی سبب سے زمانے کا طور ہے
اسلام جب کا اور تھا اور اب کا اور ہے

دُنیا سے اُن کو ہوتی ذرا بھی اگر گریز　　اسلام کی تو ہو ہی چکی ہوتی رست خیز
کھا جاتے لوگ گھور کے آنکھوں سے تیز تیز　　تب دیکھتے زمانہ کی کج دار اور مریز[۵۳]

پھر کون پوجتا تھا خدائے یگانہ کو
پاتا نہ کوئی زندگی جاودانہ کو

اب بھی جو دیکھتے ہو اُنھیں کا طفیل ہے　　کم بیش سب کو جانبِ توحید میل ہے
اعمالِ شرک جوں خس و خاشاک و سَیل ہے　　اتنا بھی گر نہ سمجھے تو انسان بیل ہے

مشرک کی کوئی شے نہیں کرتا خدا قبول
اُس کی دُعا قبول نہ کچھ التجا قبول

القصّہ اک وہ دین تھا دنیا کا دوست دار　　واعظ ادیب ناصحِ مشفق صلاح کار
مونس رفیق موجبِ تسکینِ غمگسار　　ہمدرد و بے ریا دہوا خواہ جاں نثار

[۵۱] سیڑھی ۱۲ [۵۲] جیسے کھانے میں نمک ۱۲ [۵۳] کج دار اور مریز۔ سے مراد ہے تکلیف مالا یُطاق سے کیوں کہ ٹیڑھا رکھو اور گرنے نہ دے طلب محال ہے ۱۲۔

وہ کھینچتا تھا بار امیر و فقیر کا
دنیا میں اُس میں ربط تھا شاہ و وزیر کا

اب ہم نے اپنے دین کو بنایا چھوئی موئی
پھر قاصر اس قدر نظر نارسا ہوئی

دنیا میں اور دین میں لگانے لگے دوئی
شہتیر بن گیا جو حقیقت میں تھی سوئی

دیں کے عوض تعصب و اوہام رہ گئے
دیں دار اصل مر گئے بدنام رہ گئے

دنیا گئی کہ ہم نہ ہوئے اُس کے خواستگار
مسجد میں وعظ کہتا تھا منبر پہ آشکار

اور کیوں کہ ہوتے مولوی[۱] جنت کا چوبدار
مفلس ہمیشہ مومن دوست از طلب بدار

دنیا و دیں کے ربط کی رسّی کو کاٹ کے
دھوبی کے کتّے ہو گئے گھر کے نہ گھاٹ کے

ادبار کا یہی تو ہے سب سے بڑا سبب
دنیا بغیر سخت مصیبت ہے روز و شب

دنیا میں اور دیں میں عداوت ہے غضب
لازم ہے دین کا بھی کما حقہٗ ادب

خستہ ہوئے خراب ہوئے مٹے مٹ گئے
ان دونوں کی لڑائی میں ہم مفت پٹ گئے

[۱] یعنی وہ مولوی جو ریا سے وعظ کہتا ہے اور رہبانیت کی تعلیم کرتا ہے اور حصول دنیا میں غرق ہے کبھی تعمیر مسجد کو ذریعۂ حصول مال کرتا ہے اور کبھی تعمیر مدرسہ کو۔ یہ مولویوں کے کرتوت ہیں جیسی صوفیوں کی ترکیب تھی اور ہے کہ تعمیر خانقاہ و عرس کو ذریعۂ حصول مال کا کرتے ہیں۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّھْبَانِ لَیَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ؀

ترکِ دنیا بمردم آموزند
خویشتن سیم و غلہ اندوزند

دل بجھ گیا ہے دیکھ کے دنیا کا انقلاب دیں کے خداپرست وہ دنیا کے فتح یاب	افسوس کیا تباہ ہوئی قوم انتخاب آپس میں[۵۱] رحم و لطف عدو کے لیے عذاب

مسجد میں سر بسجدہ پڑے ہیں زمین پر
میدان میں ڈٹے ہوئے گھوڑوں کے زین پر

لوگوں کو گر مناصبِ دنیا گناہ ہوں دنیا کی آبرو سے اگر دیں تباہ ہوں	داخل محرمات میں اعزاز و جاہ ہوں اُن[۵۲] کا تو دین یہی تھا کہ ہم بادشاہ ہوں

اگلے بزرگ لوگ تھے خاص امتیاز کے
پیشانیوں پر اُن کی تھے گٹّے نماز کے

معمور ہیں خزائنِ انعامِ کردگار وہ[۵۳] چھینتا نہیں ہے کبھی دے کے ایک بار	بے انتہا و بے حد و بے حصر و بے شمار شایاں اُسے نہیں ہے کہ بندوں کو دے ادھار

دنیا بدل گئی ہے نعمت بدل گئی
اس واسطے کہ قوم کی ہمت بدل گئی

افسوس قوم میں عصبیت[۵۴] نہیں رہی مضبوطیِ ارادہ و نیت نہیں رہی	ہم میں کسی طرح کی مزیت[۵۵] نہیں رہی جرأت کہاں سے ہو کہ حمیت نہیں رہی

ہم میں ہر اک بشر کے خیالات پست ہیں

۵۱ اشارہ ہے قرآن مجید کی اس آیت کی طرف۔ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ۱۲ ۵۲ یعنی اصحاب رضم کا ۱۲ ۵۳ اشارہ ہے طرف آیت مَا كَانَ اللّٰهُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً أَنْعَمَهَا عَلَىٰ قَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ ۱۲ ۵۴ ایک دوسرے کی طرف داری و حمایت ۱۲

۵۵ فضیلت ۱۲

پس لاجرم ذلیل ہیں اور تنگ دست ہیں

ای قوم یہ تباہی و افلاس جائے شرم
اس درجہ ضعف قوت احساس جائے شرم

ای قوم یہ تعصب و وسواس جائے شرم
تقصیر فی مُقَابَلَةِ[۵۱] النَّاس جائے شرم

تم اور تمہاری نسل ہو مشغول کھیل میں
اور لوگ چل رہے ہیں ترقی کی ریل میں

کیا خوب کہہ گیا ہے کوئی شخص خوش خصال
لفظ عرب میں نَحْنُ رِجَالٌ وَّھُمْ رِجَال[۵۲]

اب ای عزیزو تم سے ہمارا ہی یہ سوال
کیوں آگیا ہی قوم کی حالت میں اختلال[۵۳]

اقوام روزگار میں بیٹھے ہو کس لیئے
بے وقعتی کی خاک پہ لیٹے ہو کس لیئے

کثرت سے تم میں صاحب مقدور کیوں نہیں
منہہ پر تمہارے حسن نہ نور کیوں نہیں

لو ہا تمہارا مانتے جمہور کیوں نہیں
دل قوم کے شگفتہ و مسرور کیوں نہیں

آخر تمہاری قوم پہ یہ کیا وبال ہی
جس شخص پر خیال کرو خستہ حال ہی

جب تک ہماری قوم میں تاج و نگیں رہا
کس کس کا نام لیں کہ حیال و رہین رہا

ہم میں کسی کو فکر معیشت نہیں رہا
ہر فرد عافیت سے غنا سے قریں رہا

ہم مالک خزائن روئے زمین تھے
اہل زمانہ قاطبۃً[۵۴] خوشہ چین تھے

۵۱ یعنی لوگوں کے مقابلے میں ہیٹیا ہونا شرم کی بات ہی ۱۲۔ ۵۲ ہم بھی آدمی ہیں اور وہ بھی آدمی ہیں ۱۲ ۵۳ خلل ۱۲ ۵۴ کلیۃً ۱۲۔

ہم کو خراج دیتے تھے دنیا کے بادشاہ
تھی مرجعِ[1] انام کبھی اپنی بارگاہ
اس میں بقدر ذرہ نہیں شک و اشتباہ
تاریخ ہے ترقیِ اسلام کی گواہ

جن کو ہمارے ساتھ دریغ التفات ہے
ہم اُن پہ حکمراں تھے ابھی کل کی بات ہے

ہم نے بنایا اہلِ جہاں کو خدا پرست
ہم نے دلایا یاد اُنھیں وعدۂ الست[2]
ہم نے کیا بتوں کے تئیں سرنگون و پست
ہم نے اُتارا نشۂ صہبائیانِ[3] مست

شائستگی کی بیل ترقی کے ساتھ تھی
پَود اس کی ہے لگائی ہوئی اپنے ہاتھ کی

کچھ اپنی اپنی بات بن آئی تھی اُن دنوں
ساری زمین پر اپنی دوہائی تھی اُن دنوں
گر دوستی تھی یا کہ لڑائی تھی اُن دنوں
ہر حال میں ہماری بڑائی تھی اُن دنوں

کیا فضلِ کردگار تھا کیا اُس کی شان تھی
اسلام تھا کہ دولت و ثروت کی کان تھی

یُسر و فراغ دولت و حشمت ہزار حیف
وہ شوکت اور لوازمِ شوکت ہزار حیف
عزت ہزار حیف حکومت ہزار حیف
صد حیف قابلیتِ نعمت ہزار حیف

گو حُور بعد کور[4] اشدُّ العذاب ہے

[1] جائے رجوعِ خلق ۱۲ [2] ارشاد ہے اس کی طرف کہ خدا نے سب آدمیوں کی روحوں سے پوچھا کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ سب نے کہا ہاں ۱۲ [3] شرابی ۱۲ [4] حدیث نَعُوذُ بِاللہِ مِنَ الحَوْرِ بَعْدَ الکَوْرِ (یعنی ہم اللہ سے پناہ مانگتے ہیں اس کمی سے جو زیادتی کے بعد ہو حور بعد کور بڑا عذاب ہے۔ مگر اس کا یاد کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی گئی عمر جوانی کی پھر تمنا کرتا ہے ۱۲۔

یاد از قبیلِ لیتَ یعُودُ الشَّبَابُ ہی

کیا فائدہ کہ جو تذکرۂ ماضی کریں
بے سود گرچہ تا بہ قیامت بکا کریں
کیوں یادِ رفتگان میں ماتم بپا کریں
اک امر اختیار سے خارج ہی کیا کریں

فرہاد وار درصدِ جوئے[۱] شیر کیا
اب جا چکا ہی سانپ تو پیٹیں لکیر کیا

پھر بھی ہی ایک وجہ تسلّی بہت بڑی
جن کو فلاحِ خلق ہی منظور ہر گھڑی
قسمت ہمارے ملک کی اچھوں سے جا لڑی
لیکن یہ مشکل ایک بڑی سخت آپڑی

نا وا جب اڑ کے بیٹھے ہیں ہم اپنی بات پر
پیاسے تڑپ رہے ہیں کنارِ فرات پر

دروازہ کون سا ہی جو ہم پر کھلا نہیں
مذہب کا قوم و ملک کا یاں تفرقہ نہیں
ناممکن الحصول کوئی مدعا نہیں
آزادی اس قدر ہی کہ کچھ انتہا نہیں

بے جوتے بوئے آپ اُگے گا اناج کیا
ہم ہی اگر نہ چاہیں تو اس کا علاج کیا

اس قصدِ احمقانہ کو للہ کم کرو
پیاسو ہمیں پہ اکھو یا تھم کرو
بانوں پر اپنی بہرِ خدامت ستم کرو
پر روٹیوں کی فکر تو بہرِ شکم کرو

ہم دیکھتے ہیں قوم کی حالت تباہ ہی
بیمار کو دوا نہ بتائیں گناہ ہی

[۱] ایک مشہور قصہ ہی کہ فرہاد اپنی معشوقہ شیریں کی فرمایش سے پہاڑ کاٹ کر دودھ کی نہر لانے کی فکر میں تھا ۱۲۔ مؤ درپئے ۱۲۔

پھر بھی تم ہی تم ہو اگر دل یہ ٹھان لو | وہ وقت اب نہیں ہو کہ سیف و سنان لو
ہی علم پر مدار اسے خوب جان لو | اتنی سی ایک بات ہماری بھی مان لو
رکھتی ہی اپنا وقت مناسب ہر اک شی
تسویف[۵۰] تا کجا و پس و پیش تا بہ کی

لیکن مراد علم سے علم جدید ہی | یورپ میں جس سے رونق ھل[۵۱] من مزید ہی
ثروت کی سلطنت کی یہی اک کلید ہی | یہ ہو تو پھر تمام زمین زر خرید ہی
ایسی کلیں چلیں کہ طلسمات کر دیا
ان کافروں نے سب کے تئیں مات کر دیا

یہ علم گر نہیں ہی تو فضل و کمال ہیچ | منشی ادیب شاعر شیریں مقال ہیچ
داب مناظرات و جواب و سوال ہیچ | تحقیق میں[۵۳] زاہد و ملا جلال ہیچ
ہم نے تو قیل و قال میں کی عمر رائگاں
یورپ نے ہائے لوٹ لیا گنج شائگاں

ہم میں سے آج جو علمائے فحول[۵۴] ہیں | مخدوم ہیں کہ خادم شرع رسول ہیں
عابد ہیں باخدا ہیں ثقہ ہیں عدول[۵۵] ہیں | لیکن معاملات میں ایسے [illegible]ل ہیں
سمجھیں نہ وہ حساب کا ادنیٰ سوال بھی
پھر یارو ایسے پڑھنے کا کوئی مآل بھی

ان کے لیے تلافیِ مافات[۵۶] ہو چکی | درماندہ سے امیدِ شفاعات ہو چکی

۵۱ مال مطول ۱۲ ۵۲ کچھ اور بھی ہی ۱۲ ۵۳ یہ دونوں کتابیں منطق کی عربی میں مشہور ہیں ۵۴ عالم متبحر ۱۲
۵۵ راست گو جس کی گواہی مقبول ہو ۱۲ ۵۶ جو چیز فوت ہو گئی یعنی ہاتھ سے جاتی رہی ۱۲ —

بیمار جاں بلب سے مداواتؔ ہو چکی | بس لوٹ دو بساط کہ یاں مات ہو چکی

دیں دیدار مدعی تمھیں دنیا سے کھوئیں گے
یہ ناخدا جہاز تمھارا ڈبوئیں گے

واللہ سارے اپنی خرابی کے ڈھنگ ہیں | کل صنعتیں بہ قبضۂ اہلِ فرنگ ہیں
بیٹھے ہوئے دلوں پہ تعصب کے زنگ ہیں | محتاج ہیں غریب ہیں مفلس ہیں تنگ ہیں

ہم اپنا پیٹ پالتے ہیں پیٹ پیٹ کر
انگریز ساری لے گئے دولت گھسیٹ کر

یورپ اگرچہ لے گیا بازی تو خیر ہی | ہم کو خدا نخواستہ کچھ اُس سے بیر ہی
وہ صاحبِ کتاب ہی ہر چند غیر ہی | مسجد نہ ہو تو صومعہؔ بہتر ز دیرؔ ہی

ہندو اُٹھا کے بیٹھے ہیں سر آسمان کو
ہم پوچھتے ہیں، رو گئے کس کس کی جان کو

کوشش کرو تو غیب سے ہوں حاجتیں روا | بے جہد کے کسی کو کبھی کچھ نہیں ملا
ہم کو توقعات نہ رکھنے کی وجہ کیا | یورپ نے کچھ خدائی کا ٹھیکہ نہیں لیا

دو تین چار ہاتھ کھسکنا ضرور ہی
مانا کہ ہم سے منزلِ مقصود دور ہی

قسمت کی خوبی دیکھو کہ اب بھی خبر نہیں | سمجھانے اور کہنے کا مطلق اثر نہیں
جس سے رفاہِ قوم ہو ایسا ہنر نہیں | کیوں بھائیو کسی کی توجہ ادھر نہیں

کردارِ ناصواب پر اصرار کس لیے

۵ علاج ۱۲ ۵۲ معبد نصاریٰ ۱۲ ۵۳ ہندوؤں کا مندر ۱۲

آنکھوں سے دیکھتے ہو تو انکار کس لیے

یَا رَبِّ[۱] قُلُوْبُ عُصْبَتِنَا بَیْنَ اِصْبَعَیْکَ
اَلرُّشْدُ وَالْهِدَایَۃُ وَالْفَوْزُ فِیْ یَدَیْکَ

نَسْتَشْفِعُ[۲] النَّبِیَّ بِاِکْرَامِهٖ لَدَیْکَ
لَمَّا قَضَیْتَ سَائِرَ حَاجَاتِنَا اِلَیْکَ

ہوں بر سرِ عروج خیالات قوم کے
شایانِ شانِ قوم ہوں حالات قوم کے

سب جانتے ہیں عالمِ اسباب ہی جہاں
ہر واقعہ نتیجۂ علت ہی بے گماں

اِس قاعدے سے بھاگ کے جائے کوئی کہاں
جاری ہی یہ زمین سے لے تا آسماں

یہ ضابطہ جدید نہیں سرسری نہیں
اسلام بھی عموم سے اِس کے بری نہیں

دیں کا عروج بے سببِ معتبر نہ تھا
تھا مُزدِ سعی[۳] صرف دعا کا اثر نہ تھا

راہِ خدا میں جان تلک کا بھی ڈر نہ تھا
مومن نہ تھا کہ جس کا ہتیلی پہ سر نہ تھا

اِن معرکوں میں کتنے عزیزوں کا خوں[۴] بہا
اک سلطنت اور اتنے شہیدوں کا خوں[۵] بہا

تھی نارِ شرک سارے زمانے میں مشتعل
روئے زمیں پہ نورِ ہدایت تھا مضمحل

اہلِ کتاب تک اِسی آفت میں پا بگِل
بس دو طرح کے لوگ تھے یا ضال[۶] یا مُضِل

[۱] اے رب ہماری قوم کے دل تیری دو انگلیوں کے بیچ میں ہیں سیدھے رستے پر چلا جانا اور مطلوب پانا تیرے ہی ہاتھ میں ہی ۱۲ [۲] ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو (چونکہ تیرے نزدیک اُن کی عزت ہی) شفیع لاتے ہیں۔ ہماری تمام حاجتیں جو تجھ سے متعلق ہیں ضرور پوری کر ۱۲ [۳] کوشش کا صلہ ۱۲ [۴] یعنی خون گرا ۱۲ [۵] تاوان معاوضۂ خون ۱۲ [۶] یعنی گمراہ یا گمراہ کرنے والا ۱۲۔

شیطان کی جہاں میں دوہائی پھری ہوئی
یعنی خدا سے ساری خدائی پھری ہوئی

اہلِ[51] عرب کا حال تھا سب میں بہت خراب
بارود سے زیادہ مزاجوں میں التہاب[52]
جیسے بلا مبالغہ جینوٹی بھراکباب
گر بات پوچھیے تو ملے جنبیہ[53] جواب
اتنے سے لفظ پر کہ چلو یا ہٹو پرے
لڑنے پہ مستعد ہوئے حتّٰی کہ کٹ مرے

سفّاک کینہ توز ستم گر ستیزہ جو
غارت گروں کو اہلِ قوافل[54] کی جستجو
بے رحم سنگ دل متمرّد درشت خو
اس ٹوہ میں سدا پڑے پھرتے تھے چارسو
صحرا نورد وحشی و خانہ بدوش تھے
اونٹوں کو پالتے تھے بس اتنے ہی ہوش تھے

اُن کو نظر نہ تھی نہ زیاں پر نہ سود پر
جانیں نثار کرتے تھے اپنے وفود[56] پر
گھر بار سب لٹا دیں گر آ جائیں جُود[55] پر
مرتے تھے فخر و عزت و نام و نمود پر
برداشت کر نہ سکتے تھے ازبسکہ ہیٹیاں
کمبخت مار ڈالتے تھے اپنی بیٹیاں

محکوم تھے بھی بعض تو صرف ازبرائے نام
اِک رنگ میں رنگے ہوئے چھوٹے بڑے تمام
کیا جانیں ایسے لوگ سیاسات[57] و انتظام
دادو کا لیتے پوتوں پڑوتوں سے انتقام
ہر قوم سے طنابِ عداوت تنی ہوئی

[51] یہ حال عرب کی تواریخ سے ظاہر ہوتا ہی ۱۲ [52] بھڑکنا ۱۲ [53] ایک قسم کا چھوٹا پیش قبض جسے کمر میں لگاتے ہیں ۱۲ [54] جمع قافلہ ۱۲ [55] سخاوت ۱۲ [56] مہمان ۱۲ [57] جمع سیاست ۱۲

بارہ مہینے اُن میں لڑائی ٹھنی ہوئی

تھے گرچہ علم و فضل و لیاقت سے بے نصیب
ترکیب اُن کی بولی کی واقع ہوئی عجیب
لیکن ہر اک باغِ فصاحت کا عندلیب
جادو اگر نہیں ہے تو جادو کے ہے قریب

وہ دل کو موہ لیتے تھے طرزِ بیان سے
باتوں میں پھول جھڑتے تھے اُن کی زبان سے

باآں کہ شہر مکہ میں تھا کعبۂ خلیل
گھر میں خدا کے سیکڑوں بت ہو گئے دخیل
نالائقوں نے اُس کو کیا اُس قدر ذلیل
جیسے کہ آن بیٹھے ہما کی جگہ میں چیل

کیا انقلاب گردشِ چرخِ کہن کے ہیں
یہ بت[1] پرست خلف اُسی بت شکن کے ہیں

غالب صفت تھی اُن کی خشونت[2] مآبیِ[3] حال
وہ خانہ داریاں تھیں بجائے خوشی و بال
اس طرز میں شریک تھے کیا اہل کیا عیال
اک مرد جتنی عورتیں چاہے کرے حلال

منکوحہ چھوٹ جاتی تھی عذرِ خفیف[4] پر
نزلہ گرا ہی کرتا ہے عضوِ ضعیف پر

ناگفتہ بہ ہی اُن کا طریقِ معاشرت
کرگہا[5] زنانِ بیوہ کی ارث و مقاسمت
شرم و حیا سے اُن کو نہ تھی کچھ مناسبت
دو بہنیں اور حقوقِ زنی میں مشارکت

[1] یعنی اہل عرب حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی اولاد اور اُن کے دین کے مدعی تھے اور پھر کعبہ میں بُت رکھ کر بت پرستی کرنے لگے ۱۲ [2] سختی۔ درشتی ۱۲ [3] بہرحال ۱۲ [4] بود اکم زور [5] عرب جاہلیت کا دستور تھا کہ مثلاً باپ دس بی بیاں چھوڑ مرا تو وہ بی بیاں مثل مال متروکہ بیٹوں پر تقسیم کر دی جاتی تھیں اور ان کی بانٹ میں لڑائیاں ہوتی تھیں اس کے علاوہ حقیقی بہنیں ایک نکاح میں ہوتی تھیں۔ اِن بُری رسموں کو اسلام نے موقوف کیا ۱۲

ظاہر خراب اُس سے زبوں تر سِرِ[۱] تیں
انسان ہوکے اُن میں بہائم کی سیرتیں

سب اہلِ روزگار تھے گمراہ یک قلم
پر اُس[۲] نے عین وقت پر اپنا کیا کرم
مستوجبِ عذابِ الٰہی عرب عجم
پیدا ہوئے نجات[۳] دہانندۂ اُمم

بنیادِ شرک و کفر و ضلالت کی مل گئی
بھٹکے ہوؤں کو منزلِ مقصود مل گئی

کیا عقل تھی جنابِ رسالت مآب کی
تدبیر سوچتے تھے مگر فتح باب کی
شرمندہ جس کے آگے ضیا آفتاب کی
آخر کو راہ ڈھونڈھ نکالی صواب کی

وہ گمرہی وہ خوئے جہالت نکل گئی
تھوڑے دنوں میں ملک کی حالت بدل گئی

ہر چند اُن کو ذاتِ خدا کی پناہ تھی
تدبیرِ صلح و جنگ کی شام و پگاہ تھی
پر مقتضائے وقت پہ ہر دم نگاہ تھی
جو دوسروں کی راہ ہو وہ اُن کی راہ تھی

تقصیر کب درست ہی تدبیرِ کار میں
ہم اُن کے سامنے ہیں بھلا کس شمار میں

جاگو کہ شرط باندھ کے مُردوں سے سو چکے
جو کچھ تمھیں خدا نے دیا تھا سو کھو چکے
غافر قنوط[۴] راہِ تمنا میں بو چکے
سُن لینا ایک دن کہ مسلمان ہو چکے

قسمت میں قوم کی ہے لکھی صبح و شام موت
بے حرمتی کے جینے سے بہتر حرام موت

[۱] اعمالِ باطن ۱۲ [۲] یعنی خدائے تعالیٰ نے ۱۲ [۳] پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲ [۴] نا امیدی ۱۲

فسانۂ مبتلا کے متعلق اخیر کے جو بند تھے اُن کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے

دنیا میں جس قدر ہیں ذریعے معاش کے
بودے ہیں جستجو کے طلب کے تلاش کے
اُن میں ہمارا حصّہ واجب ہو کاش کے
ہاں مبتلا کی وضع کی اُس کی قماش کے

گر چاہیے تو لاکھ میں نوّے ہزار ہیں
طوطی چمن میں ایک ہی کوّے ہزار ہیں

عبرت کی داستان ہے احوالِ مبتلا
اللہ رے جمال و خد و خالِ مبتلا
آنکھوں کے آگے پھرتی ہے تمثالِ مبتلا
اور عنفوانِ عمر سن و سالِ مبتلا

جس وقت وہ شرابِ جوانی سے چور تھا
بے شک و شبہ رو کشِ غلمان و حور تھا

لیکن وہ حالت ایسی سریع الزوال[1] تھی
وہ زلف جو کبھی دلِ عاشق کا جال تھی
بس دیکھتے ہی دیکھتے خواب و خیال تھی
خود دوشِ مبتلا یہ بلا تھی وبال تھی

دیکھا تو آخرش خورشِ کرمِ گور تھا
جس کے جمال و حسن کا عالم میں شور تھا

وہ مبتلا جو ناز و نعم میں پلے کبھی
خنجر چلیں گر اک قدم بھی چلے کبھی
سانچے میں ہاتھ پاؤں تھے جس کے ڈھلے کبھی
تیغ ادا سے کٹتے تھے جس کے گلے کبھی

بس جنتری میں قبر کی سب بل نکل گئے
رکھنے کے ساتھ لحد کے سانچے میں ڈھل گئے

آفت ہے موت خاصۂ مبتلا کی موت
تکلیف و درد و محنت و رنج و عنا کی موت

[1] جلد گر جانے والی ۱۲

قہرِ الٰہی و غضبِ کبریا کی موت ۔ دشمن کو بھی نصیب نہ ہو اس بلا کی موت

انجام کار جو تری مرضی ہو کیجیو
پر ایسی موت بار خدایا نہ دیجیو

تھی اُس پہ ابتدا سے مسلط بلائے حُسن ۔ طفلی میں تھا وہ آئینۂ رونمائے حُسن
مظہر ہر ایک وضع میں اُس کی ادائے حُسن ۔ اک عالم اُس کا شیفتہ وہ مبتلائے حُسن

اول سے شوقِ حُسن جو خاطر نشاں ہوا
خواہانِ روئے خوب ہوا جب جواں ہوا

شامت جو آئی اُس کی کیا دوسرا نکاح ۔ سمجھا کہ چار شرعِ پیمبر میں ہیں مباح
آئی مگر نظر نہ کبھی صورتِ فلاح ۔ کیا ہی بُری وہ رائے تھی اور کیسی بد صلاح

فرصت نہ دی پھر اُس کو نزاع و جدال نے
سب کچھ حرام کر دیا اک اس حلال نے

امن و فراغ و عافیت و راحت و قرار ۔ نام و نمود و عزت و توقیر و اعتبار
حُسنِ معاشرت کہ تمدن کا ہی مدار ۔ اور جس سے بے نیاز نہیں کوئی خانہ دار

سب چیز جا کے فقر ہوا گھر میں جا گزیں
جس چیز کو مکان میں پوچھو نہیں نہیں

جب مبتلا پہ آ ہی گیا وقتِ احتضار ۔ مُنھ میں چوائے پانی لگی چشم اشک بار
یٰسین پڑھ رہے تھے کھڑے پاس غم گسار ۔ اور دونوں آنکھیں ضعف سے دیں ڈھانک ایک بار

یوں بے کسانہ ہائے جوانی میں جان دے
جنت میں اس کو بارِ الٰہا مکان دے

جو لوگ ہیں سعادت عظمیٰ سے بہرہ مند
پرواز کو خیال کے رکھو ذرا بلند

کرتے ہیں بات بات سے وہ اکتساب پند[۵۱]
مت ہو لذائذ حیوانی کے پائے بند

میری سنو اگر نہیں سمع قبول کر[۵۲]
دو بیبیاں نہ کیجیو زنہار بھول کر

عربی قصائد اور متفرق نظمیں

اب ہم ذیل میں چند عربی قصائد اور تاریخیں اور متفرق فی البدیہہ اشعار مع ترجمہ نقل کرتے ہیں۔ یہ بات مسلّم ہی کہ جس طرح مولٰنا اُردوئے معلّی پر قادر ہیں اسی طرح وہ زبانِ عربی کے بھی ماہر ہیں اور اگر یہ دعویٰ مبالغہ آمیز معلوم ہوتا ہو تو اس سے تو کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ آج اہل ہند میں اُن کا کوئی مدّ مقابل نہیں جو عربی علم ادب میں اُن سے بازی لے جا سکے۔ اصحاب بصیرت کو غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ مولٰنا کے مطالب کا دائرہ جیفمنی کے ذہنی حُسن بلاغت اور متنبّی کی دماغی خوبیِ فصاحت سے وسیع اور بالاتر ہی جو ہمارے قلم کی زبان سے بیان نہیں ہو سکتا۔

پہلی نظم

قصیدہ بہ تعریف سرولیم میور صاحب بہادر لفٹنٹ گورنر ممالک مغربی و شمالی

مراۃ العروس اپنی طرز کی پہلی کتاب تھی۔ سرولیم کو وہ اس قدر پسند آئی کہ

[۵۱] حاضر کرنا ۱۲۔ [۵۲] بہرا ۱۲۔

آگرہ میں دربار کیا اور برسرِ دربار ایک ہزار روپیہ کا انعام تو من جانب سرکار دیا اور ایک بیش قیمت گھڑی جیبِ خاص سے بہ اظہارِ قدردانی مرحمت فرمائی جس پر یہ عبارت بخطِ انگریزی کندہ تھی۔
"من جانب سر ولیم میور جی۔ سی۔ ایس آئی۔ لفٹنٹ گورنر ممالک مغربی و شمالی۔ مولوی محمد نذیر احمد صاحب کو اُن کی کتاب مراۃ العروس کے اظہارِ پسندیدگی میں بطورِ ایک نج کی نشانی کے عطا کی گئی۔ ۱۸۶۸ء"

یہ قصیدہ اسی کے شکریے میں پڑھا گیا۔ سر ولیم نے مولانا کی اکثر تصانیف پر گراں قدر انعامات دیئے وہ علم کے بڑے قدردان اور علمِ عربی کے ایک عالم متبحر صاحبِ تصانیفِ کثیرہ تھے جو آخر عمر میں اڈنبرا یونیورسٹی کے چینسلر ہو گئے تھے۔ چوں کہ اُن کو مذہبِ اسلام کی تاریخ پر عبور حاصل تھا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مبسوط سوانح عمری بزبانِ انگریزی لکھ چکے تھے مولانا نے کلام مجید کا اپنا کیا ہوا ترجمہ اُن کو بھیجا اُسی کے صلے میں بلا سعی گھر بیٹھے ایل ایل ڈی کی ڈگری سر ولیم میور نے مولانا کو دلوائی۔

تَمَنَّیْتُ اَنَّ الْقَلْبَ کَانَ لِسَانِیْ — یَبُوْحُ بِسِرٍّ یَحْتَوِیْہِ جِنَانِیْ
فَاِنِّیْ اِذَا مَا رُمْتُ اِظْہَارَ شُکْرِکُمْ — تَقَصَّرَ عَنْہُ مَنْطِقِیْ وَبَیَانِیْ
وَلَمْ اَرَ قَبْلِیْ قَطُّ مَنْ نَالَ غَایَۃً — تَخَلَّفَ عَنْہَا اَھْلُ کُلِّ زَمَانِ
بِلَا طِفْہٖ بَحْرُ النَّدٰی وَعُبَابُہٗ — وَیُکْرِمُہٗ لَیْثُ الْوَغٰی وَطِعَانِ
دَعَانِیْ فَاَدْنَانِیْ وَاَعْلٰی مَحَلَّتِیْ — وَاَجْلَسَنِیْ مِنْ قُرْبِہٖ بِمَکَانِ

میری آرزو یہ ہے کہ میری زبان کی جگہ میرا دل ہو۔ اور جو راز میرے دل میں ہو اُس کو ظاہر کرے ۱۲۔
جب میں تمہارے شکر کے اظہار کا قصد کرتا ہوں تو میری گویائی اور میرا بیان کوتاہی کرتے ہیں ۱۲۔
میں نے اپنے آپ سے پہلے کبھی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جو ایسی حد کو پہنچا ہو جس سے ہر ایک زمانے کے اہل پیچھے رہ گئے ہوں ۱۲
اور اس سے سخاوت کا سمندر مہربانی سے پیش آیا ہو اور جنگ اور نیزہ زنی کے شیر نے اُس کا اکرام کیا ہو ۱۲۔
مجھکو بلایا پھر مجھکو پاس بُلایا اور میرا مرتبہ بلند کیا اور اپنے قرب سے مکانِ عزت میں مجھکو جگہ دی۔

۵۱ وَزَوَّدَنِیْ مَا اَنْ تَنُوْءَ بِعُصْبَۃٍ ۔ اُوْلِیْ قُوَّۃٍ نَھْدٍ اَشَقَّ عَوَانٍ

۵۲ نُقُوْدِیْ فَلِیْ فِیْ اَلْفِہٖ اَلْفُ حَاجَۃٍ ۔ قَضَاءُ دُیُوْنٍ وَّافْتِکَاکُ رِہَانٍ

۵۳ وَغَیْرُھُمَا مَا لَا اَکَادُ اُعَدُّ ھَا ۔ وَذَا سَاعَتِیْ صِیْغَتْ مِنَ الْعِقْیَانِ

۵۴ اُقَلِّدُھَا جِیْدِیْ لِیُعْلَمَ اَنَّنِیْ ۔ لِسَرْوِلِیَمْ فِیْ رِبْقَۃِ الْاِحْسَانِ

۵۵ تُنَادِیْ بِاَعْلٰی صَوْتِھَا اَنَّ فِی الْوَرٰی ۔ لِسَرْوِلِیَمْ اُحْدُوْثَۃَ الْاِحْسَانِ

۵۶ بِاَیِّ ثَنَاءٍ اَسْتَخُصُّکَ مَادِحًا ۔ وَلَا بُدَّ لِلتَّخْصِیْصِ مِنْ رُجْحَانٍ

۵۷ بِعِلْمٍ وَّحِلْمٍ اَمْ بِاَصْلٍ وَّمَحْتِدٍ ۔ یُرٰی تَحْتَہُ الْعَیُّوْقُ وَالْقَمَرَانِ

۵۸ وَحُسْنِ ظِبَاءٍ فِیْ مَھَابَۃِ ضَیْغَمٍ ۔ وَمَعْدِلَۃٍ یُزْرِیْ بِنُوْشَرْوَانِیْ ٭

۵۹ وَھَبْنِیْ اَسْتَقْصِی الثَّنَاءَ لَوَ اَنَّنِیْ ۔ رِمَالَ الْفَلَا اَحْصَیْتُھَا بِبَنَانِیْ ٭

۵۱ اور مجکو اتنا توشہ دیا کہ اس کو مضبوط اور قوی اونٹ نہ اُٹھا سکیں ۱۲۔

۵۲ یہ میرے نقد روپے ایک ہزار جن سے میری ہزار حاجتیں متعلق ہیں ادائے قرض اور فکِ رہن ۱۲۔

۵۳ اور ان کے سوا جن کا شمار نہیں اور یہ میری سونے کی گھڑی ۱۲۔

۵۴ اس کو میں اپنی گردن میں لٹکاؤں گا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ میری گردن سر ولیم کے احسان میں بندھی ہے

۵۵ یہ گھڑی بڑے زور سے پکار رہی ہے کہ سر ولیم کے احسان کا چرچہ لوگوں میں ہے۔

۵۶ کس تعریف کے ساتھ میں آپ کو مدح کے لیئے خاص کروں اور تخصیص کے لیئے کوئی وجہ ترجیح چاہیے۔

۵۷ علم کی تعریف کروں یا حلم یا اصل و نسب کی جو اس قدر بلند ہے کہ عیوق ستارہ اور چاند اور سورج بھی اس کے آگے پست ہیں۔

۵۸ اور ہرن کی سی خوب صورتی اور شیر جیسا رعب اور انصاف جس کے آگے نوشیرواں کا انصاف بھی ہیچ ہے

۵۹ اور فرض کیجیے میں نے آپ کی تعریف پوری پوری ادا کر دی تو گویا کہ ریگ صحرا کو انگلیوں پر گن لیا۔

۵۱ وَبِالْمَجِيءِ وَاشْتِيَاقِي يَحُثُّنِي ... عَلَى الرَّكْضِ وَالْإِسْرَاعِ وَالرَّدَيَانِ

۵۲ ذَا الرِّيْلُ عِنْدِي كَانَ أَبْطَأَ مَرْكَبٍ ... وَيَسْئَمُنِي عَجْزِي عَنِ الطَّيَرَانِ

۵۳ وَأَرْجِعُ لَا عَنْ رَغْبَةٍ فِي فِرَاقِكُمْ ... وَلَكِنَّهُ غَيْرِي يَقُودُ عِنَانِي

۵۴ أُسَاقُ بِلَا طَوْعٍ وَقَلْبِي يَصُدُّنِي ... وَلِي فِيهِمَا مَشْيٌ كَمِشْيَةِ عَانِي

۵۵ وَإِنِّي شُجَاعٌ كُلَّ حَوْمَةِ الْوَغَى ... وَلَكِنَّ عِنْدَ الْهَجْرِ كُلَّ جَبَانِ

۵۶ كَذَاكَ قَضَاءُ اللهِ يَعْنُو لَهُ الْفَتَى ... وَإِنْ كَانَ لَا يَعْنُو لِوَخْزِ سِنَانِ

۵۷ وَلِي عَمَلٌ فِي الْبَنْدُوبَسْتِ وَمِحْنَةٌ ... أُكَابِدُهَا بِالصَّبْرِ مُنْذُ ثَمَانِ

۵۸ فَهَذَا دُوَائِي وَامْتُقِعْتُ تَلَوُّنًا ... وَهَذَا مَشِيبِي شِبْتُ قَبْلَ أَوَانِ

۵۹ وَفِيكَ رَجَائِي وَالرَّجَاءُ مُعَوَّلِي ... عَلَى ثِقَةٍ بِالنُّجْحِ وَالتُّكْلَانِ

۵۱ تیرا آنا بھی کیا ہی اچھا آنا تھا کہ اشتیاق نے مجکو تگ و دو پر برانگیختہ کر رکھا تھا۔

۵۲ ریل کو میں سست تریں سواری سمجھتا تھا اور پرواز سے عاجز رہنے سے میں ملول تھا۔

۵۳ اب میں یہاں سے لوٹ کر جاؤں گا مگر میں آپ کی مفارقت کا خواہاں نہیں ہوں۔ مگر کیا کروں کہ دوسرا مجکو کشاں کشاں لیے جا رہا ہے۔

۵۴ جاتا ہوں مگر مجبوراً کہ دل میرا مانع ہے اور میرا چلنا ایک تھکے ہوئے کا چلنا ہے۔

۵۵ اور میں لڑائی کے بھنور میں پورا بہادر ہوں مگر جدائی کے وقت بڑا بودا۔

۵۶ یہ خدا کا حکم ہے کہ مرد کو اس کے آگے مطیع و منقاد ہونا پڑتا ہے اگرچہ وہ نیزوں کی بھال کا منقاد نہ ہو۔

۵۷ میں بندوبست میں محنت سے کام کر رہا ہوں اور آٹھ برس سے اس مصیبت کو صبر کے ساتھ جھیل رہا ہوں

۵۸ تو یہ میری صورت ہے اور میرا رنگ جھلس گیا ہے اور یہ میرا بڑھاپا ہے کہ وقت سے پہلے بوڑھا ہو گیا ہوں۔

۵۹ تو میری امید گاہ ہے اور میری فریاد رس ہے اور مجھے اپنی کامیابی پر بھروسہ اور اعتماد ہے۔

دوسری نظم

یہ دوسرا قصیدہ بھی سر ولیم میور کی شان میں ہی جو کسی اور موقع پر پڑھا گیا تھا۔

۵۱ لِلّٰهِ دَهْرِي صَارَ رَوْضًا اَدْهَمَا ۔ وَعَهِدْتُهُ مُنْذُ اصْطَحَبْتُ جَهَنَّمَا

۵۲ سَهْلًا تَطُوءُهُ اِذَا ضَرَبْتَ بِحَزْنِهِ ۔ عَسَلًا تَذُوقُهُ اِذَا تَنَاوَلْتَ عَلْقَمَا

۵۳ وَتَرَى الْمَنِيَّةَ مُنْيَةً وَالْجَدْبَ خَصْبًا ۔ وَالنَّوَائِبَ وَالصُّرُوفَ مُسَالِمَا

۵۴ وَالشَّمْلَ جَمْعًا وَالضَّغَائِنَ خُلَّةً ۔ وَالْحَرْبَ سِلْمًا وَالْمَضِيقَ مُرَاغِمَا

۵۵ اُتْرِعْتَ نُورًا يَا زَمَانُ فَكِدْتَ تَخْطَفُ ۔ بِالْعُيُونِ وَكُنْتَ لَيْلًا مُظْلِمَا

۵۶ لَا تُنْكِرُوا هٰذَا التَّقَلُّبَ حَيْرَةً ۔ لَا تَعْجَبُوا مِنْ ذَا التَّحَوُّلِ اِنَّمَا

۵۷ هِيَ حَالَةٌ اَيْقَنْتُ قَبْلَ وُقُوعِهَا ۔ فِي الدَّهْرِ لَمَّا اَمَّرُوا سَرْ وِلْيَمَا

۵۸ اَلْعَالِمُ الْفَطِنَ اللَّبِيبَ الْاَرْيَحِي ۔ اَلْحَاذِقَ النَّدُسَ الْاَدِيبَ الْاَفْهَمَا

۵۱ چشم بددور میرا زمانہ گھنا باغ ہوگیا ہی اور میں تو شروع سے اُس کو جہنم دیکھتا رہا ہوں۔

۵۲ اگر تو اُس کی زمین سخت پر چلے تو اُس کو نرم پائے گا اور اگر اُس کا ایلوا کھائے تو شہد کا مزہ دے گا۔

۵۳ موت آرزو سے بدل گئی ہی اور قحط ارزانی سے اور مصائب اور حوادث ساز گار ہیں۔

۵۴ اور جدائی وصل سے بدل گئی ہی اور کینے دوستی سے اور جنگ صلح سے اور تنگی کشادگی سے۔

۵۵ اے زمانہ تجھ میں نور کی افراط ہو کیونکہ اب تجھ سے آنکھوں کو چکا چوند ہوتی ہی حال آں کہ تو جب تاریک تھا۔

۵۶ لوگو اس تبدیل حالت کو دیکھ کر حیرت نکرو اور اس تغیر سے متعجب نہ ہو۔

۵۷ کیونکہ ایسی حالت ہی کہ اس وقوع سے پہلے مجکو اس کا یقین تھا جب کہ سر ولیم کو حاکم بنایا گیا۔

۵۸ وہ عالم ہی دانشمند ہی عاقل ہی خندہ پیشانی ہی ماہر کامل ہی زیرک ہی صاحب فہم و فراست ہی۔

اَلْاَرْوَعَ الْحَذِقَ الْهُمَامَ السَّيِّدِ	اَلْحَجَّاجَ ذَا الْمَجْدِ الْمُوَءَثَّلِ اَكْرَمَا
اَلْاَوْحَدَ الْمَلِكَ الْاَغَرَّ الْاَوْجَهَا	رَحْبَ الْخُلْقِ مِقْدَامًا جَوَادًا جَهْضَمَا
قَدْ كَانَ ذَا الْاَمْرُ الَّذِي قُلِّدْتَهُ	بِالْحَقِّ اِلَّا مَا عَلَيْكَ مُحَرَّمَا
اَلْيَوْمَ عَمَّ الْمُلْكَ اَمْنٌ وَاسْتَتَبَّ	لَهُ النِّظَامُ مُكَمَّلًا وَّ مُتَمَّمَا
اَلْيَوْمَ صَارَ بِنَاءُ دَوْلَةِ اِنْكِلْشِيَةٍ	فِي الْبِلَادِ مُشَيَّدًا مُّسْتَحْكَمَا
طُوْبٰى بِسَلْطَنَةٍ تَكُوْنُ دَبِيْرَهَا	بُشْرٰى لِمُلْكٍ كُنْتَ فِيْهِ مُحَكَّمَا
كُلُّ الْمَحَاسِنِ كَانَ فِيْكَ طَبِيْعَةً	رَسَخَتْ وَفِيْ مَنْ عَدَاكَ تَجَشُّمَا
فَسَخَاوَةٌ تُزْرِيْ بِحَاتِمِ طَيِّءٍ	وَفَصَاحَةٌ تُذْرِيْ بْنَ وَائِلٍ اَبْكَمَا
هٰذَاكَ تَهْنِئَةٌ اُهَنِّئُكَ بِهَا	وَالنَّاسَ طُرًّا وَالزَّمَانَ وَعَالَمَا

[۵۱] باہیبت ہو حاذق ہو سردار ہو رئیس القوم ہو مستحکم بزرگی کا صاحب ہو بڑا سخی ہو۔

[۵۲] یگانۂ روزگار ہو بادشاہ ہو روشن چراغ ہو وسیع الاخلاق ہو خطرناک مواقع میں سب سے آگے داخل ہونے والا ہو صاحب جود و سخا ہو اور سردار ہو۔

[۵۳] یہ حکومت تم کو باستحقاق دی گئی ہو تمھارے سوا دوسروں پر حرام تھی۔

[۵۴] اب ملک میں امن عام ہو اور بندوبست پورا اور مکمل ہوگیا۔

[۵۵] اب دولت انگلشیہ کی بنیاد شہروں میں مستحکم و مضبوط ہوگئی ہو۔

[۵۶] خوش نصیب ہو وہ سلطنت جس کے تم ناظم ہو اور مبارک باد ہو اُس ملک کے لیے جس کے تم حاکم ہو۔

[۵۷] اور خوبی کی تمام باتیں تمھاری طبیعت میں راسخ ہیں اور دوسرے لوگ ان کو بتکلف اختیار کرتے ہیں۔

[۵۸] تمھاری سخاوت کے آگے حاتم طی کی سخاوت ہیچ ہو اور تمھاری فصاحت کے آگے سحبان وائل گونگا ہو۔

[۵۹] اور مبارک باد کے ساتھ میں اپنے تئیں مبارک باد دیتا ہوں اور سب لوگوں کو۔

۵۱ وَاَخُصَّ تَهْنِيَةً گُوَرْنَرْ وَيْسَرَائے — اَلْهِنْدِ فِي تِلْكَ الْبِشَارَةِ سِيَّمَا

۵۲ مُسْتَظْهِرًا بِكَ فِي الْاُمُورِ كَمِثْلِ — مُوسَى مِنْ اَخِيهِ فَفَخْرُهُ مَا اَعْظَمَا

۵۳ فَاِذَا اتَّكَأَ فَكُنْتَ مُنْصِلُ سَيْفِهِ — وَاِذَا اتَّصَافَحَ كَفُّهُ وَالْمِعْصَمَا

۵۴ وَالْعَيْنُ مِنْهُ اِذَا اَهَمَّ بِنَظْرَةٍ — وَاِذَا تَكَلَّمَ كُنْتَ اَنْتَ لَهُ فَمَا

۵۵ طَالَ الْمَقَالُ وَلَيْسَ يَنْفَدُ وَصْفُهُ — كَثُرَ الْكَلَامُ وَلَمْ اَعُدَّ ذُكَا اَنْجُمَا

۵۶ وَهَلُمَّ جَرًّا لَوْ لَقِيتُ اُعِدُّهَا — لَمْ يُمْكِنِ اسْتِقْصَاءُ مَدْحِكَ دَائِمًا

۵۷ وَاَحَبُّ اَشْيَاءَ اِلَيَّ لَذِكْرُهُ — لَاكِنْ اَخَافُ بِاَنْ اُطِيلَ تَبَرُّمَا

۵۸ بُورِكْتَ فِي مُلْكِ الْعُلَى اَرْضَيْتَ — فِيهَا النَّاسَ وَاللّٰهَ الْعَلِيَّ الْاَعْظَمَا

۵۹ وَحُظِّيتَ فِيهَا عِيشَةً مَرْضِيَّةً — رَجُوهَا لِذِي الْوِزَارَةِ سُلَّمَا

---

۵۱ اور زمانے کو اور جہان کو خصوصاً گورنر ویسرائے ہند کو۔

۵۲ وہ تم سے سب امور میں مدد لیتے ہیں جیسے موسیٰ اپنے بھائی ہارون سے تو اُن کا بڑا فائدہ ہو۔

۵۳ تو جب وہ شمشیر زنی کریں تو تم اُن کی تلوار پھلڑا ہوتے ہو اور جب کسی سے مصافحہ کریں تو تم اُن کی ہتلی اور پہنچا۔

۵۴ اور جب وہ دیکھنا چاہیں تو تم اُن کی آنکھ ہوتے ہو اور بولنا چاہیں تو تم اُن کا مُنھ ہو۔

۵۵ گفتگو دراز ہوگئی اور اُس کی تعریف تمام نہ ہوئی بات بڑھ گئی اور میں ستاروں کو گن نہیں پایا۔

۵۶ اِسی طرح اگر میں اس کے محامد گنتا رہوں تو تمھاری مدح کا پورا کرنا کبھی بھی ممکن نہیں ہوگا۔

۵۷ محبوب تریں اشیا میرے نزدیک ذکر ممدوح ہی لیکن میں ڈرتا ہوں کہ طبع ممدوح ملول نہ ہو جائے

۵۸ اِس بلند مرتبے میں خدا تم کو برکت دے کہ تم نے لوگوں کو بھی راضی کیا ہی اور خدائے برتر کو بھی۔

۵۹ اور تم کو پسندیدہ زندگی نصیب ہو اور وہ زندگی وزارت کے لیے ترقی کا زینہ ہو۔

تیسری نظم

مرثیہ انتقال فرزند خود ظہیر الدین احمد

یہ لڑکا آٹھ برس کی عمر میں دفعۃً ہیضہ میں مبتلا ہو کر ۱۸۷۰ء میں گزر گیا

أتمّ الذي الدهرُ الخئونُ مغيّراً ... ما كنتُ أحسبني أضيعُ ظهيرا

[۵۲] فأذابني همٌّ يذيبُ حدائدا ... وأصابني غمٌّ يدكُّ صخورا

[۵۳] لنهارنا كلَّ النهارِ محاورا ... ولليلنا قبلَ المنامِ سميرا

[۵۴] روحاً وريحاناً ونزهةَ خاطرٍ ... للعينِ نوراً وللفؤادِ سرورا

[۵۵] ابناً وأمنيّةً وأطيبَ صاحبٍ ... يا ويلتاهُ فقدتُ فيه كثيرا

[۵۶] ربّيتَ فينا كي نعدّكَ عدّةً ... للنائباتِ فكنتَ أنتَ دهورا

[۵۱] مجھے زمانہ نے یکایک مار ڈالا زمانہ خائن ہے میں خیال نہیں کرتا تھا کہ میں ظہیر کو ضایع کروں گا یعنی وہ مر جائے گا

[۵۲] مجھے ایسے غم نے گھلا دیا ہے جو لوہے کو گلا دے اور ایسا غم پہنچا ہے جو پتھر کو چکنا چور کر دے۔

[۵۳] وہ (ظہیر) دن کو تو ہم سے باتیں کیا کرتا تھا اور سونے سے پیشتر رات کو کہانیاں کہا کرتا تھا۔

[۵۴] وہ ہمارے واسطے راحتِ جان اور موجبِ مسرت اور باعثِ شگفتگی خاطر تھا آنکھوں کا نور اور دل کا سرور تھا۔

[۵۵] میرا بیٹا تھا اور اس سے امیدیں وابستہ تھیں اور کیا اچھا ساتھی تھا ہلاکت ہو جیو میرے لیئے اس کے مرنے سے میں نے بہت کچھ کھو دیا۔

[۵۶] تو ہم میں پالا گیا تھا اس لیئے کہ دفع مصائب کے لیئے ہم تجھ کو ایک عمدہ سامان سمجھیں لیکن تو خود ہی ہمارے لئے ایک بڑی مصیبت ہو گیا۔

۵۱ خُيِّبَتْ فِيكَ رَجَاءُنَا وَغَدَرْتَنَا — مَا كُنْتَ يَا رُوحِي بِذَاكَ جَدِيرَا

۵۲ قَدْ كُنْتَ تَلْعَبُ بِالتُّرَابِ وَخِلْتَهُ — شَيْئًا مُجَانًا هَيِّنًا وَّيَسِيرَا

۵۳ يَا لَيْتَ شِعْرِي الْآنَ جِدٌّ كَانَ ذَا — لَكَ أَمْ لَهْوًا وَخِلْتَ حَقِيرَا

۵۴ يَا لَيْتَ أَنَّ الْمَوْتَ تَقْبَلُ فِدْيَةً — تَذَرُ الْقَلِيلَ بِأَنْ تَحُوزَ كَثِيرَا

۵۵ لَبَذَلْتُ نَفْسِي غَيْرَ مُكْتَرِثٍ بِهَا — شُحًّا وَّلَسْتُ عَلَى الْعِيَالِ قَتُورَا

۵۶ لَوْ كَانَ يَشْفِي الدَّمْعُ غُلَّةَ غُصَّةٍ — لَأَسَلْتُ مِنْ تِلْكَ الْمَآقِ بُحُورَا

۵۷ لٰكِنَّ نَارَ الْحُزْنِ يُسْعِدُهَا الْبُكَاءُ — وَيَزِيدُ قَلْبِي لَوْعَةً وَّسَعِيرَا

۵۸ فَوُقُودُهَا الْأَحْشَاءُ وَالْعَبَرَاتُ زَيْتٌ — قُطِّرَتْ مِنْ فَوْقِهَا تَقْطِيرَا

۵۹ خَلَّفْتَ أُمًّا قَدْ تَنَاهَى ضُعْفُهَا — دَنِفًا فَمَا كَانَتْ تُطِيقُ زَفِيرَا

---

۵۱ ہماری اُمیدیں تجھ میں نا امیدی سے بدل گئیں اور تونے ہم کو دھوکا دیا اور چھوڑ دیا جان من تو تو اس قابل یا لائق نہ تھا۔

۵۲ تو مٹی سے کھیلا کرتا تھا اور مٹی کو ایک رائگاں حقیر اور خفیف چیز سمجھا کرتا تھا۔

۵۳ ای کاش مجکو اس کا علم ہو کہ تو جو قبر میں داخل ہوا یہ بھی کھیل ہی یا سچ مچ۔

۵۴ ای کاش موت کچھ فدیہ لے کر تجھے چھوڑ دیتی تھوڑے کو چھوڑ کر یعنی تجھے چھوڑ کر بعوض اس کے بہت کچھ لے لیتی۔

۵۵ تو میں اپنے نفس کی بھی پروانہ کرتا اور اُسے بلا بخل بخش دیتا اور میں اولاد کے لئے ممسک نہیں ہوں۔

۵۶ اگر رنج گلوگیر کی تشنگی کو آنسو تسکین دے سکتے تو میں آنکھوں سے سمندر بہا سکتا تھا۔

۵۷ کہیں آتشِ غم کی تائید گریہ سے ہوتی ہے اور میرے دل پر سوزش اور بھڑک زیادہ ہوتی ہے۔

۵۸ غم کی آگ کا ایندھن اعضاے داخلی ہیں اور آنسو تیل کا کام دیدیتے ہیں جو اوپر سے بوند بوند ٹپکائے جاتے ہیں۔

۵۹ تو اپنے پیچھے اپنی ماں کو چھوڑ گیا ہے جس کے ضعف کی کوئی انتہا نہیں وہ مریض مزمن ہے اس میں آہ بھرنے کی بھی طاقت نہیں ہے

۵۱ لم یبق منہا السقم غیر حشاشۃ	فی اعظم متخلیات زئیرا
۵۲ حملتہا الم الفراق کانما	کلفت تملا ان تقل بشیرا

۵۱ اُس میں سوائے رمق کے کچھ باقی نہیں رہا اُس کی ہڈیاں گودے سے خالی ہوگئی ہیں۔

۵۲ جدائی کا صدمہ تو اُس پر ایسا ڈال گیا ہو گویا کہ ایک چینو ٹی کو تو نے تکلیف دی ہو کہ وہ کوہ ثبیر کو اُٹھائے ۱۲

چوتھی نظم

یہ نظم مولوی شاہ ابوالخیر صاحب مقیم دہلی کے حج سے واپسی پر بطور مبارکباد لکھی گئی تھی ۔

۵۱ بارک اللہ فی الحجیج خصوصا	فی ابی الخیر صاحب المکرمات
۵۲ در در الذین خازوا باجر	قدر ما اوسعوا من الخطوات
۵۳ فو نفسی احبہ حب صب	و احبنہ تمام حیاتی
۵۴ ھو حبی و صاحبی و اخی	فی اللہ لا بالجدود والامہات
۵۵ لیتنی کنت فی جماعتہم	حین مضوا فی البلاد والفلوات

۵۱ خدا حاجیوں میں برکت دے خصوصاً ابوالخیر میں جو بزرگیوں کے صاحب ہیں۔

۵۲ اُن لوگوں کو خدا جزائے خیر دے جنھوں نے بقدر وسعت اختیار اجر عاقبت جمع کیا ۱۲۔

۵۳ مجکو اپنے سر کی قسم کہ میں اس کے ساتھ عاشقوں کی سی محبت رکھتا ہوں اور باقی زندگی بھی اس سے محبت رکھوں گا۔

۵۴ وہ میرا محبوب اور رفیق ہو اور بھائی ہو دادوں اور ماؤں کے رشتے سے نہیں بلکہ خدا واسطہ کا بھائی ہو ۱۲

۵۵ حاجی لوگ جب شہروں اور جنگلوں میں ہو کر گزرتے کاش میں بھی اُن کی جماعت میں ہوتا ۱۲

قاصدی البیت بیتِ عزٍّ و مجدٍ[۱]	حرّم اللّٰہ مھبط البرکات
ما لھم ینکرون ظلماً و بغیاً[۲]	اصرح الحقّ اوضح البیّنات
ھو وادٍ بغیر زرعٍ و عشبٍ[۳]	ثُمّ یُجبیٰ الیہ من ثمرات
لعن اللّٰہ منکری الدّین و قد[۴]	حاق بھم مکرھم من السّیّات
فسیاتیھم و لا شکّ فیہ[۵]	وعد ما استھزؤا بہ و سیاتی

[۱] وہ لوگ عزت اور بزرگی کے گھر کی زیارت کے ارادے سے گئے وہ خدا کا رستہ ہے وہاں برکات نازل ہوتی ہیں۔

[۲] لوگوں کا کیا حال ہے کہ ظلم اور بغاوت کر کے حق صریح اور دلائل واضحہ کا انکار کرتے ہیں۔

[۳] وہ بے کھیتی اور گھاس کا میدان ہے بااین ہمہ دنیا کے پھل اس کی طرف کھنچے چلے جاتے ہیں۔

[۴] خدا منکر دین پر لعنت کرے اور بری تدبیریں ان پر الٹ پڑی ہیں۔

[۵] اور کچھ شک نہیں جس چیز کی ہنسی اڑا رہے ہیں اس کا وعدہ سزا ضرور ان کو پیش آ کر رہے گا ۱۲۔

پانچویں نظم

قطعہ تاریخ وفات والدہ بشیر الدین احمد صاحب جو مرمر کے لوح مزار پر کندہ ہے

ماتت و افجعت القلوب بموتھا[۱]	عظم المصاب و یومنا یوم عسیر
من للعفاۃ و للارامل بعدھا[۲]	صرعیٰ کما اعجاز نخلٍ منقعر

[۱] مر گئیں اور بہت سے دلوں کو اپنے مرنے سے دردمند کر دیا ان کا مرنا بڑی مصیبت ہے اور ہمارا آج کا دن بڑا مشکل دن ہے۔

[۲] ان کے بعد سائلین اور بیوگان کے لیے کون پرداخت کنندہ ہے کہ یہ لوگ ان سے بچھڑے پڑے ہیں جیسے اکھڑے ہوئے کھجور کے تنے

وَلَنَصْبِرَنَّ عَلَى الْفِرَاقِ لِعِلْمِنَا[1]	أَنَّ الْمَمَاةَ لِكُلِّ حَيٍّ قَدْ قُدِرَ
وَطَلَبْتُ عَامَ وَفَاتِهَا فِي جُمْلَةٍ[2]	فَسَمِعْتُ بَاكِيَةً تَقُولُ لَهَا غُفِرَ ۱۳۱۱ھ

[1] ہم جدائی پر ضرور صبر کریں گے کیوں کہ ہم کو معلوم ہے کہ ہر زندہ کے لیے موت مقدر ہے

[2] اور میں نے اِن کی وفات کا برس ایک جملہ میں طلب کیا تو میں نے کسی رونے والی کو سنا کہ وہ کہہ رہی تھی کہ غُفِرَ لَهَا اُن کی تو مغفرت ہو گئی۔

چھٹی نظم

یہ قصیدہ بہ تقریب تشریف آوری شاہ افغانستان انجمن حمایت اسلام کے جلسے کے لئے لکھا گیا تھا مگر غالباً پڑھنے کی نوبت نہیں آئی۔

جَمَعْتَ فِيكَ التُّقَى وَالْمُلْكَ وَالْأَدَبَا[1]	وَاللّٰهِ إِنَّا نَرَى فِي شَأْنِكَ الْعَجَبَا
ذَكَّرْتَنَا الْخُلَفَاءَ الرَّاشِدِينَ فَدُمْ[2]	عَلَى الْهُدَى وَاتَّبِعْ مِنْهَاجَهُمْ رَغَبَا
إِنَّا لَفِي زَمَنٍ فِي أَهْلِهِمْ خَبَلٌ[3]	لَا يُحْسِنُونَ اكْتِسَابَ الْعِلْمِ وَالطَّلَبَا
لَا سِيَّمَا الْمُسْلِمُونَ الْغَافِلُونَ فَهُمْ[4]	يَرْجُونَ أَجْرًا وَلَا يَقْضُونَ مَا وَجَبَا

[1] تم نے اپنی ذات میں پرہیزگاری اور سلطنت اور ادب کو جمع کر رکھا ہے بخدا ہم تم میں یہ عجیب دیکھتے ہیں۔

[2] تم نے ہمیں خلفائے راشدین کو یاد دلایا تو اسی راہِ راست پر قایم رہو اور بطوع خاطر اُن کے ہی طریق کی پیروی کرو

[3] ہم ایسے زمانے میں ہیں کہ اہلِ زمانہ میں فسادِ عقل ہے نہ علم اچھی طرح حاصل کرتے ہیں نہ اُس کو طلب کرتے ہیں۔

[4] خاص کر مسلمان غافل ہیں مزدوری کے امیدوار اور کارِ واجب ادا نہیں کرتے۔

۵۱ اَلدَّهرُ ذُو حِوَلٍ وَّالْمَرْءُ مُرْتَهَنٌ — يُجْزٰى سَوَاءً بِمَا الْغٰى وَمَا كَسَبَا

۵۲ اَللّٰهُ قَدَّرَ فِي الدُّنْيَا بِحِكْمَتِهٖ — لِكُلِّ وَاقِعَةٍ اَوْ حَادِثٍ سَبَبَا

۵۳ اَلْاَمْرُ وَالْحُكْمُ اَيَّامٌ مُّدَاوَلَةٌ — بَيْنَ الْخَلَائِقِ وَالدُّنْيَا لِمَنْ غَلَبَا

۵۴ اَلْحَرْبُ تَرْفَعُ اَقْوَامًا وَّتَخْفِضُهُمْ — وَاِنَّ لِلنَّاسِ فِي تَسْلِيطِهِمْ تَوَبَا

۵۵ اَمَّا الْحَدِيدُ فَقَدْ زَالَتْ مَهَابَتُهٗ — كُنْ حَامِلَ السَّيْفِ اَوْ مَنْ يَّحْمِلُ الْخَشَبَا

۵۶ لَا يَعْصِمَنَّكَ مِنْ ضَرْبِ الْبَنَادِقِ لَا — وَاِنْ تَطَبَّقْتَ تَحْتَ الْجَوْشَنِ الْيَلَبَا

۵۷ فَالْعِلْمُ فِي عَصْرِنَا اشْتَدَّتْ سَوَاعِدُهٗ — وَعَنَّ اَنَّ لَنَا فِي جَمْعِهٖ اَرَبَا

۵۸ وَرَبُّنَا اللّٰهُ لَا تُحْصٰى مَوَاهِبُهٗ — وَالْعِلْمُ اَكْبَرُ مَا اَعْطٰى وَمَا وَهَبَا

۵۹ بِالْعِلْمِ كَرَّمَنَا وَبِالْعَقْلِ فَضَّلَنَا — لَوْلَاهُمَا لَلَقِينَا الْكَدَّ وَالنَّصَبَا

۶۰ كُلٌّ يُّرِيدُ عُلُوًّا لَا يَلِيقُ بِهٖ — فَاِنَّ فِي الْعِلْمِ سِرًّا كَانَ مُحْتَجِبَا

۵۱ زمانہ حیلہ باز ہے اور آدمی اعمال میں گرو ہے اس کو برابر بدلہ دیا جائے گا جو ضائع کیا اور جو کمایا۔

۵۲ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اپنی حکمت سے ہر واقعے اور حادثے کا ایک سبب قرار دیا ہے۔

۵۳ حکومت اور سلطنت لوگوں میں دنوں کے ہیر پھیر ہیں اور دنیا اُس کی ہے جو غالب آئے۔

۵۴ لڑائی بعض کو بلند کرتی ہے اور بعض کو پست اور لوگوں کو اُن کے مسلط کرنے میں باری ہے۔

۵۵ لوہے کی تو ہیبت جاتی رہی تلوار کا اُٹھانے والا اور لکڑی کا اُٹھانے والا دونوں برابر۔

۵۶ بندوق کی زد سے تم کو لوہا نہیں بچا سکتا اگرچہ تہ بہ تہ زرہیں پہن لو۔

۵۷ اب علم کا بازو ہمارے زمانے میں قوی ہے اب ہم پر ظاہر ہو گیا ہے کہ ہم علم کے محتاج ہیں۔

۵۸ اللہ تعالیٰ کی بخششوں کا شمار نہیں ہو سکتا اور جو کچھ خدا نے دیا ہے اُن میں سب سے بڑی نعمت ہے۔

۵۹ خدا نے ہم کو علم اور عقل کے ذریعے سے فضیلت دی اگر یہ دو چیزیں نہ ہوں تو ہم بڑی مصیبت اُٹھاتے۔

۶۰ ہر شخص بلندی چاہتا ہے حالاں کہ وہ اس کے لائق نہیں علم میں بلندی کا راز پوشیدہ ہے۔

اَلْمُتْرَفُونَ هُمُ الْفُسَّاقُ اَكْثَرُهُمْ[1] يُبَذِّرُوْنَ تِلَادَ الْمَالِ وَالنَّشَبَا

اِنْ يَنْتَهُوا انْتَهَوْا عَنْ سُوْءِ فِعْلِهِمِ[2] لِلْعَجْزِ وَالضُّعْفِ لَا خَوْفًا وَّلَا رَهَبَا

اَخْلَافُ قَوْمٍ عَلَوْا فِي الْاَرْضِ مَرْتَبَةً[3] وَآمَنُوْا بِنَبِيٍّ شَرَّفَ الْعَرَبَا

ضَلُّوا الطَّرِيْقَ الْهُدٰى وَالدِّيْنَ قَدْ نَبَذُوْا[4] وَرَاءَهُمْ فَاسْتَحَقُّوا الْمَقْتَ وَالْغَضَبَا

تَصَعْلَكَ الْقَوْمُ حَتّٰى لَا مَعَاشَ لَنَا[5] اِلَّا كَفَافًا فَاِذَا الْكَدْ نَالَهٗ دَاءِبَا

اَلْجَهْلُ فَقْرٌ وَدَاءٌ لَا شِفَاءَ لَهٗ[6] وَلَا نِهَايَةَ اِلَّا الْمَوْتُ وَالْعَطَبَا

بِالْفَقْرِ وَالذُّلِّ دُنْيَانَا مُكَدَّرَةٌ[7] وَالدِّيْنُ فِيْنَا يُنَادِي الْوَيْلَ وَالْحَرَبَا

حَاجَاتُنَا فِي طُلَّابِ الْعِلْمِ اَوَّلُهَا[8] نَبْغِيْ مَكَانًا دِبَاطًا مَسْجِدًا رَحْبَا

وَيَرْحَمُ اللّٰهُ عَبْدًا بَادًّا اَسْمَحَا[9] لِلْمُسْلِمِيْنَ اَخًا لِلطَّالِبِيْنَ اَبَا

---

[1] خوش حال لوگ ہی اکثر بدکار ہیں مال موروثی اور بزرگوں کے ذخیرے میں اسراف کرتے ہیں۔

[2] اگر اپنی بدکاری سے باز رہیں تو کمزوری اور عجز کے سبب سے نہ ڈر سے۔

[3] یہ اُن لوگوں کے خلف ہیں جو [illegible] مرتبہ حاصل کر چکے ہیں اور اُس پیغمبر پر ایمان لائے ہیں جن کی وجہ سے عرب شریف ہوا ہی

[4] خلاف راہ راست سے بھٹک گئے ہیں اور دین کو پس پشت پھینک دیا ہی پس وہ غضب الٰہی کے مستحق ہو گئے۔

[5] قوم مفلس ہو گئی یہاں تک کہ اب ہمارے واسطے کوئی معاش نہیں مگر بقدر سدِ رمق وہ بھی بشرطیکہ ہم کوشش میں تاہی کریں

[6] جہالت منافی ہے اور ایسی بیماری ہے جس کو شفا نہیں اور موت ہلاکت کے سوائے اُس کا کچھ انجام نہیں۔

[7] مفلسی اور ذلت کی وجہ سے ہماری دنیا مکدر ہے اور دین ہم میں بآواز بلند پکار رہا ہے کہ ہائے میں لُٹ گیا۔

[8] طالب علم میں ہماری حالتوں میں سے اول یہ ہے کہ ہم کو ایک مکان چاہیئے اور بورڈنگ ہاؤس اور وسیع مسجد۔

[9] خدا اُس بندے پر رحم کرے جو نیک اور سخی ہو مسلمانوں کا بھائی اور طالب علموں کا باپ ہے۔

ساتویں نظم

ذیل کے اشعار ایک عجیب اتفاق کے ساتھ مولانا کے قلم سے نکلے ہیں مشن کالج دہلی میں تقسیم انعامات کا عظیم الشان جلسہ تھا عمائدِ شہر اور حکام ضلع مدعو تھے یہاں تک کہ کلکتہ کے لارڈ بشپ صاحب نے بھی اپنی شرکت سے جلسے کو رونق دی تھی کالج کا ایک طالب علم عربی اشعار پڑھتا تھا۔ عرب کے نامور شاعر ابو العتاہیہ کے چند اشعار مولانا کے پاس لایا اور کہا کہ یہ اشعار مجھے جلسے میں پڑھنے ہیں مگر اشعار تھوڑے اور وقت زیادہ اگر آپ چند اشعار اسی زمین میں فرمائیں تو میں ان سے اپنا پورا وقت لے سکتا ہوں مولانا نے برجستہ ذیل کے اشعار رکھ دیئے۔ ابو العتاہیہ کا پہلا شعر یہ ہے۔

لَا يَذْهَبَنَّ بِكَ الْأَمَلُ حَتّٰى تُقَصِّرَ فِي الْعَمَلِ

۱ اَللّٰهُ قَدَّرَ فِي الْأَزَلِ	اَنْ لَا نَجَاةَ بِلَا عَمَلِ
۲ اَلنُّصْحُ لَيْسَ بِنَافِعٍ	وَالسَّيْفُ قَدْ سَبَقَ الْعَذَلْ
۳ وَالْمَرْءُ لَيْسَ بِخَالِدٍ	وَالْعَيْشُ اَمْرٌ مُّتَحَمَّلُ
۴ كُنْ حَيْثُ شِئْتَ مِنَ السُّهُوْ	لِ وَفِي الْبُرُوْجِ وَفِي الْقُلَلِ
۵ يُدْرِكْكَ مَوْتٌ فِي الزَّمَا	نِ وَلَا يَزِيْدُكَ فِي الْاَجَلِ

۱ خدا نے روزِ ازل میں قرار داد کر دیا ہے کہ بے عمل کے نجات نہیں۔

۲ نصیحت کچھ فائدہ نہیں دیتی جب کہ ملامت سے پہلے تلوار اپنا کام کر چکی ہو۔

۳ آدمی ہمیشہ رہنے والا نہیں اور زندگی امر مشتبہ ہے۔

۴ جہاں تمہارا جی چاہے زمین پست اور بروج اور پہاڑ کی چوٹیوں پر رہو۔

۵ تم کو موت وقت پر آکر رہے گی اور میعاد حیات زیادہ نہیں ہو سکے گی۔

لَذَّاتُ دُنْیَا کُلُّھَا[۵۱]	سَمٌّ مَشُوبٌ بِالْعَسَلِ
اَلْعُمْرُ فَانٍ فَالنَّجَا[۵۲]	وَالْمَوْتُ آتٍ فِي الْعَجَلِ
حَتَّامَ تَقْلِیدُ الْھَوٰی[۵۳]	وَاِلَامَ تَجْدِیدُ الْحِیَلِ
اَلْمُبْتَلٰی بِعَلَائِقِ الدُّ[۵۴]	نْیَا حِمَارٌ فِي الْوَحَلِ
اَلصَّبْرُ مِفْتَاحُ الْفَرَجِ[۵۵]	وَالْحِلْمُ اَوْقَرُ مِنْ جَبَلِ
مَنْ جَاءَ بِالْحُسْنٰی فَلَا[۵۶]	خَوْفٌ عَلَیْهِ وَلَا وَجَلُ
لَا تُؤْذِ نَفْسًا فِي الْوَرٰی[۵۷]	اُرْتَفِقْ بِھِمْ ثُمَّ بَجِّلْ

۵۱ دنیا کی سب لذتیں زہر ہیں جن میں شہد ملا ہوا ہی۔

۵۲ عمر فنا ہونے والی ہی تو بھاگو اور موت جلد آنے والی ہی۔

۵۳ کب تک خواہش نفسانی کی پیروی اور کہاں تک حیلہ جوئی۔

۵۴ جو شخص دنیا کے تعلقات میں مبتلا ہی وہ گدہا ہی جو دلدل میں پھنسا ہوا ہی۔

۵۵ صبر کشادگی کی کنجی ہی اور بردباری پہاڑ سے زیادہ باوقار ہی۔

۵۶ جو شخص نیک کام کرے اُس پر نہ کچھ خوف ہی نہ ہراس۔

۵۷ کسی شخص کو دنیا میں ایذا نہ دو۔ اور اُن کے ساتھ نرمی سے پیش آؤ۔

متفرق اشعار

دہلی میں سراج الملۃ والدین امیر کابل کی تشریف آوری کے موقع پر ذیل کے دو شعر مولنا نے اپنے ایک دوست کو دوکان پر آویزاں کرنے کے لیئے فی البدیہہ لکھ دیئے۔

بَارَكَ اللّٰهُ فِي السِّرَاجِ الْمُنِيرِ ۔ صَاحِبِ الْأَمْرِ مَالَهُ مِنْ نَظِيرِ

أَنْتَ أَحْيَيْتَ دِيْنَ أَحْمَدَ وَالْمِلَّةَ فَالدَّهْرُ صَارَ خَيْرَ الدُّهُورِ

چراغ روشن صاحب حکومت میں خدا برکت دے جس کی کوئی نظیر نہیں۔

تم نے دین احمد اور شریعت کو زندہ کر دیا پس یہ زمانہ بہترین زمانہ ہے۔

گورکھپور میں مفتی اسد خاں صاحب صدر الصدور تھے اور ہمارے مولانا ڈپٹی کلکٹر جونپور میں مفتی صاحب کی بیوی کا انتقال ہو گیا۔ مولانا نے قصیدہ تعزیت لکھا صرف ایک شعر ہم کو دستیاب ہوا ہے وہ یہ ہے ؎

فَوَاللّٰهِ إِنِّي مُذْ سَمِعْتُ وَفَاتَهَا ۔ تَبَيَّنْتُ دُنْيَا مَا أَقَلَّ ثَبَاتَهَا

بخدا جب سے میں نے اُن کا مرنا سنا اپنی آنکھوں دیکھ لیا کہ دنیا بھی بڑی بے ثبات جگہ ہے۔

بمبئی کے بعد مدراس میں ایجوکیشنل کانفرنس ہونے کو تھا۔ مولانا کو بھی بلایا تھا مولانا نے عربی نظم تیار کی اور لکچر بھی۔ کسی وجہ سے جانا نہیں ہوا۔ نظم اور لکچر دونوں ضائع صرف ایک مطلع درج ذیل کیا جاتا ہے ؎

إِنِّي أُسَائِلُكُمْ يَا أَهْلَ مَدْرَاسِ ۔ هَلْ فِيكُمْ لِسِقَامِ الْفَقْرِ مِنْ آسِ

اے اہل مدراس میں تم سے پوچھنے کو ہوں کہ تم میں سے کسی کے پاس مرض افلاس کی بھی دوا ہے؟

تین شعر عشق بازی کے خلاف میں جو طویل نظم کے ہم کو ملے ہیں باقی خدا معلوم کہاں ہوں گے ؎

لَا تَحُومَنَّ حَوْلَ دُورِ الْحِسَانِ ۔ إِنَّهَا مِنْ حَبَائِلِ الشَّيْطَانِ

خوب صورت عورتوں کے گھروں کے آس پاس مت گھوما کرو کیوں کہ وہ دام شیطان ہیں۔

كَيْفَ تُرْجِي الْخَلَاصَ مِنْ حَلَقٍ	نُجُلٍ وَمِنْ شِبَاكِ الْجُفَانِ
ثُمَّ مِنْ جِنْسِهَا ذَوَائِبُ سُودٍ	شَرَكٌ لَا مَنَاصَ مِنْهُ لِعَانِ

بڑی بڑی آنکھوں کے جال سے کیوں کر نجات کی اُمید ہو سکتی ہی اور اسی طرح پلکوں کے جال سے اور اسی قسم کی کالی زلفیں کہ یہ بھی ایک جال ہیں کہ جن کے گرفتار کو چھٹکارا نہیں۔

ہز ہائینس امیر حبیب اللہ خاں والی کابل نے عید الضحیٰ کے دن ڈپٹی کمشنر کی معرفت رؤسائے دہلی کو ملاقات کے لیئے بلایا تھا۔ اُن میں ہمارے مولانا بھی تھے۔ مولانا نے امیر سے آنکھیں دوچار ہوتے ہی یہ شعر فی البدیہہ پڑھا۔ جس پر امیر صاحب سرو قد کھڑے ہو گئے اور مولانا کے دونوں ہاتھ چوم لیئے ؎

عِيدٌ وَّعِيدٌ وَّعِيدٌ صِرْنَ مُجْتَمِعَہ	وَجْهُ الْحَبِيبِ وَيَوْمُ الْعِيدِ وَالْجُمُعَہ

آج تہری عید ہی حبیب کا منھ۔ اور عید کا دن اور جمعہ۔

بابُ نَظْمِیَّہ

	قیمت	محصولڈاک
فطری ہیں۔ جو شخص ذرا بھی سمجھ رکھتا ہو وہ بخوبی تصفیہ کرسکتا ہو کہ دنیا میں اگر کوئی مذہب سچا ہی تو وہ اسلام ہی ہو" کافر توانی شد ناچار مسلمان شو"۔	عصر	۴ر
(۹) **حیات النذیر**۔ مولانا ے مرحوم کی مکمل سوانح عمری مع فوٹو اور دو عکسی خطوط کے ۴۶۹ صفحات۔	عہ ۸ر	۸ر
(۱۰) **نظم بے نظیر**۔ مولانا ے مرحوم کی کل نظموں کا مجموعہ مع صراحت اس امر کے کہ کس جلسہ اور تقریب کے لیے لکھی گئی تھی۔	عصر	۳ر
(۱۱) **مراۃ العروس**۔ لڑکوں کو امور خانہ داری اور سلیقہ سکھلانے کی بے نظیر کتاب جس پر گورمنٹ سے ایک ہزار روپیہ انعام ملا۔	۸ر	۳ر
(۱۲) **بنات النعش**۔ گویا کہ مراۃ العروس کا حصہ دوم ہی جس میں لڑکیوں کی اصلاح اور تمدن میں اُن کو زیادہ تر بکار آمد بنانے کے لیے عمدہ عمدہ تعلیمی مضامین لکھے گئے ہیں۔ اس پر گورمنٹ سے پانسو روپیہ انعام ملا ہی۔	۸ر	۳ر
(۱۳) **توبۃ النصوح**۔ نیک کرداری۔ اخلاق اور مذہبی تعلیم کا بیش بہا ذخیرہ جس پر گورمنٹ سے ایک ہزار روپیہ انعام ملا۔	۸ر	۳ر
(۱۴) **محصنات**۔ یعنی فسانۂ مبتلا۔ جس میں دو شادیاں کرنے کی مصیبتوں کو نہایت دردناک طور سے بیان کیا گیا ہی اور آخر میں ایک مخمس بھی ہی۔	۱۲ر	۳ر
(۱۵) **ایامیٰ**۔ بیواؤں کی دکھ بھری کہانی خود اُن کی زبانی۔ اُن کے اصلی حالات اور دلی جذبات کا فوٹو اُن کی مشکلات کا بس یہی حال ہی کہ بیواؤں کا نکاح ثانی کیا جائے۔	۱۲ر	۳ر
(۱۶) **ابن الوقت**۔ انگریزی کورانہ تقلید کی خرابیاں نتیجہ یہ کہ ازیں سو رانده وزاں سو درمانده۔ مذہبی مسائل پر نہایت عمدہ معقول اور مسکت مباحث ...	عصر	۴ر
(۱۷) **موعظہ حسنہ**۔ وہ تمام نصیحت آمیز خطوط جو مولنا نے اپنے اکلوتے بیٹے کو تعلیم کے زمانہ میں وقتاً فوقتاً لکھے تھے۔	۱۲ر	۳ر

نام کتاب	قیمت	محصول ڈاک
(۱۸) منتخب الحکایات - بچوں کے لیئے چھوٹی چھوٹی کہانیاں	۴ر	۲ر
(۱۹) چند پند - بچوں کے لیئے عمدہ عمدہ نصیحت آمیز مضامین	۴ر	۲ر
(۲۰) صرف صغیر - فارسی زبان کے قواعد اُردو میں	۴ر	۲ر
(۲۱) نصاب خسرو - امیر خسرو کی ترمیم شدہ خالق باری	۴ر	۲ر
(۲۲) رسم الخط - املا و انشا کے نو آموز بچوں کے لیئے سلیس قواعد	۴ر	۲ر
(۲۳) مبادی الحکمت - علم منطق کے قواعد سلیس اور عام فہم اُردو میں جس پر گورنمنٹ سے پانسو روپیہ انعام ملا	۸ر	۳ر
(۲۴) مالیغنیک فی الصرف - صرف عربی کے قواعد زبان اُردو میں -	۸ر	۳ر

زیر طبع

(۲۵) لکچروں کا مکمل مجموعہ (۲۶) امہات الامہ - یہ وہ کتاب ہی جسے سوختنی قرار دے کر مولانا پر کفر کا فتویٰ ہوا تھا اب چند مستند علمار کی نظر ثانی ترمیم اور تعدیل کے بعد خواہش مندوں کے سخت اصرار پر زیر طبع ہی - خواہش مند اپنا نام رجسٹر کرائیں -

مولانائے مغفور کی آخری اور ناتمام تصنیف

(۲۷) مطالب القرآن - کلام مجید کی مکمل اُردو تفسیر کا حصۂ اول "معتقدات" صفحہ (۱۴۸) تک پوری تفسیر کو بحیۂ حصول میں لکھنا مرکوز خاطر تھا اور جتنی لکھی جاتی تھی اُتنی ہی چھپ بھی جاتی تھی - افسوس ہی کہ مولانا کی زندگی نے چند سے اور وفا نہ کی اور کتاب ادھوری رہ گئی - اب جتنی اور جس حیثیت سے طیار تھی ناظرین کی خدمت میں پیش کی جاتی ہی ...... عصہ رمع محصول ڈاک

ملنے کا پتہ

بشیر الدین احمد تعلقہ دار پنشنر کھاری باؤلی دہلی

OSMANIA UNIVERSITY
COLLEGE LIBRARY.